اسلام اور امن عالم

ایفا پبلیکیشنز

نام کتاب	:	اسلام اور امن عالم
صفحات	:	۴۵۷
قیمت	:	
سن طباعت	:	مارچ ۲۰۰۶ء
کمپیوٹر کتابت	:	محمد خالد

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل:ifapublications@hotmail.com

فون:**26987492**،فیکس:**26981779**

ملنے کا پتہ

قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35،نظام الدین ویسٹ،نئی دہلی-۱۳

فون:**24352732**

مجلس ادارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

تحریری آراء:

مولانا برہان الدین سنبھلی

مفتی عبید اللہ اسعدی

مفتی جمیل احمد نذیری

مفتی شیر علی گجراتی

سید امیر حسین گیلانی

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی محبوب علی وجیہی

سید قدرت اللہ باقوی

مولانا زبیر احمد قاسمی

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی

ڈاکٹر یوسف قاسم، قاہرہ

مولانا محمد قاسم مظفر پوری

مولانا حفیظ الرحمٰن عمری

مفتی حمید اللہ جان

قاضی محمد ہارون مینگل

تفصیلی مقالات:

مولانا ابرار خاں ندوی

مفتی سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی

مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی

مولانا بدر احمد مجیبی

محمد علی تسخیری، ایران

مولانا مبارک حسین نیپالی

مولانا محمد ارشد (جامعہ الامام ابن تیمیہ)

مولانا عبد الرشید جونپوری

سید ذاکر حسین شاہ سیالوی

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی

مولانا افتخار عالم قاسمی

مولانا ابوسفیان مفتاحی

مولانا محمد ارشاد قاسمی

مفتی انور علی اعظمی

مولانا اشتیاق احمد اعظمی

مولانا خورشید احمد اعظمی

مولانا قمر الزماں ندوی

مختصر تحریریں:

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مولانا محمد شمس الدین مظاہری

مفتی حبیب اللہ قاسمی

قاری ظفر الاسلام قاسمی

مولانا عطاء اللہ قاسمی

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

مولانا محی الدین غازی فلاحی

مولانا ابوالعاص وحیدی

مولانا سعید الرحمٰن فاروقی

مولانا محمد ظفر عالم ندوی

مفتی عبد الرحیم قاسمی

مولانا نیاز احمد عبد الحمید

مولانا اسعد قاسمی سنبھلی

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی

مولانا ابوالقاسم عبد العظیم

مفتی مجاہد الاسلام قاسمی

مولانا تنظیم عالم قاسمی

مناقشہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
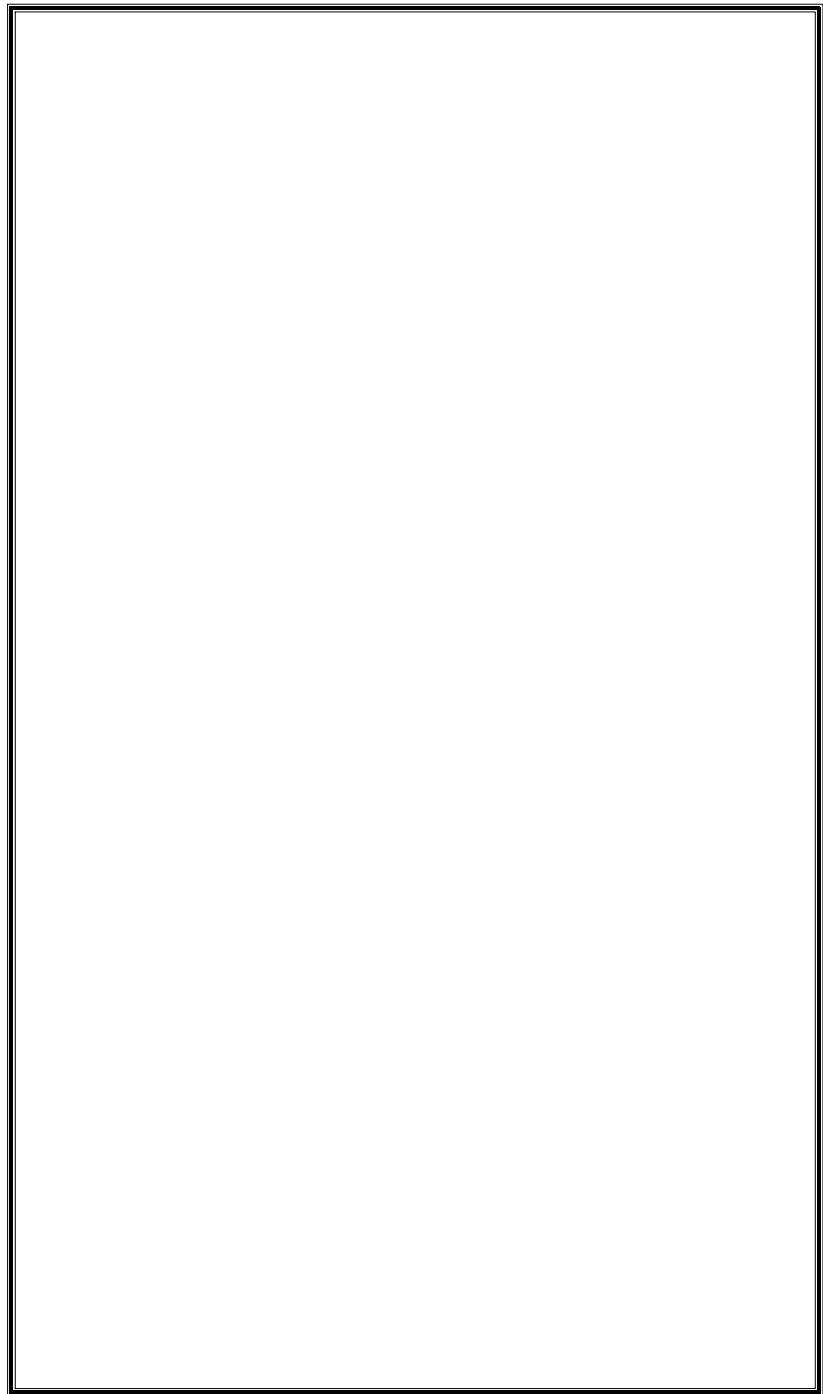
افتتاحیہ

قرآن مجید نے ایسے خدا کا تصور پیش کیا ہے جو رحمٰن و رحیم اور رؤف و کریم ہے، اور اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جن الفاظ میں خاص طور پر تعارف کرایا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کو پوری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، ''**وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين**''۔ اس لئے اسلام کی تمام تعلیمات شفقت و محبت اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں، اسلام نے نہ صرف اپنوں سے محبت سکھائی ہے بلکہ دشمنوں سے بھی حسن سلوک کا سبق دیا ہے، کیونکہ دراصل یہ دین ہے ہی ''دین محبت''، جس میں قدم قدم پر خدا سے محبت، رسول سے محبت، مسلمانوں سے محبت، پوری انسانیت سے محبت، یہاں تک کہ خدا کی تمام مخلوقات سے محبت کی تعلیم دی گئی ہے۔

ایمان کے بعد اس دین میں جو چیز سب سے زیادہ محبوب و مطلوب ہے وہ ''عدل'' ہے، اور کفر کے بعد جو چیز سب سے زیادہ مذموم اور ناپسندیدہ ہے وہ ''ظلم'' ہے، اسی لئے بڑی حد تک مسلمانوں نے اپنی قوت و شوکت کے عہد میں اس کا عملی ثبوت دیا ہے اور ظلم و جور سے اپنا دامن بچایا ہے، بلکہ بعض دفعہ سیاسی کشمکش میں ایسا تو ہوا ہے کہ خود مسلمانوں کے ایک گروہ نے

دوسرے گروہ پر زیادتی کی ہے، لیکن اس کی مثال شاذونادر ہی ملے گی کہ انہوں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ بدسلوکی کو روا رکھا ہو، اسی لئے ایک زمانہ تک بہت سی غیر مسلم اقلیتیں مسلمان حکومتوں کے زیر سایہ زندگی گذارتی رہی ہیں، اور انہوں نے اس خطہ کو امن وآشتی اور عدل وانصاف کے اعتبار سے اپنے ہم مذہب حکمرانوں سے بھی زیادہ مامون ومحفوظ جگہ تصور کیا ہے۔

صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد سے مغربی دنیا نے اسلام، امت مسلمہ اور عالم اسلام پر یلغار کی ایک مستقل مہم شروع کر رکھی ہے، یہ مہم بیک وقت سیاسی واستعماری پہلو سے بھی ہے اور فکری اور نظریاتی جہت سے بھی، خلافت عثمانیہ کا سقوط اور مسلم ممالک کی چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں تقسیم عالم اسلام پر سیاسی اعتبار سے ایک ایسی کاری ضرب تھی جس کے زخم سے آج تک امت مسلمہ لہولہان ہے، دوسری طرف مستشرقین اور مغربی مصنفین نے اسلام کے بنیادی افکار، شریعت اسلامیہ کے مآخذ، اسلامی تاریخ، شرعی قوانین اور اسلام سے متعلق ایک ایک چیز کو نشانہ بنایا اور غلط فہمیوں اور پروپگنڈوں کی ایک ایسی طویل وعریض عمارت کھڑی کردی کہ جن لوگوں نے ان کی کتابوں کے ذریعہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی، وہ ان کی مغالطہ انگیزیوں کے دام سے نکل نہیں سکے۔

اسرائیل کے قیام اور عالمی سطح پر یہودیوں کے ایک طاقت بن جانے اور عیسائی دنیا کے دل ودماغ پر عملاً ان کے حکمراں ہوجانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ایسی تحریک شروع ہوئی ہے، جو بیک وقت سیاسی بھی ہے اور فکری بھی، جس میں کشور کشائی اور قبضہ گیری بھی ہے اور مظلوم کو ظالم ثابت کرنے اور اخلاقی سطح پر انہیں ذلیل ورسوا کردینے کی سازش بھی، چنانچہ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی پہلے تو مسلمانوں اور بالواسطہ اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں، پھر باری باری مختلف مسلم ملکوں کو متعین طور پر نشانہ بنا کر حملہ کرتے ہیں، وہاں قتل وخون کا بازار بھی گرم ہوتا ہے، بڑے پیمانے پر انسانی حقوق بھی تلف

کئے جاتے ہیں اور انہیں کو ظالم اور دہشت گرد بھی قرار دیا جاتا ہے، اسرائیل اب تک کئی بار قتل عام کا مرتکب ہو چکا ہے، لیکن اسے یہودی دہشت گرد نہیں کہا جاتا، سربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں پر ایسے مظالم روا رکھے ہیں کہ شاید درندے بھی انہیں دیکھ کر شرمسار ہوئے ہوں گے، لیکن انہیں عیسائی یا سرب دہشت گرد نہیں کہا جاتا، لیکن فلسطینی اگر ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں توپ کے گولوں کے مقابلہ میں پتھر پھینکیں اور ہولناک میزائلوں کے جواب میں غلیل استعمال کریں تو وہ دہشت گرد کہے جاتے ہیں۔

انسانی فطرت یہی ہے کہ ردعمل میں بعض دفعہ قانون کے حدود ٹوٹ جاتے ہیں، اس لئے ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں کہ بعض دفعہ اور بعض علاقوں میں انتقامی اور جوابی کارروائی میں شریعت کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز ہو جاتا ہے، مسلمان خواہ کتنے بھی دشوار حال میں ہوں وہ بہرحال خیر امت ہیں اور ان کی حیثیت انسانیت کے لئے داعی و ہادی اور رہبر و رہنما کی ہے، اس لئے انہیں ایک طرف مغرب کے پروپگنڈہ کا جواب دینا ہے، اور اسلام کی حقیقی تعلیمات بھی لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہیں اور دوسری طرف مشکل اور صبر آزما حالات میں بھی اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات پر ثابت قدم رکھنا اور عملی طور پر اسلامی اخلاق کی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے چودھویں فقہی سمینار کے موضوعات میں ایک اہم موضوع ''اسلام اور امن عالم'' رکھا گیا تھا، جس میں اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی حقیقت، ریاستی اور عوامی دہشت گردی، ردعمل اور احتجاج کے سلسلے میں شرعی حدود، مدافعت کا حکم اور اس سلسلے میں شرعی اصول، نیز دہشت گردی کے تدارک کے لئے اسلامی تعلیمات جیسے اہم مسائل پر اہل علم کو بحث کی دعوت دی گئی تھی، بحمد اللہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں منعقد ہونے والے اس سمینار میں علماء اور ارباب افتاء کے ۵۴ مقالات آئے،

ہندو بیرون ہند سے ۲۴۰ فضلاء شریک ہوئے، اور کافی غور وفکر اور بحث ومناقشہ کے بعد باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں۔

یہ مجموعہ انہیں علمی کاوشوں پر مشتمل ہے، جس میں سمینار کے لئے جاری ہونے والے سوالنامہ اور منظور ہونے والی تجاویز پہلے ذکر کی گئی ہیں۔ کیونکہ یہی اصل میں سمینار کا متفقہ فیصلہ اور غور وفکر کا خلاصہ ہے، سمینار میں جو مقالات آئے ہیں، جناب مولانا ہشام الحق ندوی (رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی) کے قلم سے ان کی جامع تلخیص ہے، اور سمینار میں عارضین کی جانب سے پیش کی جانے والی بحثیں بھی شامل رکھی گئی ہیں، کیونکہ یہ تمام مقالات کا خلاصہ اور عطر ہیں، اس کے بعد سمینار میں آنے والی تحریروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے تحریری آراء ہیں۔ دوسرے تفصیلی مقالات ہیں۔ تیسرے نسبتاً مختصر تحریریں ہیں، اخیر میں سمینار میں ہونے والے مناقشہ کی تفصیلات ہیں۔ محبّ عزیزی مولانا صفدر علی ندوی (رفیق شعبہ علمی) نے اس مجموعہ کو بڑی محنت کے ساتھ ایڈٹ کیا ہے، عربی عبارتوں کے ترجمے کئے گئے ہیں، بعض مقالات سے غیر متعلق بحثیں حذف کردی گئی ہیں اوراس طرح یہ مجموعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

امید ہے کہ فقہی سمیناروں کے مقالات کے دوسرے مجموعوں کی طرح اس کو بھی اہل علم اور اصحاب ذوق کی پذیرائی حاصل ہوگی، اور اس کے ذریعہ جہاں اس مسئلہ سے متعلق شرعی موقف کی مدلل اور متوازن وضاحت ہوگی، وہیں اسلام کے بارے میں مثبت طور پر بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوسکے گا، واللہ ہوالمستعان۔

خالدسیف اللہ رحمانی

(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، دہلی)

سوالنامہ:

اسلام اور امن عالم

اسلام امن وآشتی اور صلح وسلامتی کا مذہب ہے، اس نے انسانی زندگی کی حرمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے، اور اگر کسی مسلمان ملک میں غیر مسلم اقلیت آباد ہو تو اس کی جان و مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز نجی زندگی سے متعلق معاملات میں انہیں اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی ہے، اس نے نہ صرف ظلم و تعدی سے روکا ہے بلکہ ظلم کے جواب میں بھی دوسرے فریق کے بارے میں حد انصاف سے متجاوز ہوجانے کو ناپسند کیا ہے اور انتقام کے لئے بھی مہذب اور عادلانہ اصول وقواعد مقرر کئے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے زیادہ تر اسلام کے خلاف پروپگنڈہ کی نیت سے اور کسی قدر غلط فہمیوں کی بنا پر اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے اور اس جھوٹ کو اس قدر دہرایا گیا ہے کہ اب ایک طبقہ اسلام اور دہشت گردی کو مترادف سمجھنے لگا ہے، ان حالات میں علماء، فقہاء اور ارباب افتاء کی ذمہ داری ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کریں اور اسلام نے امن، صلح، عدل، مذہبی رواداری اور غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو ہدایات دی ہیں، ان کو واضح کریں، تاکہ لوگوں کے سامنے اسلام کی حقیقی اور سچی تصویر آسکے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، اور کبھی تو ان کے جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو تو کیا حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا؟

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی دہشت گردی کے دائرہ میں آتا ہے؟

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو کیا مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں؟

۵- جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب؟ نیز حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

V1x ’ nÊ

اسلام اور امن عالم

۱- تشدد کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ کسی فرد یا جماعت کو کسی شرعی جواز کے بغیر خوف وہراس میں مبتلا کیا جائے یا اس کی جان ومال، عزت وآبرو، وطن ودین اور عقیدے کو خطرے سے دوچار کیا جائے دہشت گردی ہے، خواہ یہ عمل کسی فرد کی طرف سے ہو یا جماعت وحکومت کی طرف سے۔

۲- کسی بھی حکومت وریاست کی طرف سے ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے کسی فرد اور جماعت کو اس کے واجبی حقوق سے محروم کیا جائے، یا ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے دہشت گردی میں داخل ہے۔

۳- (الف) کسی بھی طرح کی ناانصافی کے خلاف مناسب اور مؤثر طریقہ پر آواز کا اٹھانا مظلوم کا ایک حق ہے۔

ب-مظلوم کی طرف سے ظلم کا دفاع دہشت گردی نہیں ہے۔

۴- ظلم کرنے والوں کا تعلق جس طبقہ اور گروہ سے ہو، اس کا بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی کے سد باب کی صورت یہ ہے کہ تمام لوگوں کو مساوی طریقہ پر عدل

وانصاف فراہم کیا جائے، انسانی حقوق کا مکمل احترام، جان و مال اور آبرو کا مکمل تحفظ کیا جائے، نسلی، قبائلی، مذہبی اور لسانی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام انسانوں کو باعزت زندگی گذارنے کا موقع دیا جائے۔

٦- کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملے کی صورت میں اس کو مدافعت کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

تلخیص مقالات:

اسلام اورامن عالم

تلخیص: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

سوال نمبر ۱:

اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

مقالہ نگار حضرات نے متعدد عربی، اردو لغات، فقہ اسلامی کے مستند مآخذ اور عصر حاضر کے بعض انگریزی اور اردو علمی مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ بعض مقالہ نگار حضرات نے موضوع سے متعلق کچھ نئی بحثیں بھی چھیڑی ہیں، مثلاً یہ کہ دہشت گردی کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اسلامی نقطۂ نظر سے انسداد دہشت گردی کی تدابیر کیا ہیں؟ کن امور پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا اور کن پر نہیں ہوگا؟ دہشت گردی اور جہاد، اور دہشت گردی اور آزادی کی لڑائی میں کیا فرق ہے؟

بعض حضرات نے دہشت گردی کی مغربی اور امریکی تعریفات بھی ذکر کی ہیں اور ان کا علمی جائزہ بھی لیا ہے۔ مقالہ نگار حضرات کا عام احساس یہ ہے کہ مسلمانوں کو مغربی میڈیا اور مغربی طاقتوں کی پیدا کردہ اس بدنام زمانہ اصطلاح سے مرعوب ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہ امریکہ، عالمی صہیونیت اور یوروپی ممالک کے تصورات کے برعکس ہمیں قرآن وسنت اور اسلامی مصادر کی روشنی میں اس کی تعریف اور اس کے صحیح تصور پر غور کرنا چاہئے۔ (ملاحظہ ہو: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی (دمشق)، شیخ محمد علی تسخیری (ایران)، سید خورشید حسن رضوی، مولانا سید محمد

ذاکرحسین شاہ سیالوی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان) مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی وغیرہ)۔

اس سلسلے میں شیخ محمد علی تسخیری نے مندرجہ ذیل چار نکات پر زور دیا ہے:

اول: سب سے پہلے اسلامی مصادر کی طرف رجوع کیا جائے تا کہ تبدیلیوں کا سبب بننے والے بلند مقاصد کو ذہن میں رکھا جا سکے اور ان اصولوں کا علم حاصل ہو سکے جنہیں اسلام ان اغراض و مقاصد کے انسانی پہلوؤں کی اساس قرار دیتا ہے اور بالفاظ دیگر ان کو مسائل کے حل میں معیار بنایا جا سکے۔

دوم: محدود مفادات کی آمیزش سے پاک اصل انسانی فطرت کا استقراء کیا جائے تا کہ ایسے انسانی اصولوں کی تلاش کی جا سکے جنہیں عمومی انسانی معیار کے طور پر بین الاقوامی سطح پر پیش کیا جا سکے اور ہمارے نتائج تحقیق بین الاقوامی سطح کے مختلف میدانوں پر حاوی ہوں اور عمومی عملی نقشہ کار کی تشکیل کے لئے موزوں ہوں۔

سوم: مذکورہ انسانی اور اسلامی مبادیات کی روشنی میں ایسی عمومی تعریف اخذ کی جائے جو جامع یعنی دہشت گردی کے حقیقی عناصر کو محیط ہو اور مانع یعنی دہشت گردی کے مزعومہ مصداقات کو اپنے دائرہ میں درآنے سے روکنے والی ہو تا کہ بلند اور پاکیزہ اصولوں کو اس نام سے موسوم نہ کیا جا سکے۔

چھارم: اس کے بعد ہمیں دہشت گردی کے ان ماڈل تصورات کا جائزہ لینا چاہئے جو قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر رائج کئے جا رہے ہیں۔ ہمیں نتائج واثرات کی روشنی میں ان کی تحقیق کرنی چاہئے پھر پوری دقت نظر کے ساتھ ان پر مناسب حکم لگانا چاہئے تا کہ کسی قسم کا التباس یا ابہام نہ رہ جائے اور ہر عمل کی حقیقی حیثیت متعین ہو جائے۔

شیخ محمد علی تسخیری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا

قمر الزماں ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی، مولانا محمد شمس الدین، مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا ابراہیم گجیا فلاحی نے مغرب پر اس بات کے لئے سخت تنقید کی ہے کہ وہ اب تک اس اصطلاح کی کوئی جامع تعریف نہ کرسکا، نہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی دنیا کے بڑے بڑے ممالک دہشت گردی کی کسی جامع تعریف پر آج تک اتفاق کر سکے (الإرہاب الدولي ڈاکٹر عزیز شکری، صفحہ ۱۱، مقالہ شیخ محمد علی تسخیری)۔

عمومی تعریف:

مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا محی الدین غازی فلاحی نے ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' کے حوالہ سے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریف نقل کی ہے:

"A systematic use of terror or unpredictable violence against Governments, Publics or individuals to attain a political objective"

(دہشت گردی سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر دہشت یا غیر متوقع تشدد کا منظّم استعمال ہے، خواہ وہ حکومتوں کے خلاف ہو، عوام کے خلاف ہو یا افراد کے خلاف ہو)۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی نے اس تعریف کو ناقص قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے بقول اس تعریف کی رو سے اپنے غصب شدہ حقوق بشمول آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد دہشت گردی قرار پاتی ہے اور اس کے برعکس حکومتوں کا اپنے ملک کے بعض طبقات پر ظلم کرنا اور طاقتور ملکوں کا کمزور ملکوں پر ظلم کرنا دہشت گردی نہیں قرار پاتا ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی اور مولانا مبارک حسین ندوی کے بقول انڈین نیشنل سیکورٹی ایکٹ ۱۹۸۶ء میں دہشت گردی میں ملوث شخص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''دہشت گرد ایسا شخص ہے جو کسی قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مرعوب و معطل کرنے کی غرض سے یا عوام یا ان کے ایک طبقہ میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے بم،

ڈائنامائٹ یا آتش گیر اشیاء یا پھٹ پڑنے والی اشیاء یا گولی چلانے والے ہتھیار یا دوسرے قاتلانہ ہتھیار، زہریلی گیس یا دیگر خطرناک وتباہ کن مادہ کا اس طرح استعمال کرتا ہے جو کسی کے زخمی ہونے یا مال واسباب کی تباہی یا قومی زندگی کی ضروریات کی ترسیل کے نظام کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ ہے (Countering Terrorism": Mr. D.P. Sharma)۔

مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی نے F.B.I اور امریکن کانگریس کی طرف سے کی گئی دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریفات بھی بالترتیب ذکر کی ہیں:

الف-"**إنه استعمال أو التهديد باستعمال غير مشروع للعنف ضد أشخاص أو ممتلكات لتخويف أو إجبار حكومة أو المدنيين كلهم أو بعضهم لتحقيق أهداف سياسية أو اجتماعية**"(بعض سیاسی واجتماعی مقاصد کے حصول کے پیش نظر پورے سماج یا کچھ لوگوں پر یا کسی حکومت پر دباؤ ڈالنے یا دہشت پیدا کرنے کے لئے کچھ افراد یا اموال وجائداد کے خلاف غیر قانونی تشدد کا استعمال یا استعمال کی دھمکی کا نام دہشت گردی ہے)۔

ب-"**إنه عنف واقع عن قصد وترويع وبدوافع سياسية تستهدف به منظمات وطنية صغيرة أو عملاء سريون جماعة غير محاربة يقصد منه في الغالب التأثير على مستمعين أو مشاهدين**"(دہشت گردی ایک ایسا تشدد ہے جو بالارادہ اور سیاسی محرکات کی بنا پر دہشت پھیلانے کے لئے کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ ملکی سطح کے چھوٹے چھوٹے گروپس یا خفیہ ایجنٹس کسی غیر عسکری گروپ کو نشانہ بناتے ہیں۔ اس تشدد کا مقصد عموماً سننے والوں یا دیکھنے والوں پر اثر انداز ہونا ہوتا ہے)(الإرہاب تعریفہ ومسبباتہ ،ص۶، ڈاکٹر جعفر ادریس)۔

مولانا ابرار خاں ندوی نے سابق اسرائیلی وزیراعظم بنجامین نیتن یاہو کی طرف سے کی گئی دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریف نقل کی ہے:

''**الإرهاب هو استخدام العنف الإرهابي ضد دولة معينة بواسطة دولة أخرى تستغل الإرهابيين لشن حرب من الأفراد ، كبديل للحرب التقليدية، وأحياناً يأتي الإرهاب من حركة أجنبية تتمتع بتأييد دولة مستقلة تسمح وتشجع نمو هذه الحركات على أرضها**''(دہشت گردی وہ دہشت گردانہ تشدد ہے جسے کسی مخصوص حکومت کے خلاف کسی دوسری حکومت کے واسطے سے جو دہشت گردوں کو پناہ دیتی ہو، روایتی جنگ کے متبادل کے طور پر افراد کی طرف سے جنگ چھیڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور کبھی دہشت گردی کسی غیر ملکی تحریک کے ذریعہ ہوتی ہے جس کی پشت پناہی کوئی آزاد وخودمختار حکومت کرتی ہے جو اپنی سرزمین پر ان تحریکات کو پروان چڑھنے کی اجازت دیتی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے)(استئصال الإرہاب ص۵۵ بحوالہ رسالۃ الإخوان ۱۳/۹/۲۰۰۲ء)۔

اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ اس تعریف کی رو سے وہ تمام عرب اور مسلم ممالک جو مظلوم فلسطینیوں کی مالی، سیاسی اور اخلاقی حمایت کرتے ہیں، اسی طرح آزادی فلسطین کے لئے جدوجہد کرنے والی تحریکات اسلامی جیسے حزب اللہ اور حماس یہ سب دہشت گرد ہیں۔ ان کے بقول اسی کتاب میں پوری مسلم دنیا اور اس کی مسلم جماعتوں کو دہشت گردی کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔

مولانا ابرار خاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی کا خیال یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے کی گئی دہشت گردی کی اس قسم کی تعریفات دراصل مغربی ممالک کے تعصب، ان کے جغرافیائی ونسلی امتیازات اور ان کے سیاسی مفادات کی آئینہ دار ہیں۔

شیخ محمد علی تسخیری نے دہشت گردی کی تعریف پر گفتگو کرتے ہوئے شمید نامی محقق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس نے اس اصطلاح کی ایک سو نو تعریفات درج کی ہیں اور انہوں نے بطور مثال ایک قدرے تفصیلی تعریف نقل کر کے اسے لغو قرار دیا ہے (دیکھئے: الإرہاب السیاسی ر۱-۲)۔

شیخ موصوف نے جنکنیز نامی اسکالر کی طرف منسوب یہ تعریف بھی درج کی ہے کہ دہشت گردی وہ کارروائی ہے جسے برے لوگ انجام دیتے ہیں!! اس تعریف پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ آخر نیک و بد اور بہتر اور بدتر کی تعیین کیسے ہوگی؟ کیا موجودہ دور کے وہ جابر و طاقتور حکمراں اس کا مصداق نہیں ہیں جو زبردستی انسانوں کی تقدیر کے مالک بن بیٹھے ہیں اور جن میں سرفہرست آج امریکہ ہے؟

اس کے بعد شیخ نے استاذ بسیونی کی مندرجہ ذیل تعریف بھی نقل کی ہے:

"**إنه استراتيجية عنف محرم دوليا تحفزها بواعث عقائدية، وتتوخى إحداث عنف مرعب داخل شريحة خاصة من مجتمع معين لتحقيق الوصول إلى السلطة أو للقيام بدعاية لمطلب أو لمظلمة بغض النظر عما إذا كان مقترفو العنف يعملون من أجل أنفسهم ونيابةً عنها أم نيابةً عن دولة من الدول**" (دہشت گردی بین الاقوامی قانون کے مطابق ناجائز تشدد کی ایسی حکمت عملی کا نام ہے جس کے پس پردہ اعتقادی اسباب کارفرما ہوتے ہیں۔ اس میں ایک متعین سماج کے ایک خاص طبقہ میں خوفناک تشدد پیدا کرنا پیش نظر ہوتا ہے تا کہ اقتدار تک پہنچا جا سکے یا کسی مقصد کی خاطر یا کسی حق تلفی کے خلاف پروپگنڈہ کیا جا سکے، اس سے قطع نظر کہ تشدد کا ارتکاب کرنے والے یہ تشدد اپنے لئے اور اپنی ذات کی طرف سے کر رہے ہوں یا کسی ملک کی طرف سے) (حول الإرہاب الدولی رص ۱۶)۔

شیخ کا خیال ہے کہ استاذ بسیونی اگر چہ ایک ماہر قانون ہیں اور ۱۹۸۸ء میں ویانا میں

منعقد ہونے والی ماہرین قانون کی کانفرنس میں اگر چہ اس تعریف کو تسلیم کرلیا گیا تھا مگر پھر بھی ان کی تعریف میں بعض نقائص رہ گئے ہیں جن میں قابل ذکر نقص یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس تعریف میں ساری توجہ انفرادی دہشت گردی پر مرکوز کردی ہے۔ اس تعریف کا دوسرا نقص یہ ہے کہ یہ جامع نہیں ہے۔ شیخ موصوف کے بقول استاذ شکری نے ملکی قوانین جیسے فرانس اور شام کے قوانین میں نیز بین الاقوامی قانون میں اس اصطلاح کی تطبیقات کا جائزہ لیا تو انہوں نے اسے نامکمل پایا (دیکھئے: الإرہاب الدولی: باب اول)۔

ارھاب کا معنی و مفھوم:

مقالہ نگار حضرات نے دہشت گردی کی اسلامی نقطہ نظر سے تعریف کے ضمن میں لفظ ''إرہاب'' کے مفہوم اور معنی میں اس سے قریب تر الفاظ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور مولانا ابرار خاں ندوی نے لفظ ''إرہاب'' کے لغوی معنی خوف و دہشت پیدا کرنا اور رعب پھیلانا ذکر کئے ہیں۔ مولانا مبارک حسین ندوی کے بقول علامہ راغب اصفہانی نے إرہاب کے معنی ''مخافة مع تحرز و اضطراب''، یعنی احتیاط اور بے چینی کے ساتھ خوف وہراس، بیان کئے ہیں (مفردات القرآن رص ۳٦٦) ۔ مجد الدین فیروز آبادی نے اس کے معنی ''أخافه و توعده''، یعنی ڈرانا اور دھمکانا ذکر کئے ہیں (القاموس المحیط رص ۸۱۷)۔ اور صاحب تاج العروس نے اس کے معنی ''الإزعاج و الإخافة''، یعنی پریشان کرنا اور ڈرانا لکھے ہیں۔ ان کے بقول عیسائی مستشرق الیاس انطوان نے ''القاموس العصری'' میں اسے "Terrorism" سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا خورشید احمد اعظمی نے ''إرہاب'' بمعنی دہشت گردی کے لئے جبران مسعود کی کتاب ''الرائد'' ۱ر ۸۸ کا حوالہ دیا ہے۔ إرہاب کے ایک معنی "Terrorism" کا ذکر مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی نے بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا محی الدین غازی

فلاحی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی کے نزدیک لفظ ''اِرہاب'' دہشت گردی کا متبادل نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ ''دہشت آفرینی'' کیا ہے اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی نے دہشت گردی کا متبادل ''عدوان'' کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ موجودہ دور میں مغربی میڈیا کی رائج کردہ اصطلاح دہشت گردی اپنی فطرت اور حقیقت کے لحاظ سے قریب قریب وہی چیز ہے جسے قدیم علماء سیاسیات نے ''استبداد''، ''استعباد''، ''اعتساف''، ''تسلط'' اور ''تحکم'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے جن کی ضد ''شرع مصون''، ''حقوق محترمۃ'' اور حیاۃ طیبۃ'' کے الفاظ ہیں (ملاحظہ ہو: طبائع الاستبداد ص ۱۰)۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا سید امیر حسین گیلانی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)، قاضی محمد ہارون مینگل (رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مفتی انور علی اعظمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی اور مولانا ابوالعاص وحیدی وغیرہ کے نزدیک دہشت گردی فساد فی الأرض ہی کی ایک صورت ہے اور اسلام اس پر اسی کے ضمن میں بحث کرتا ہے۔ مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم لکھتے ہیں کہ دہشت گردی کے مفہوم کی تعیین میں قرآن میں مذکور فساد کے علاوہ ''بغیاً وعدواً'' کی تعبیر بھی معاون ہوگی۔ شیخ محمد علی تسخیری نے دہشت گردی کے مفہوم کی تعیین میں اسلام کے احکام جنگ، احکام سرقہ، قتل، حرابہ، ''فتک''، ''غیلہ''، ''ائتمار'' سے بھی مدد لی ہے۔ مولانا محی الدین غازی فلاحی نے اس ضمن میں لفظ اِرہاب کے قرآنی استعمالات پر غور کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مبارک حسین ندوی نے لفظ اِرہاب کی لغوی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ''رہب'' سے مشتق تقریباً چھ الفاظ مختلف مقامات پر آئے ہیں:

سورۂ حشر میں ہے: ''لأنتم أشد رهبة''، سورۂ قصص میں ہے: ''جناحک من الرهب''، سورۂ نساء میں ہے: ''يدعوننا رغباً ورهباً''، سورۂ انفال میں ہے: ''ترهبون به

عدو الله''(اس آیت کا ذکر تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے کیا ہے)۔سورۂ اعراف میں ہے:''واسترھبوھم''،سورۂ توبہ میں ہے:''وإياي فارھبون''۔مولانا موصوف کے بقول مجموعی طور پر ہر جگہ اس کا مفہوم ڈرنا اور ڈرانا ہی ہے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی ،ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی نے سورۂ انفال میں مذکور ''ترھبون به عدو الله'' کو ایک عسکری حکمت عملی، دفاعی پوزیشن اور دشمن کو جارحیت سے باز رکھنے کی کوشش سے تعبیر کیا ہے اور اسے ایک معقول اور فطری انسانی تدبیر قرار دیا ہے۔سید خورشید حسن رضوی نے ''اِرہاب'' کو اسلام کی خارجی حکمت عملی کا ایک لازمی جز قرار دیا ہے۔

اسلامی تعریف:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک دہشت گردی سے مراد فتنہ وفساد کی وہ تمام شکلیں ہیں جن کے ذریعہ کسی ایک فرد یا ایک طبقہ میں خوف وہراس پیدا کر کے اس کی جان ومال،عزت وآبرو، وطن، دین اور عقیدہ کو خطرہ سے دوچار کیا جائے،خواہ یہ عمل کوئی ایک شخص کرے یا ایک جماعت یا ایک حکومت کرے(دیکھئے: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی ،مولانا سلطان احمد اصلاحی،مولانا برہان الدین سنبھلی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی،مولانا عبدالرشید قاسمی،مولانا تنظیم عالم قاسمی،مولانا محمد ارشد مدنی،مولانا سعید الرحمٰن فاروقی ،مولانا عطاءاللہ قاسمی،مولانا ظفر عالم ندوی وغیرہ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے دہشت گردی کی مذکورہ نوعیت کو الٰہی شرائع ،عقل ومنطق اور بین الاقوامی انسانی قانون سے متصادم عمل قرار دیا ہے۔وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ دہشت گردی اپنے محرکات،مناہج اور مقاصد میں ایک ناجائز عمل ہے اور جہاد ومقاومت کا ضابطہ قرآن وسنت نے اسی کے سد باب کے لئے وضع کیا ہے۔اس رائے کی تائید میں انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم**" (سورۂ انفال/۶۰) (فساد اور فتنہ کی بیخ کنی کے لئے جہاد وقتال کی مشروعیت پر بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے)۔

۲-قرآن میں ہے:"**وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين**"(سورۂ بقرہ/۱۹۰)(اس آیت سے مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی نے بھی استدلال کیا ہے)۔

۳-حدیث نبوی ہے:"**لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً**"(مسند احمد، سنن ابی داؤد، طبرانی)(کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرنا جائز نہیں ہے) یعنی اگر چہ وہ مذاق ہی کیوں نہ کر رہا ہو، مثال کے طور پر اس کا تلوار، لوہے یا اژدہے سے اس کی طرف اشارہ کرنا یا اس کا سامان لے لینا جس کو وہ اپنے پاس موجود نہ پا کر گھبرا جائے۔

۴-"**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**"(فیض القدیر ۶/۲۴۷) (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں)۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے عام ہیں۔ کیونکہ مسلم وکافر میں سے ہر ایک انسان ہے جس کو اللہ نے مکرم بنایا ہے اور اس کی جان، دین، عقل، آبرو اور مال کو محفوظ قرار دیا ہے، نیز اس لئے کہ اسلام نے دین ومذہب کی تفریق کے بغیر ہر انسان کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا ہے اور کسی بھی انسان پر کسی قسم کی زیادتی کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ ظلم بذات خود ایک جرم ہے جس کی تائید کوئی مذہب یا کوئی آسمانی ملت نہیں کرتی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے بین الاقوامی انسانی قانون کے ماہرین کی طرف سے کی گئی دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریف نقل کر کے جان، مال، وطن اور آبرو کے دفاع کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے:"**هو عمل عنيف وراء ه دافع سياسي، أيا كانت وسيلته،**

يؤدي إلى نشر الرعب والهلع في قطاع معين من الناس ، شريطة أن يتعدى العمل الموصوف حدود دولة واحدة أو دول أخرى، سواء ارتكب العمل الموصوف في زمن السلم أو في زمن النزاع المسلح"(الإرہاب الدولی-دراسۃ قانونیۃ ناقدۃ: ڈاکٹر محمد عزیز شکری، سابق ڈین کلیۃ الحقوق دمشق یونیورسٹی ر ص ۲۰۴ طبع دار العلم للملایین ۱۹۹۱ء)

(دہشت گردی ایک ایسا پرتشدد عمل ہے جس کے پس پردہ کوئی سیاسی محرک ہو، خواہ اس کا ذریعہ کچھ بھی ہو اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کے ایک خاص طبقہ میں خوف ودہشت پھیل جائے بشرطیکہ مذکورہ عمل کسی ایک ملک یا دوسرے ممالک کی حدود سے آگے بڑھ جائے، ایسا عمل دہشت گردی ہے، خواہ زمانہ صلح میں کیا جائے یا مسلح جنگ کے زمانہ میں)۔

شیخ محمد علی تسخیری کے نزدیک دہشت گردی ہر وہ عمل ہے جو وسیلہ اور مقصد ہر حیثیت سے دینی اور اخلاقی اقدار سے متصادم ہو۔ شیخ نے مندرجہ ذیل سات نکات پر اس تعریف کا انطباق کیا ہے:

الف- فضائی، بحری اور بری ڈاکہ زنی کی کارروائیاں۔

ب- ہر قسم کی استعماری کارروائیاں بشمول جنگ اور عسکری حملے۔

ج- اقوام کے خلاف اختیار کئے جانے والے عام آمرانہ طریقے اور آمریتوں کو تحفظ دینے والے تمام نظامات۔

د- ایسے تمام عسکری طور طریقے جو انسانی اقدار واعراف کے خلاف ہوں جیسے کیمیاوی، نیوکلیائی اور حیاتیاتی اسلحے، آبادیوں کو نشانہ بنانا، گھروں کو بارود سے اڑادینا، شہریوں کو ترک وطن پر مجبور کرنا وغیرہ۔

ھ- جغرافیائی، ثقافتی اور میڈیائی ماحول کو آلودہ کرنے کی تمام کوششیں۔ بسا اوقات دہشت گردی کی تمام اقسام میں فکری دہشت گردی سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

و-ہر ایسا اقدام جو قومی یا بین الاقوامی اقتصادیات کو تباہ کرنے، محتاجوں اور وسائل سے محروم لوگوں کو ضرر پہنچانے، سماجی اور اقتصادی امتیازات کو بڑھانے اور اقوام کو بھاری قرضوں کے جال میں پھنسانے کا ذریعہ ہو۔

ز-ہر ایسا سازشی قدم جو اقوام کی آزادی وخودمختاری حاصل کرنے کی مرضی کو کچلنے اور ان پر ذلت آمیز معاہدے تھوپنے کے لئے اٹھایا جائے۔

شیخ موصوف نے مندرجہ ذیل امور کو دہشت گردی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے:

الف-اقوام کا ان طبقات سے مقابلہ کرنا جو ہتھیار کے بل پر ان پر مسلط ہوں۔

ب-آمریتوں اور استبدادی طریقوں کو مسترد کرنا اور ان کے اداروں کو زک پہنچانا۔

ج-نسلی امتیاز کے خلاف جدوجہد کرنا اور اس کے مراکز کو نشانہ بنانا۔

د-کسی بھی قسم کی جارحیت کا اسی جیسی جارحیت سے جواب دینا اگر اس کے سوا دفاع کی کوئی صورت نہ ہو۔ اسی طرح ان کے نزدیک ہر ایسی جمہوری جدوجہد بھی اس سے مستثنیٰ ہے جس میں دہشت گردی کی آمیزش نہ ہو، اگرچہ وہ کسی انسانی مقصد کی حامل نہ ہو۔

مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا ابو العاص وحیدی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا ابرار خاں ندوی نے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کی طرف سے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ۲۶/۶/۲۳ ۱۴۲ھ کو منعقد عالمی چوٹی کانفرس میں پیش کی گئی دہشت گردی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: "**الإرهاب هو العدوان الذي يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغياً على الإنسان، دينه و دمه و عقله و ماله و عرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و ما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذاً لمشروع إجرامي فردي أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين**

الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر، ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد في الأرض التي نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها: "ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين" (القصص:۷۷) (العالم الاسلامی: شمارہ/ ۱۷۶۱، جمعہ ۶/رجب ۱۴۲۳ھ)۔

(دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کسی انسان، اس کے دین، اس کے خون، اس کی عقل، اور اس کے مال اور اس کی عزت پر زیادتی کے طور پر کرتی ہیں، اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی دینے، ناحق قتل کرنے، خونریزی کی مختلف صورتیں، راستے کو پرخطر بنانے اور ڈاکہ زنی کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز اس میں تشدد یا دھمکی کی ہر وہ کارروائی شامل ہے جو کسی فرد یا گروہ کے مجرمانہ منصوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کی جائے اور جس کا مقصد لوگوں میں رعب پیدا کرنا یا ان کو تکلیف پہنچا کر خوف زدہ کرنا یا ان کی زندگی، ان کی آزادی، ان کی سلامتی اور ان کے حالات کو خطرہ سے دوچار کرنا ہو، اس کی اقسام میں ماحولیات کو بگاڑنا، انتفاع کی چیزوں یا عمومی یا پرائیوٹ املاک کو تباہ کرنا یا ملکی اور قدرتی ذرائع پیداوار کو خطرہ سے دوچار کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کارروائیاں فساد فی الارض کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع کیا ہے: ''اور زمین میں فساد نہ مچاؤ، بے شک اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا'')، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابرار خاں ندوی اور مفتی انور علی اعظمی نے ذکر کیا ہے کہ دہشت گردی کی تعریف انہی الفاظ میں رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم فقہی ادارہ ''المجمع الفقہی الاِسلامی مکہ مکرمہ'' نے بھی کی ہے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے نزدیک دہشت گردی وہ نظریہ اور مسلک ہے جو لوگوں

میں خوف وہراس پیدا کرے اوراس کا ذریعہ قتل وغارت گری ہو۔

مفتی محبوب علی وجیہی نے عدل وانصاف پر مبنی حکومت سے جنگ اور حکومت کی طرف سے رعایا کی حق تلفی کو دہشت گردی میں شمار کیا ہے۔

مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی وہ تعریف نقل کی ہے جوانہوں نے سعودی روزنامہ ''الندوہ'' کوانٹرویو دیتے ہوئے فرمائی ہے:''**وإنما يكون الإرهاب عند ما يقوم رجل بالشدة والظلم بدون حق له في اختيار الشدة والاعتداء**'' (دہشت گردی تو اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص سختی اور دوسرے پر حملہ کا حق نہ رکھنے کے باوجود اس پر ظلم وزیادتی کرے)۔قاضی محمد ہارون مینگل اور سید خورشید حسن رضوی کی رائے ہے کہ دہشت گردی کی انسانی اور اسلامی تعریف یکساں ہے۔مولانا قمر الزماں ندوی اور مولانا ابراہیم گجیا فلاحی کے نزدیک موجودہ دور میں مختلف حکومتوں کے سیاسی مخالفین کی طرف سے اپنی حکومتوں کے خلاف تشدد اور غم وغصہ کا اظہار دہشت گردی کہلاتا ہے،جبکہ سیاسی مخالفین اپنے خلاف حکومتوں کی سخت یا فوجی کارروائیوں کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔

مولانا حفیظ الرحمٰن عمری کے نزدیک دہشت گردی ایسی فضا پیدا کر دینے کا نام ہے کہ مظلوم یہ جاننے کے باوجود کہ اس پر ظلم ہورہا ہے،اپنے حقوق نہ مانگ سکے۔مولانا سلطان احمد اصلاحی،مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی،مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی،سید خورشید حسن رضوی،مولانا سید اسرار الحق سبیلی،مولانا اسعد قاسم سنبھلی،مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے دہشت گردی کی تعریف کے ذیل میں مختلف شواہد اور مثالوں سے واضح کیا ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں دہشت گرد غیر مسلم ہیں،کہیں عیسائی،کہیں یہودی اور کہیں ہندو،پھر بھی دہشت گردی کا الزام مسلمانوں پر ہی عائد کیا جارہا ہے۔یہ بجائے خود ایک دہشت گردی ہے۔

مختلف اقسام:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، شیخ محمد علی تسخیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابو القاسم عبدالعظیم، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مفتی انور علی اعظمی اور مولانا ظفر الاسلام نے دہشت گردی کی مختلف قسمیں بھی ذکر کی ہیں، مثلاً انفرادی دہشت گردی، بین الاقوامی دہشت گردی، سیاسی دہشت گردی، مفادات پر مبنی دہشت گردی، اقتصادی دہشت گردی، اعتقادی دہشت گردی، مسلکی دہشت گردی، علمی دہشت گردی، سفارتی دہشت گردی، عسکری دہشت گردی۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے دہشت گردی کی ان قسموں کو غیر جانبدارانہ بین الاقوامی قانون دہشت گردی کے مطابق قرار دیا ہے۔ اس کی مختلف اقسام پر بحث کرتے ہوئے شیخ محمد علی تسخیری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، سید خورشید حسن رضوی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے ''ریاست کی حمایت یافتہ دہشت گردی'' (State Sponsered Terrorism) پر بطور خاص روشنی ڈالی ہے۔ ان حضرات نے اس ضمن میں اسرائیل کی دہشت گردی کو نمایاں طور پر ذکر کیا ہے اور فلسطینی قوم کی جدوجہد کو جائز، معقول اور منصفانہ قرار دیا ہے۔ شیخ محمد علی تسخیری نے تحریر فرمایا ہے کہ دہشت گردی کی یہ قسم سب سے پیچیدہ اور نازک ہے اور اس کی تعریف کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد ہر وہ دہشت گردانہ عمل ہے جس کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ کوئی ادارہ یا حکومت انجام دے، خواہ اس کو بروئے کار لانے والی اس ملک کی فوج ہو یا انفرادی عناصر۔

مفتی حمید اللہ جان (جامعہ اشرفیہ لاہور) فرماتے ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور کمزور و مظلوم مسلمانوں کی آزادی کے لئے لڑنا عین جہاد ہے۔ اسی طرح جان و مال اور عزت وآبرو کے لئے جنگ کرنا بھی جہاد کے زمرہ میں آتا ہے۔ انہوں نے سورۂ نساء کی آیت: "**وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين**

يقولون ربنا أخرجنا من هذه القرية الظالم أهلها" کے ذیل میں قرطبی کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے (۲۷۹/۳)۔

مولانا موصوف نے حدیث: "**من قاتل دون ماله فقتل فهو شهيد، ومن قاتل دون دمه فهو شهيد، ومن قاتل دون أهله فهو شهيد**" (سنن نسائی ۱۷۲/۲) سے بھی استدلال کیا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی اور مولانا ابرار خاں ندوی نے اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس کی تائید کی ہے۔ ان حضرات کی نقل کردہ حدیث حضرت سعید بن زید سے مروی ہے، اور اس میں مزید یہ الفاظ ہیں: "**من قتل دون دينه فهو شهيد**" (ترمذی ۲۶۱/۱، نیز ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث، فقہ السنۃ ۵۵۳/۲)۔

اسی طرح مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی نے فدائیانہ کارروائیوں کو درست قرار دیا ہے۔ مولانا مبارک حسین ندوی کے نزدیک ان کارروائیوں کے درست ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ تحریکات آزادی کی طرف سے یہ کارروائیاں کی جائیں یا حکومتیں جنگی حکمت عملی کے طور پر اس کا سہارا لیں لیکن اگر دہشت گرد تنظیمیں یہ کارروائیاں انجام دیتی ہیں تو یہ شرعاً صحیح نہیں ہیں۔ مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی نے اس کے جواز کو مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ مشروط کیا ہے:

۱- حملہ کرنے والے کا مقصد خودکشی نہ ہو۔

۲- اسے گمان ہو کہ حملہ کے ذریعہ یا تو کامیاب ہوجائے گا یا کم از کم دشمن کا نقصان

ہوگا یا مسلمانوں میں ہمت پیدا ہوگی۔

۳-حملہ کے نتائج کا اندازہ یا تو خود حملہ کرنے والا لگائے گا یا امیر لشکر اس کا اندازہ کرے گا۔

۴-حملہ کا مقصد دین کی سربلندی ہو، نہ کہ فخر اور قومی جذبہ۔

۵-کسی پر ظلم وزیادتی مقصود نہ ہو۔

انہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام سے موت پر بیعت لینے (بیعت رضوان) سے استدلال کیا ہے جب حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی۔اسی طرح جنگ یمامہ میں حضرت براء بن مالک کے طرز عمل سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے امام محمد کی کتاب ''السیر الکبیر'' ۴/ ۱۹۲، نیز ردالمحتار ۱۳/ ۲۴۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

سید خورشید حسن رضوی نے اِرہاب کی اسلامی تعریف اور اس کی تائید کرتے ہوئے دور رسالت کی چند اِرہابی کارروائیوں کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور ان کو قابل فخر بتایا ہے، مثلاً مسلمانوں کی طرف سے قریش کے نام نہاد پر امن تجارتی قافلہ کو لوٹنے کی کوششیں جن میں سے آخری کوشش غزوۂ بدر کا سبب بنی، مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے اطراف کے قبائل کے خلاف سرایا اور فوجی دستوں کا بھیجا جانا، اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش کے مسلمان ہو جانے والے نوجوانوں کو قریش نے مدینہ میں داخل ہونے سے روکا تو ان نوجوانوں کا سمندر کے کنارے مقام عیس میں جمع ہو جانا اور قریش کے قافلوں کو ڈرانا دھمکانا وغیرہ۔ان کے دلائل مندرجہ ذیل آیات قرآنی ہیں:

''**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**''(سورۂ بقرہ/ ۱۲۴)۔

''**والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون**''(سورۂ شوریٰ/ ۳۹)۔

''**ولمن انتصر من بعد ظلمه فأولئک ما عليهم من سبيل**''(سورۂ شوریٰ/ ۴۱)۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے دہشت گردی کے اسلامی اسپرٹ کے خلاف ہونے اور اسلام کی طرف سے اس کی سخت سزا تجویز کئے جانے پر مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

۱-"**أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً**"(سورۂ مائدہ/۳۲)(مقالہ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا سید امیر حسین گیلانی۔ مؤخر الذکر مقالہ نگار نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ تورات میں بھی اس مفہوم کی آیت موجود ہے)۔

۲-"**والفتنة أشد من القتل**"(سورۂ بقرہ/۱۹۱)(مقالہ مولانا سید امیر حسین گیلانی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ظفر عالم ندوی)۔

۳-"**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً**"(سورۂ مائدہ/ ۳۳)(مقالہ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ظفر الاسلام)۔

۴-"**ولا تفسدوا في الأرض بعد إصلاحها**"(سورۂ اعراف/۵۶)(مقالہ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۵-"**ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين**"(سورۂ قصص/۷۷)(مقالہ مفتی انور علی اعظمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ظفر الاسلام وغیرہ)۔

۶-"**ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك**

الحرث والنسل والله لا يحب الفساد''(سورۂ بقرہ/۲۰۴-۲۰۶)(مقالہ ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

سوال نمبر ۲:

حکومت کا ظالمانہ رویہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے اور کبھی تو ان کی جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیاجاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو،تو کیاحکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔بعض نے حکومتوں کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کی جانے والی کوتاہی اور ناانصافی کو دہشت گردی قرار دیا ہے اور بعض نے اسے محض کوتاہی اور ناانصافی قرار دیا ہے۔پہلی رائے کے قائلین کے اسماء یہ ہیں:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی حمید اللہ جان، مولانا

ابراہیم گجیا فلاحی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا قمرالزماں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی۔

دوسری رائے اختیار کرنے والوں کے نام یہ ہیں: قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ارشاد قاسمی۔

اول الذکر رائے کے قائلین میں سے بیشتر نے اسے ریاستی دہشت گردی قرار دیا ہے، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محبوب علی وجیہی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے اسے بدترین اورانفرادی اور پبلک دہشت گردی سے زیادہ سنگین نوعیت کی دہشت گردی قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور جناب سید شکیل احمد انور لکھتے ہیں کہ یہی ناانصافی ریاست کے سیاسی یا معاشی ظلم میں ملوث ہونے کا سبب بنتی ہے اورعوام کی طرف سے اس پر ردعمل کی صورت میں انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔مولانا عبدالرشید قاسمی کے بقول حکومتیں عوام کوان کے شرعی حقوق نہ دینے اور مطالبہ حقوق شرعیہ کی تحریک کو بزور طاقت کچلنے کی وجہ سے دہشت گردی کی مرتکب ہوتی ہیں۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس ظالمانہ کارروائی کے جواب میں اسی جیسا طریقہ اختیار کرنے کومصلحت اور اسلامی منطق کے خلاف بتایا ہے۔ان دونوں حضرات کے نزدیک جوابی کارروائی فتنہ کا باعث ہوگی اور معصوم عوام اس کا نشانہ بنیں گے جسے کسی بھی صورت میں درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی،

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا محمد شمس الدین اور مولانا ابرار خاں ندوی نے ریاستی دہشت گردی کی مثال میں حال ہی میں گجرات میں ہونے والی ناانصافی کو دہشت گردی قرار دینے کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ حکومتیں بلاتفریق مذہب ونسل ورنگ سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق ادا کرنے کی پابند ہیں اور جب اس فرض میں انہوں نے نہ صرف غفلت برتی بلکہ قصداً انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تو وہ ظالم اور دہشت گرد قرار پائیں گے۔ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی کے خیال میں ایسی حکومتیں خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم بہرصورت وہ دہشت گرد ہیں، مولانا ابرار خاں ندوی نے ''نئے عالمی نظام'' اور ''گلوبلائزیشن'' کو اور مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم نے اقوام متحدہ میں طاقتور ممالک کو ویٹو پاور دیئے جانے کی تحریک کو ریاستی دہشت گردی کی واضح مثال قرار دیا ہے۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے انفرادی دہشت گردی کی طرح ریاستی دہشت گردی کو بھی ایک حقیقت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ظلم پسندوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے ظلم کو انصاف نہیں قرار دیا جاسکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح دیگر جرائم کو جرائم قرار دیئے جانے میں مرتکبین کی تعداد ہرگز مؤثر نہیں۔ قرآن میں ہے: ''**قل لا يستوي الخبيث والطيب ولو أعجبك كثرة الخبيث**'' (سورۂ مائدہ/۱۰۰)۔ ریاستی ناانصافی کے جواب میں ظاہر کئے جانے والے ردعمل پر بحث کرتے ہوئے مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی لکھتے ہیں کہ اگر عوام کے پاس طاقت ہوتو اسلام نے ان کو ایسی حکومت کے احکام ماننے سے روک دیا ہے، انہوں نے بخاری (۲/ ۱۰۵۷) کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

''**مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة**'' (جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، جب حکومت گناہ کا حکم دے تو پھر نہ اس کی بات سنی جائے گی اور نہ اس کی اطاعت کی جائے گی)، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی اور مولانا ظفر عالم ندوی نے ریاستی دہشت گردی پر مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: ''إن

الملوک إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة"(سورۂ نمل ر ۳۴)، مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے علامہ ابن قدامہ کی یہ عبارت نقل کی ہے:"**إن الجماعة إذا قتلوا واحداً، فعلى كل واحد منهم القصاص**......**روى سعيد بن المسيب أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قتل سبعة من أهل صنعاء قتلوا رجلا وقال: لو تمالأ عليه أهل صنعاء لقتلتهم جميعاً، وعن علي رضي الله عنه أنه قتل ثلاثة قتلوا رجلا، وعن ابن عباس رضي الله عنه أنه قتل جماعة لواحد، ولم يعرف في عصرهم مخالف فكان إجماعاً، ولأنها عقوبة للواحد على الواحد، فوجبت للواحد على الجماعة كحد القذف**"(المغنی ۱۱ر ۴۹۰، ۴۹۱ طبع دار عالم الکتب سعودیہ) (اگر ایک جماعت ایک شخص کو قتل کرے تو ان میں سے ہر ایک سے قصاص لیا جائے گا...... حضرت سعید بن المسیبؓ سے منقول ہے کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے صنعاء کے سات آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اور انہوں نے فرمایا: اگر صنعاء کے تمام لوگ اس میں شریک ہوتے تو میں تمام کو قتل کروا دیتا۔ سیدنا علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایسے تین آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے بدلہ میں ایک جماعت کو قتل کروایا۔ ان لوگوں کے زمانہ میں کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، گویا اس پر اجماع ہوگیا، نیز یہ کہ ایک شخص کی خاطر ایک شخص کو سزا دی جاتی ہے۔ لہذا ایک شخص کی خاطر ایک جماعت کو سزا دی جائے گی جیسا کہ حد قذف میں ہوتا ہے)۔

مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا خورشید احمد اعظمی اور ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی نے ریاستی ناانصافی کو دہشت گردی کا عمل قرار دینے کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے ظالمانہ اقدام پر مبنی ہو، اور مولانا خورشید احمد اعظمی اور ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کے بقول اس میں تشدد اور جان و مال کو خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو۔

مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی اور مولانا مبارک حسین ندوی نے لکھا ہے کہ اگر حکومتی ناانصافی کے جواب میں کوئی عملی اقدام کیا جائے گا تو اسے دہشت گردی نہیں قرار دیا جائے گا۔ مولانا ابوالعاص وحیدی کے بقول موجودہ سیکولر اور جمہوری دور میں تو یہ عین انصاف ہے۔ مولانا مبارک حسین ندوی نے اسے بھارتی دستور کی دفعہ/ ۲۹ کے تحت جس میں ہر مذہب کے ماننے والوں کو یکساں انسانی حقوق دیئے گئے ہیں، قانون عدل کی روح سے ہم آہنگ عمل قرار دیا ہے۔ مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی کی رائے یہ ہے کہ اگر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو صبر کرنا چاہئے اور اپنا حق اللہ سے مانگنا چاہئے اور حاکم کا حق ادا کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے بقول مسلمان کی جان بہت قیمتی ہے یہاں تک کہ اس کی حفاظت کے لئے حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے صحیح مسلم کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام نے دہشت گردی کے ازالہ اور عدل و انصاف کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

''والرابعة: العدالة وهي ملكة في النفس تصدر عنها الأفعال التي يقام بها نظام المدينة والحي بسهولة''(چوتھی صفت عدالت ہے اور یہ نفس کی ایک راسخ کیفیت ہے۔ اسی سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جن سے قبیلہ اور مملکت کا نظام بسہولت قائم کیا جاتا ہے)۔

سوال نمبر۳:

ظلم پر احتجاج:

اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روارکھی جاتی

ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھاجائے کہ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی دہشت گردی کے دائرہ میں آتا ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک نا انصافی پر احتجاج کا جواز یا وجوب حالات پر موقوف ہے۔ اگر ظلم کے ازالہ پر قدرت ہو اور کامیابی کا غالب گمان ہو تو احتجاج واجب ہے، اور اگر احتجاج اور ردعمل سے مزید نقصان لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں احتجاج محض جائز ہے، واجب نہیں (دیکھئے: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، سید خورشید حسن رضوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا ابو القاسم عبدالعظیم (مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم نے موسیٰ علیہ السلام، جادوگروں اور فرعون کے واقعات نیز نبی ﷺ کے غزوات وسرایا اور کعب بن اشرف وغیرہ کے حوالہ سے صورت حال کے اختلاف اور ان کے نتیجہ میں موقف کے اختلاف پر استدلال کیا ہے، اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی کے بقول ظلم پر احتجاج فرض کفایہ کے درجہ میں ہے)۔

مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی کے نزدیک ناانصافی پر احتجاج محض جائز ہے جبکہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اور مفتی حبیب اللہ قاسمی کی رائے یہ ہے کہ ظلم پر احتجاج کرنا شریعت میں مطلوب ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا

مبارک حسین ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری اور مولانا ظفر الاسلام نے احتجاج کو واجب قرار دیا ہے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی انور علی اعظمی نے ناانصافی کی مختلف صورتیں ذکر کر کے ان کے احکام درج کئے ہیں۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ اگر حکومتوں کی طرف سے جائز حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو مثلاً بجلی پانی وغیرہ کی سہولیات سے محروم کرنا اور ملازمتوں میں تعصب برتنا تو اس پر احتجاج مباح ہے، اور ایسی صورت حال میں ان دونوں حضرات کے نزدیک سیاسی حکمت عملی اپناتے ہوئے جائز حقوق کی حصولیابی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین کا خیال ہے کہ اگر ناانصافی کا تعلق انسان کی ذات سے ہو تو احتجاج شرعاً جائز ہے، واجب نہیں، اور اگر ناانصافی کا تعلق دین و مذہب سے ہو تو احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب ہے۔ مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی ناانصافی کی اس دوسری قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثلاً اگر حکومت ہمارے ملک میں مندر تعمیر کرنے کی اجازت تو دے لیکن مساجد کی تعمیر پر پابندی لگائے تو ایسی صورت میں احتجاج واجب ہوگا اور اس میں ادنی سی کوتاہی پر بھی شدید گرفت ہوگی۔

مفتی حمید اللہ جان فرماتے ہیں کہ اگر ناجائز امور پر کسی کو مجبور کیا جائے تو احتجاج واجب ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی اور سید شکیل احمد انور صاحب کے نزدیک امن وقانون کے دائرہ میں رہ کر ظلم پر احتجاج کا مظلوم کو پورا پورا حق حاصل ہے۔ مولانا قمر الزماں ندوی کے نزدیک انسانی اور جمہوری دائرہ میں رہ کر احتجاج واجب ہے۔ مولانا محی الدین غازی فلاحی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر ناانصافی کے نتیجہ میں لاحق ہونے والے نقصانات محدود ہوں اور ان کی تلافی ممکن ہو تو احتجاج جائز ہے، اور اگر یہ نقصانات ناقابل تلافی ہوں اور آئندہ کی پوری نسلیں ان نقصانات کی زد میں آتی ہوں تو ان پر احتجاج اور دفاع کی ٹھوس حکمت عملی اور طویل مدتی

منصوبہ بندی واجب ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ظلم کے خلاف احتجاج کے جواز پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱-"**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**"(سورۂ نساء/ ۱۴۸) (مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مفتی حمید اللہ جان، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی)۔

۲-"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**"(سورۂ بقرہ/ ۱۹۴) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۳-"**وجزاء سيئة سيئة مثلها**"(سورۂ شوری/ ۴۰) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۴-"**أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير**" (سورۂ حج/ ۳۹، ۴۰) (مقالہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی)۔ مولانا محمد ارشد مدنی نے اس کی شان نزول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیئے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا کہ اب جنگ ہوگی۔ مولانا خورشید احمد اعظمی نے آیت: "**وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به**" سے استدلال کیا ہے، نیز انہوں نے فقہی قاعدہ: "الضرر یزال" سے بھی استدلال کیا ہے۔

تمام ہی مقالہ نگاروں کے نزدیک مظلوم کا ظلم کے خلاف احتجاج کرنا ایک فطری انسانی حق ہے نہ کہ دہشت گردی۔ بیشتر کے نزدیک ظلم پر احتجاج اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ ظالم شخص

یا ظالم طبقہ کمزوروں پر مزید مظالم ڈھانے کی جسارت نہ کرے۔اس پر استدلال کرتے ہوئے بیشتر مقالہ نگاروں نے یہ حدیث نقل کی ہے:

۱-"انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً، قالوا: یا رسول الله، هذا ننصره مظلوماً، فکیف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق یدیه"(صحیح بخاری مع فتح الباری ۵/۱۲۴) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔بیشتر مقالہ نگاروں نے ظلم کے خلاف احتجاج میں حتی المقدور اٹھ کھڑے ہونے کو درست قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

"من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإیمان"(مسلم، ترمذی/۲۱۸)(مقالہ مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی)۔مفتی محبوب علی وجیہی اور مولانا ابرار خاں ندوی نے صیغہ "فلیغیره" سے وجوب مراد لیا ہے، مفتی محبوب علی وجیہی نے اس ضمن میں اصول فقہ کا یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ جب وجوب سے پھیرنے والا کوئی قرینہ نہ ہو تو امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے ظلم پر خاموشی کو ایک ناجائز امر قرار دیا ہے:

۱-"لا تظلمون ولا تظلمون"(سورۂ بقرہ/۲۷۹)۔

۲-"والذین إذا أصابهم البغي هم ینتصرون"(سورۂ شوریٰ/۳۹)(مولانا موصوف کے بقول اس سورہ کے مکی ہونے کی وجہ سے اس کے مضمرات میں مزید وسعت پیدا ہوجاتی ہے)۔

۳-"**من مشى مع ظالم وهو يعلم أنه ظالم ليقويه فقد خرج من الإسلام**"(جوشخص کسی ظالم کو جانتے ہوئے اس کا ساتھ دیتا ہے وہ اسلام سے اپنے رشتہ کو منقطع کر لیتا ہے)(بیہقی فی شعب الإیمان بحوالہ مشکاۃ ۲/کتاب الآداب، باب الظلم فصل ثالث)۔

۴-"**إذا رأيت أمتي تهاب الظالم أن تقول له: إنک ظالم فقد تُوُدِّعَ منهم**"(جب تم دیکھو کہ میری امت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت سے محروم ہوجاتی ہے)(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۱/۹۸ بحوالہ مسند احمد، بیہقی فی شعیب الایمان بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص، طبرانی فی الکبیر، طبرانی فی الأوسط بروایت جابر بن عبداللہ)(مؤخر الذکر راوی کی روایت کو محدثین نے درست قرار دیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)۔مولانا حفیظ الرحمٰن عمری نے مندرجہ ذیل آیت سے دفاع کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے:"**ولمن انتصر من بعد ظلمه فأولئک ما عليهم من سبيل، إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض بغير الحق أولئک لهم عذاب أليم**"(سورۂ شوریٰ/۴۱)۔

مفتی جمیل احمد نذیری نے حق کے حصول کے لئے کی جانے والی جدوجہد کو درست قرار دیتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:"**إن الله لا يمنع ذا حق حقه**"(اللہ تعالیٰ کسی حق دار کو حق لینے سے نہیں روکتا ہے)(بیہقی فی شعب الإیمان، مشکاۃ المصابیح ۲/۴۳۶ بروایت حضرت علی)۔اس ضمن میں مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:"**إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشک أن يعمهم الله بعقاب منه**"(جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو سزا میں گرفتار کرسکتا ہے)(ابوداؤد:۴۳۳۸)۔مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ابرار خاں ندوی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی کے نزدیک ظالم حکام کی ظالمانہ پالیسیوں پر تنقید جہاد کی افضل ترین صورت ہے۔ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا

ہے:''أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر''(افضل درجہ کا جہاد ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے)(ابوداؤد:۴۳۴۴)،مولانا مبارک حسین ندوی اورمولانا ابرار خاں ندوی نے ظلم پر خاموشی اختیار کرنے کو سنگین نتائج کا حامل قرار دیتے ہوئے فقہی قاعدہ:''كل ما يؤدى إلى المحظور يكون محظوراً''(اصول الفقہ الإ سلامی لبدران أبی العینین بدران)اور''ما يفضي إلى الحرام حرام''سے استدلال کیا ہے۔مولانا ابرار خاں ندوی نے ظلم پر خاموشی کو ممنوع قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:''لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون۔ كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانو يفعلون ۔ترى كثيراً منهم يتولون الذين كفروا لبئس ما قدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم وفي العذاب هم خالدون''(سورۂ مائدہ/۷۸-۸۰)۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی،مولانا ظفر الاسلام،مفتی حمید اللہ جان،مفتی محبوب علی وجیہی،مولانا تنظیم عالم قاسمی،مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی،مولانا مبارک حسین ندوی اورمولانا اسعد قاسم سنبھلی نے حدیث رسول:''من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد''(جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کے تحفظ میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے)(ترمذی ۱/۲۶۱، ابواب الدیات، نسائی ۲/۱۵۵ کتاب المحاربۃ) سے استدلال کرتے ہوئے جان ومال،عزت وآبرواوردین کی خاطر لڑنے کو جہاد قرار دیا ہے(اس کی تفصیل سوال نمبر ۱ کی تلخیص کے ضمن میں گزرچکی ہے)۔مولانا ظفر الاسلام نے ان امور کو بنیادی ضروریات قرار دیتے ہوئے امام شاطبی کی''الموافقات''سے مندرجہ ذیل عبارت بھی ان

کی وضاحت میں نقل کی ہے:"اتفقت الأمة علی أن الشریعة وضعت للمحافظة علی الضرورات الخمسة وهي الدین والنفس والنسل والمال والعقل"(امت کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت پانچ قسم کی ضروریات یعنی دین، جان، نسل، مال اور عقل کی حفاظت کے لئے وضع کی گئی ہے)(۲۸،۲۷/۴)،مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا سید اسرارالحق سبیلی نے ظلم کے خلاف احتجاج کی دلیل میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے:"جاء رجل إلی رسول الله ﷺ یشکو جاره قال: اطرح متاعک علی الطریق، فطرحه ، فجعل الناس یمرون علیه ویلعنونه، فجاء إلی النبيﷺ فقال: یا رسول الله! ما لقیت من الناس، قال: وما لقیت منهم؟ قال: یلعنوني، قال: لعنک الله قبل الناس فقال: إني لأعود، فجاء الذي شکاه إلی النبي ﷺ فقال: ارفع متاعک فقد کفیت"(مجمع الزوائد۱۷۰/۸ باب ماجاء في أذی الجار)،مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے ایک اور حدیث نقل کی ہے:"عن أبی الولید عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: بایعنا رسول الله علی السمع والطاعة في العسر والیسر والمنشط والمکره، وعلی أثرة علینا، وعلی أن لاننازع الأمر أهله، إلا أن تروا کفراً بواحاً عندکم من الله تعالی فیه برهان، وعلی أن نقول بالحق أینما کنا، لا نخاف في الله لومة لائم" (بخاری۱۳/۵،۶،مسلم:۱۷۰۹)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے ظلم پر احتجاج اور ردعمل کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہوئے کتب سیرت میں موجود حضرت ابوبصیر اور حضرت ابوجندل کے واقعات بطور مثال پیش کئے ہیں۔مولانا ابرار خاں ندوی ظلم کے خلاف احتجاج کی تائید میں سیرت رسول سے حلف الفضول کی مثال پیش کرتے ہیں جس کی تائید وتحسین آپ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی فرمائی۔

بیشتر مقالہ نگاروں نے ظلم کے خلاف ردعمل کے اظہار میں حتی الامکان عدم تشدد اور حد

سے تجاوز نہ کرنے پر زور دیا ہے۔ (دیکھئے: مقالہ مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی وغیرہ)۔ مولانا ارشاد قاسمی نے اس سلسلے میں فقہی قاعدہ: "**درء المفاسد أولی من جلب المصالح**" (القواعد الفقہیہ المحمودۃ ص۵) اور قاعدہ: "**الضرر لا یزال بالضرر**" سے استدلال کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، اور مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی کے نزدیک جمہوری ممالک میں احتجاج کے طریقے یعنی اسٹرائک، میمورنڈم وغیرہ پیش کرنا درست اور مفید ہے، جبکہ مولانا ابرار خاں ندوی اس طریقہ کو بے سود بتاتے ہیں۔ مفتی عبدالرحیم قاسمی نے کفایت المفتی (۹/۳۴۵، ۳۴۶) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پرامن احتجاج کے خلاف حکومت کی طرف سے کی جانے والی ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے مظلوم کے فعل کو ناجائز کہنا اور اسے خودکشی کا مرتکب قرار دینا غلط ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مثال کے طور پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے پر پولیس کی گولیوں سے مرنے والے مسلمان شہید قرار دیئے جائیں گے۔

سوال نمبر۴:

بے قصور لوگوں سے بدلہ لینا:

اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو کیا مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں؟

تمام مقالہ نگار حضرات کے نزدیک مظلوموں کا ظالم گروہ کے بے قصور افراد سے انتقام لینا ناجائز اور غلط ہوگا، البتہ اگر وہ ظالم طبقہ کے کسی بھی طور پر معاون ہوں تو ان سے انتقام لینا جائز ہوگا، اور ظلم میں ان کے ملوث ہونے کے بقدر ہی ان سے انتقام لینا جائز ہوگا۔ (دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حمید اللہ جان، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی وغیرہ)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس رائے پر مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: "**ولا تزر وازرة وزر أخرى**" (مقالہ ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ظفر الاسلام وغیرہ)۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی انور علی اعظمی نے ان آیات سے استدلال کیا ہے:

۱-"**ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لاتعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى**" (سورۂ مائدہ/ ۸)۔

۲-"**ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل**" (سورۂ اسراء/ ۳۳)۔

مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مولانا خورشید احمد اعظمی نے آیت: "**وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا**" (سورۂ بقرہ/ ۱۹۰) سے استدلال کیا ہے۔ قاضی محمد ہارون مینگل نے آیت: "**وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به**" (سورۂ نحل/ ۱۲۶) سے اس پر استدلال کیا ہے، مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے بے قصور افراد سے انتقام لینے کو ظالمانہ کارروائی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱-حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی بنیامین پر جرم ثابت ہونے کے بعد جس کی سزا قید تھی، جب بنیامین کے دوسرے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ سے بنیامین کو چھوڑنے اور ان کی جگہ کسی دوسرے بھائی کو گرفتار کرنے کی درخواست کی تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:"**معاذ الله أن ناخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده، إنا إذا لظالمون**"(سورۂ یوسف/۷۹) (ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کو گرفتار کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہوجائیں گے)۔

۲-"**وجزاء سيئة سيئة مثلها**"(سورۂ شوریٰ/۴۰)(اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے)۔

۳-"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**"(سورۂ بقرہ/۱۹۴)(جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے)۔

۴-"**لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه**" (مستدرک حاکم ۲/۵۷)(نہ ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ جواباً نقصان پہنچانے میں حد سے تجاوز کیا جائے، جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا، اور جو شخص کسی کو تنگی میں ڈالے اللہ تعالیٰ اسے تنگی میں ڈالے گا)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا ابرار خان ندوی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے بے قصوروں سے انتقام کو جاہلی عمل قرار دیا ہے، جسے ان کے بقول ختم کرنے ہی کے لئے اسلام آیا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی کے بقول معصوم افراد کو ظلم کا نشانہ بننے سے بچانے ہی کے لئے قصاص کا قانون وضع کیا گیا ہے اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے بقول اسے مزید مؤثر بنانے کے لئے عدالت کے سپرد کیا گیا ہے اور حکومتوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کریں اور اسے شر پسندوں کے تسلط سے بچائیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا تنظیم عالم قاسمی نے اس ضمن میں اسلام کے اصول جنگ کی بھی وضاحت کی ہے۔ مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی اور مولانا عبدالرشید قاسمی نے اسلامی دور اقتدار میں فوج کی روانگی سے قبل خلفاء کی طرف سے کی جانے والی نصیحتوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے جن میں اس سلسلے میں خاص ہدایات موجود ہیں کہ حالت جنگ میں نشانہ بنانے کی حدود کیا ہیں؟ مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی اور مولانا محمد ارشد مدنی نے ابوداؤد کتاب الجہاد، باب في دعاء المشرکین کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کی وہ نصیحت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے لشکر اسلام کو مندرجہ ذیل ہدایات فرمائی ہیں: ”**انطلقوا باسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله ، ولا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً، ولا صغيراً، ولا امرأة، ولا تغلوا، وضموا غنائمكم وأصلحوا وأحسنوا إن الله يحب المحسنين**“ (جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی مدد چاہتے ہوئے اور اللہ کے رسول کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے، قتل نہ کرو کسی بوڑھے کو، کسی بچہ کو، کسی کم سن کو اور کسی عورت کو، خیانت نہ کرو، اپنی غنیمتیں جمع کرو، اپنے معاملات ٹھیک رکھو اور حسن سلوک کرو، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ مولانا خورشید احمد اعظمی نے حضرت ابوبکرؓ کی وہ نصیحت نقل کی ہے جو انہوں نے لشکر اسامہ یا یزید بن ابی سفیان کو روانہ کرتے وقت فرمائی تھی: ”**لا تخونوا ولا تغدروا ولا تمثلوا، ولا تقتلوا طفلاً ولا شيخاً كبيراً ولا امرأة ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوه، ولا تقطعوا شجرة ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعيراً إلا للأكل، وسوف تمرون بأقوام قد فرغوا أنفسهم في الصوامع فدعوهم وما فرغوا أنفسهم له**“ (خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ (مقتولین کی ناک کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا،

نہ ہی کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل کرنا اور نہ باغات کو تباہ کرنا یا آگ لگانا، نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا اور بکری، گائے یا اونٹ کو بلا مقصد نہ ذبح کرنا مگر کھانے کے لئے، اور تمہارا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت گاہوں تک محدود کرلیا ہے، ان سے چھیڑ چھاڑ مت کرنا)۔ مولانا محمد ارشد مدنی نے بھی یہ ہدایت تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن (۱/۱۰۶) کے حوالہ سے نقل کی ہے، لیکن انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کا نام نہیں ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالرشید قاسمی نے بھی ہدایہ (۲/ ۵۶۲) کے حوالہ سے یہ ہدایت نقل کی ہے۔ مولانا ابرار خاں ندوی نے اس سلسلے میں علامہ داماد آفندی کی کتاب ''مجمع الأنہر'' ۱/ ۶۳۶، ۶۳۷ کتاب السیر'' کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا ظفر الاسلام اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے بے قصوروں سے انتقام کو اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دیتے ہوئے ''کفایت المفتی'' ۹/ ۲۳۹ کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا قمر الزماں ندوی نے بدایۃ المجتہد، نیل الاوطار، زاد المعاد، فتح القدیر اور فتح الباری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے آدمی کا تعاقب کرنا اسلامی شریعت کی رو سے غلط ہے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے حضرت عمر کے حوالہ سے اسی طرح کی ایک ہدایت اختصار کے ساتھ نقل کی ہے۔ مولانا محمد ارشد مدنی اور مولانا سعید الرحمٰن فاروقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے: ''**نهى عن قتل النساء والصبيان**'' (بخاری: کتاب الجہاد) (آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا)۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا محمد ارشد مدنی نے سیرت سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک غزوہ میں دشمن کیمپ کی ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپ ﷺ نے اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: ''**ما كانت هذه لتقاتل**'' (یہ تو شریک جنگ نہ تھی، یعنی پھر اسے کیوں قتل کیا گیا)، اس کے بعد آپ ﷺ نے فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو کہلا بھیجا کہ عورتوں اور بچوں کو نہ قتل کریں (مسلم: کتاب الجہاد والسیر، مشکاۃ المصابیح ۲/ ۳۴۳، بخاری،

ابوداؤد)۔مولانا ارشاد قاسمی نے بے قصوروں سے انتقام لینے کو غیر انسانی فعل قرار دیتے ہوئے بخاری، مسلم اور ابن ماجہ میں مذکور حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرات انبیاء میں سے کسی نبی کا پڑاؤ ایک درخت کے نیچے ہوا، ایک چیونٹی نے انہیں کاٹ لیا، اس پر انہوں نے تمام چیونٹیوں کو جلانے کا حکم دیا تو اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ ایک چیونٹی کی وجہ سے تم نے تمام چیونٹیوں کو کیوں سزا دی؟

مولانا ظفر الاسلام نے اس سوال کے جواب میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر کبھی کبھار کسی مسلم حکومت کی طرف سے اقلیتوں پر ظلم ہوا بھی تو علماء اسلام نے اس کا سخت نوٹس لیا، انہوں نے اس سلسلے میں بلاذری کی ''فتوح البلدان'' کے حوالہ سے امام اوزاعی کے ایک مراسلہ کا ذکر کیا ہے، امام اوزاعی کو یہ مراسلہ اس لئے لکھنا پڑا کہ حکومت نے کچھ ایسے لوگوں کو جلاوطنی کا حکم دے دیا تھا جو مجرم نہ تھے، چنانچہ امام اوزاعی نے دنیائے اسلام کے عالم کی حیثیت سے اس پر حکومت کے محاسبہ کو اپنا فرض سمجھا۔ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی نے عملاً جنگ میں حصہ نہ لینے والوں سے حسن سلوک کو اسلامی اخلاق سے ہم آہنگ بتاتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا ہے:''**لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم**''(سورۂ ممتحنہ/۷)۔

شہادت پسندانہ حملوں کے نتیجہ میں مارے جانے والے بچوں، عورتوں اور بے قصور افراد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سلطان احمد اصلاحی نے لکھا ہے کہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ فلسطینی نوجوان مردوں اور عورتوں کے درد کو پوری طرح محسوس کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیوں اپنی یقینی موت کے ساتھ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ان کے بقول آج کا عالمی ضمیر اتنا مردہ ہوگیا ہے کہ جب عراق اور افغانستان پر امریکی و برطانوی حملوں میں بلا امتیاز مرد، عورت، بوڑھے بچے نشانہ بنائے جاتے

ہیں تو اس پر کوئی احتجاج نہیں ہوتا، اور اگر فلسطینی ناگزیر صورت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس صورت جنگ کا اعادہ کر دیتے ہیں تو پوری دنیا معصوم فلسطینیوں کے خلاف سراپا مذمت واحتجاج بن جاتی ہے۔ انہوں نے اس کارروائی کو عذاب الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر آتا ہے تو اس کی زد میں ظالم مظلوم سب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة**'' (سورۂ انفال ۲۵)، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ بے قصوروں پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاج کو یک طرفہ نہیں ہونا چاہئے۔

سوال نمبر ۵:

دہشت گردی کے اسباب ومحرکات اوران کا تدارک:

جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرلینے کی خواہش، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک دہشت گردی کے ازالہ کی واحد صورت یہ ہے کہ عدل وانصاف کا قیام ہو، انسانی حقوق اور انسان کی جان و مال کا احترام کیا جائے، حکومتیں نسلی، قبائلی اور مذہبی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام باشندوں کو باعزت زندگی گذارنے کا موقع دیں (دیکھئے: مقالہ مولانا عبید اللہ اسعدی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا ارشاد

قاسمی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا تنظیم عالم قاسمی، سید خورشید حسن رضوی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی وغیرہ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا عبد الرشید قاسمی نے مختلف سماجی، سیاسی اور ملکی مسائل کے حل میں سنجیدہ مذاکرات، تعمیری گفت وشنید اور باہمی مفاہمت ورواداری کو اہم اور مؤثر قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا محمد ارشد مدنی، مفتی حمید اللہ جان، مولانا ابوالقاسم عبد العظیم اور مولانا عبد الرشید قاسمی نے ضرورت پڑنے پر طاقت کے استعمال کو بھی مؤثر اور مناسب اقدام قرار دیا ہے۔

مولانا سید امیر حسین گیلانی کے نزدیک چونکہ دہشت گردی کے پیدا ہونے کا سبب حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہے، اس لئے اس کا انسداد حقوق کی ادائیگی سے ہوگا جو ایک معاشرتی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ قاضی محمد ہارون مینگل کے بقول دہشت گردی کبھی معاشی ناہمواری سے ہوتی ہے، کبھی خود ساختہ تفوق وبرتری سے اور کبھی عقائد وافکار کو بزور قوت مسلط کرنے سے، ان کے بقول اسی لئے اسلام نے حقوق وفرائض کا ایک جامع نظام عطا کیا ہے۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی اور مولانا ابراہیم گجیا فلاحی کے نزدیک اسلام کے عطا کردہ عادلانہ نظام پر عمل ہی دہشت گردی کا واحد حل ہے۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کے نزدیک اسلام کا سیاسی نظام یعنی ان کے بقول شورائی خلافت ہی امن وسلامتی کے قیام اور دہشت گردی کے سد باب کی واحد ضمانت ہے، مولانا محی الدین غازی فلاحی نے لکھا ہے کہ اسلام کے عنایت کردہ حقوق وفرائض کا جامع نظام ہی دہشت گردی کے خاتمہ کا بہتر حل ہے۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی کے نزدیک دہشت گردی کے خاتمہ کا واحد طریقہ

عدل وانصاف کا قیام ہے۔انہوں نے مندرجہ ذیل دوآیتوں سے استدلال کیا ہے:

"**اعدلوا هو أقرب للتقوى**"(سورۂ مائدہ/۸)۔

"**وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل**"(سورۂ نساء/۹۸)۔

اورعدل کا قیام ان کے بقول اقامت شہادت پر موقوف ہے۔دلیل یہ دوآیتیں ہیں:

"**وأقيموا الشهادة لله**"(سورۂ طلاق/۲)۔

"**ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**"(سورۂ بقرہ/۲۸۳)۔

مولانا ابوالعاص وحیدی اور مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی کے بقول اسلام نے دہشت گردی کے سد باب کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں:

۱-انسانی بھائی چارہ کی بنیاد پر باہمی محبت۔

۲-زندگی گذارنے کے انفرادی آداب کی رعایت۔

۳-ایسا حکومتی نظام جو تمام لوگوں کے لئے عدل، امن اور بہتر اقتصادی زندگی کا ضامن ہو۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ اگر حاکم مسلمان ہوتو جب تک نماز پڑھے اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے، اس صورت میں مظلوم کو صبر کرنا چاہئے، اور اگر حکمراں غیر مسلم ہوتو احتجاج کے لئے پرامن اور جمہوری طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے۔مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی لکھتے ہیں کہ اگر معاشی ناانصافی کی وجہ سے دہشت گردی ہورہی ہوتو بہتر ملازمتوں کے انتظام سے اسے دور کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی کے نزدیک دہشت گردی کے اسباب سے بچنے کے لئے معاشی ترقی، سیاسی قوت میں اضافہ، سائنس وٹکنالوجی، میڈیکل، انجنیرنگ اور کامرس وتجارت سمیت تعلیم کے تمام شعبوں میں سبقت، منتظمہ، مقنّنہ، عدلیہ اور تمام اعلی سرکاری ملازمتوں اور

مناصب پر فائز ہونا انتہائی ضروری ہے۔ان کی رائے یہ ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے مدارس عربیہ کو بھی اپنے نصاب ونظام تعلیم میں مناسب اور قابل قبول اصلاح وترمیم کرنی چاہئے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی کے نزدیک دہشت گردی کے اسباب کے تدارک کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تجربہ سے مفید اور مؤثر ثابت ہونے والی تدابیر اختیار کی جائیں اور غیر جذباتی اور شرعی اصولوں سے واقف رہنماؤں سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کے بقول مندرجہ ذیل نصوص سے دہشت گردی کے اسباب کے تدارک میں خاص رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

۱-"**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين، إن يكن غنياً أو فقيراً فالله أولى بهما**"(سورۂ نساء/ ۱۳۵) (مقالہ مولانا سید اسرارالحق سبیلی، مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۲-"**ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر**"(سورۂ بنی اسرائیل/ ۶۹) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سید اسرارالحق سبیلی)۔

۳-"**من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً**"(سورۂ مائدہ/ ۳۲)(مقالہ مولانا سید اسرارالحق سبیلی)۔

۴-"**يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلنكم شعوباً وقبائل لتعارفوا** "(سورۂ حجرات/ ۱۳)(مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۵-"**لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقى لا انفصام لها، والله سميع**

علیم"(سورۂ بقرہ/۲۵٦)(مقالہ مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

٦-"**من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام**"(بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکاۃ ۲/۴۳٦)(جو کسی ظالم کے ساتھ اسے قوت پہنچانے کے لئے چلا جبکہ جانتا تھا کہ وہ ظالم ہے، وہ اسلام سے نکل گیا)(مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۷-"**الظلم ظلمات يوم القيامة**"(متفق علیہ)(ظلم قیامت کی سخت تاریکی ہے)(مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۸-"**ادفع بالتي هي أحسن**"(سورۂ مومنون/۲٦)(مقالہ مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

سوال نمبر ٦:

دفاع کا حکم:

اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیاجائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب، نیز حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کی صورت میں حتی المقدور مدافعت واجب ہے(دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابو القاسم عبد العظیم، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی انور علی اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا حفیظ الرحمٰن

عمری، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی) جبکہ مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی اور مفتی محبوب علی وجیہی کے نزدیک جان و مال اور آبرو کا دفاع مطلقاً واجب ہے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی انور علی اعظمی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کا نشانہ بننے والوں پر اپنا دفاع واجب ہے اور دوسروں کے لئے ان کا دفاع جائز ہے۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابرار خاں ندوی اور سید شکیل احمد انور نے دفاع کو مظلوم کا ایک فطری اور مشروع حق قرار دیا ہے۔ مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی کے نزدیک ظلم کی مدافعت شریعت میں مطلوب اور مستحسن ہے۔ مولانا محمد ارشد مدنی مظلومین کی طرف سے دفاع کو مطلوب امر قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں: "**وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا أخرجنا من هذه القرية الظالم أهلها**" (سورۂ نساء/ ۷۵)۔ ان کے بقول یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ میں مسلمانوں کا دارالاِسلام قائم ہوگیا اور وہ طاقت وقوت کے اعتبار سے مستحکم ہوگئے۔ اس سے پہلے شدید مشکلات کے باوجود ان کو صبر کی تلقین کی جاتی رہی یہاں تک کہ بیعت عقبہ کی رات میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں نے جن کی تعداد اسّی سے زائد تھی، جب آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ منیٰ میں موجود مشرکوں کو قتل کردیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی حمید اللہ جان اور مولانا تنظیم عالم قاسمی کے بقول جان اور عزت وآبرو کا دفاع واجب اور مال کا دفاع جائز اور مباح ہے۔ مولانا ظفر عالم ندوی کی رائے ہے کہ اگر مال کے دفاع میں بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں

دفاع سے بچا جائے گا۔ ڈاکٹر یوسف قاسم کے نزدیک اگر مال کے ترک سے ہلاکت یا شدید نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں مال کا بھی دفاع واجب ہے۔

اول الذکر رائے کے قائلین نے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱-"**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد**"(ترمذی ۱/۲۶۱، نیز ابوداؤد، نسائی وغیرہ کتب حدیث) (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ابو القاسم عبد العظیم، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی)۔ اس حدیث کا ذکر پہلے بھی متعدد بار موقع کی مناسبت سے آچکا ہے۔

۲-"**جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني، قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار**"(مسلم کتاب الإیمان) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ابو القاسم عبد العظیم، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی)۔

۳-"**لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه**"(مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۴-"**عن أبي المخارق عن أبيه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: الرجل يأتيني فيريد مالي، قال: ذكره بالله قال: فإن لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولک من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين؟**

قال: فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نأى السلطان عني؟ قال: قاتل دون مالک حتی تکون من شهداء الآخرة أو تمنع مالک"(فتح الملہم ۱/ ۲۸۴)(مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی)۔

اسی سے ملتی جلتی متعدد روایتیں مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم نے بھی ذکر کی ہیں۔مولانا ابو القاسم عبد العظیم نے قرآن کریم میں وارد "**وقاتلوا**"، "**ولا تبغ**"، "**ولا تعتدوا**" کی تعبیرات سے استدلال کرتے ہوئے اصول فقہ کا یہ نکتہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر وجوب سے پھیر نے والی کوئی دلیل نہ ہوتو امر و نہی کے صیغے وجوب پر محمول کئے جائیں گے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا تنظیم عالم قاسمی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی نے لکھا ہے کہ جان کا دفاع جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب اور آبرو کا دفاع بالاجماع واجب ہے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے بقول جمہور نے مندرجہ ذیل دوآیتوں سے استدلال کیا ہے:

۱-"**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**"(سورۂ بقرہ/ ۱۹۵)۔

۲-"**فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله**"(سورۂ حجرات/ ۹)۔

ان حضرات کے بقول امام احمد کے نزدیک جان کا دفاع جائز اور مباح ہے، واجب نہیں۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے دلیل یہ ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فتنہ کے سلسلے میں فرمایا: "**اجلس في بيتک فإن خفت أن يبهرک شعاع النفس، فغط وجهک**"، اور ایک روایت میں ہے: "**تکون فتن فکن فيها عبد الله المقتول، ولا تکن القاتل**" (ابن خیثمہ اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن خباب بن الارت سے اس کی روایت کی ہے)۔

قاضی محمد ہارون مینگل نے لکھا ہے کہ اس صورت میں صبر عزیمت ہے اور دفاع

رخصت ہے، مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے بھی ان دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے حضرت آدمؑ کے بیٹے ہابیل کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو: سورۂ مائدہ ر ۲۸-۳۰)، مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے علامہ صنعانی کی سبل السلام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صنعانی نے حدیث کے الفاظ: "**فكن عبد الله المقتول**" (تم اللہ کے مقتول بندے بن جاؤ) سے جان کے سلسلے میں عدم مزاحمت پر استدلال کیا ہے (سبل السلام ۳ر ۴۹۳)۔ قاضی محمد ہارون مینگل نے عدم مدافعت کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کے اسوہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حدود دفاع کا تذکرہ کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ مظلوم فرد یا مظلوم طبقہ کو دفاع میں جارحیت اور زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے، نیز یہ کہ جوابی کارروائی میں حتی الوسع الأخف فالأخف کے اصول پر عمل کیا جائے، مثلاً اگر بات چیت سے اور دوسروں کی مدد سے ظلم کا دفاع کیا جاسکتا ہوتو مارنا حرام ہوگا۔ اگر ہاتھ کی ضرب سے کام چل جائے تو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا اور اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہوتو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اگر دشمن کے کسی عضو کو کاٹ کر دفاع کیا جاسکتا ہوتو اس کا قتل حرام ہوگا۔ الغرض قتل کو صرف آخری تدبیر کے طور پر ہی اختیار کیا جائے گا (ملاحظہ ہو: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی وغیرہ)۔ اس پر ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مندرجہ ذیل فقہی قواعد سے استدلال کیا ہے: "**الضرر لا يزال بالضرر**"، "**الضرورة أو الحاجة تقدر بقدرها**" (مفتی مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین نے بھی اس قاعدہ کا ذکر کیا ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے حدود دفاع کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ مظلوم کی طرف سے جوابی کارروائی کے لئے ظلم کا عملاً واقع ہونا ضروری ہے، کسی ایسے ظلم کے خلاف جوابی کارروائی

نہیں کی جائے گی جو بعد میں پیش آنے والا ہو یا محض اس کی دھمکی دی گئی ہو، جبکہ ڈاکٹر یوسف قاسم لکھتے ہیں کہ ظلم کے وقوع سے قبل ہی خطرہ کو روکنے نیز اس کے واقع ہو جانے کے بعد اس کے تسلسل کو روکنے کے لئے دفاعی کارروائی اسلام میں مشروع ہے۔ مظلوم کے حق مدافعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا ابرار خاں ندوی نے ظلم کے آگے سپر انداز ہونے کو تقوی وتدین کے منافی عمل قرار دیا ہے، اور فتنہ وفساد سے نبرد آزما ہونے کو شریعت کا مقصود بتایا ہے۔ سید خورشید حسن رضوی مدافعانہ قوت کے بالکلیہ مفقود ہونے کی صورت میں سپر اندازی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حدود دفاع پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف قاسم، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا قمر الزماں ندوی اور مولانا محمد ارشد مدنی نے لکھا ہے کہ مدافعت میں ملکی دفاعی حکام اور عدالت سے مدد لینا ضروری ہے تا کہ ملک میں نظم ونسق اور امن وقانون کی صورت حال خراب نہ ہو۔

مولانا قمر الزماں ندوی نے مندرجہ ذیل حالات میں جنگ کو درست قرار دیا ہے:

۱۔ مسلمانوں پر ظلم کی صورت میں یعنی جب ان کو ان کے گھروں اور ان کی زمینوں سے نکالا جائے اور ان کے انسانی حقوق پامال کئے جائیں۔

۲۔ اگر صرف مسلمان ہونے کی بنا پر ان سے جنگ کی جائے تو ایسی صورت میں مذہبی آزادی کی خاطر ان کے لئے جنگ کرنا جائز ہے (الجہاد فی الاسلام از مولانا مودودی ر ص ٦٣)۔

عرض مسئلہ:

اسلام اور امن عالم

سوال نمبر ا تا ۴:

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

ا- دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت:

تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ دہشت گردی کے خمیر میں ظلم شامل ہے، لیکن کیا ظلم ہی کا دوسرا نام دہشت گردی بھی ہے؟ بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ دونوں مترادف ہیں (مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ کسی وجہ اور سبب کے بغیر کسی فرد یا جماعت کے خون کو مباح کر لینا دہشت گردی ہے، جبکہ مولانا ابرار خاں ندوی کی رائے ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں جسے جنایت کہا جاتا ہے اسی کا دوسرا نام دہشت گردی ہے، اور مولانا ابو العاص وحیدی صاحب لکھتے ہیں کہ دہشت گردی ہر وہ عمل ہے جو دولت و ملک گیری کی ہوس اور مذہبی جبر سے کیا جائے، اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم کی رائے ہے کہ کسی بھی جمہوری طرز عمل میں افراط اور غلو غیر مقبول سے پیدا شدہ حالات کو دہشت گردی کہتے ہیں، اور مولانا عبید اللہ اسعدی کا خیال

ہے کہ حق وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر، ظالم ومظلوم کے فرق سے آنکھ بند کر کے ذاتی ومتعینہ مفادات کے لئے کی جانے والی ہر کوشش دہشت گردی ہے۔

دیگر مقالہ نگاروں نے اپنی تعریف میں خوف وہراس اور دہشت کو بنیادی حیثیت دی ہے، الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ دہشت کے لفظ کو سامنے رکھ کر تعریف کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح کی تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے:

''کسی حق واختیار کے بغیر طاقت وقوت کا بیجا مظاہرہ، ظلم وستم اور جارحانہ سرگرمیاں مجرمانہ تشدد، اور خوف ودہشت پھیلا کر تخریبی کارروائیوں کو انجام دینا، خواہ اس کے لئے زبان وقلم کا سہارا لیا جائے یا دھماکہ خیز اشیاء کا استعمال کیا جائے، بالفاظ دیگر فساد فی الارض کا دوسرا نام دہشت گردی ہے''۔

(ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ارشد مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوسفیان مفتاحی، سید امیر حسن گیلانی، مولانا شمس الدین، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا قاری ظفر الاسلام، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی)۔

جناب حمید اللہ کہتے ہیں کہ ذاتی مفاد کے لئے دوسرے کا حق چھیننا دہشت گردی ہے۔
مفتی محبوب علی وجیہی کے نزدیک بھی حق تلفی اور قتل وغارت گری کا نام دہشت گردی ہے۔

شیخ محمد علی التسخیری نے دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"وهو كل عمل يتنافى من حيث الوسيلة والهدف مع القيم الدينية والإنسانية ويتضمن تهديداً للأمن بأي نوع من أنواعه"۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کہتے ہیں:

”هو كل عنف أو اعتداء ليس له مسوغ شرعي“۔

مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا ابوالعاص وحیدی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے جاری کردہ تعریف بھی نقل کی ہے۔

۲-حکومتوں کے ظالمانہ رویہ اورجان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی پر دہشت گردی کا اطلاق:

بیشتر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حکومتوں کے ظالمانہ رویہ اور ناانصافی پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، چنانچہ مولانا عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں: ”**الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً**“ (سورۂ مائدہ: ۳۳) کا صحیح مصداق اسی طرح کی حکومتیں ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت عدل وانصاف کرنا اور ہر طبقہ کے حقوق کی نگہداشت حکومت کا فریضہ ہے۔ دلیل کے طور پر درج ذیل آیتیں نقل کی گئی ہیں:

۱-”**لايجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى**“ (سورۂ مائدہ: ۸) (مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۲-”**إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل**“ (سورۂ نساء) (مولانا افتخار عالم قاسمی)۔

۳-”**إن الله يأمر بالعدل والإحسان**“ (مفتی مجاہد الاسلام قاسمی)۔

۴-”**إن الملوک إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة**“ (سورۂ نحل: ۳۴) (مولانا سید اسرار الحق، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ اسے ظلم و جور، ناانصافی، حکومتی فرائض میں کوتاہی اور حق تلفی کہا جائے گا، اسے دہشت گردی میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے (ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، قاضی محمد ہارون، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

البتہ بعض صورتوں میں اسے بھی دہشت گردی کہا جاسکتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کہتے ہیں کہ جب کوئی حکومت اس طرح کے کام اقدامی طور پر کرے اور نسل انسانی کی زندگی اور جائداد کی بقا خطرے میں پڑ جائے اور ان میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے تو یہ حکومتی دہشت گردی ہے، اور مولانا خورشید احمد اعظمی کا خیال ہے کہ اگر ان ساری حرکتوں میں تشدد، جانی و مالی ضیاع کی دھمکی اور خوف و ہراس شامل ہو تو اسے دہشت گردی کہا جائے گا۔

واضح رہے کہ زیادہ تر مقالہ نگاروں نے حکومتی ظلم اور جان و مال میں دانستہ کوتاہی کو دہشت گردی کی تعریف میں شامل مانا ہے، اس لئے انہوں نے الگ سے کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

۳- ناانصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی ہے؟ سوال کے دوسرے حصے کے سلسلے میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے۔ دلائل یہ ہیں:

۱-"**ومالكم لاتقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء**" (سورۂ نساء: ۷۵) (مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۲-"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴) (مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی افتخار عالم قاسمی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی)۔

۳-''من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف فی القتل'' (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۴-''ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض''(مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۵-''والذین إذا أصابهم البغي هم ینتصرو ن ''۔

۶-لاتظلمون ولاتظلمون''(ظلم کرنا بھی ناجائز اور ظلم سہنا بھی ناجائز)(مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۷-''لایحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم''(مولانا محمد ارشاد قاسمی، جناب حمید اللہ، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔

۸-''من قتل دون ماله فهو شهید''(مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مبارک حسین ندوی، قاری ظفر الاسلام، مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔

۹-''انصرأخاک ظالماً أو مظلوماً قالوا: یا رسول الله هذا ننصره مظلوماً فکیف ننصره ظالماً، قال: تأخذ فوق یدیه''(مفتی انور علی اعظمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۱۰-''إن الله لا یمنع ذا حق حقه''(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)(مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۱۱-''إذا رأیت أمتي تهاب الظالم أن تقول له إنک ظالم فقد تودع منهم''(مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۱۲-"أعظم الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر"(ترمذی ۴۰۹/۴)
(مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۱۳-حضرت ابوبصیر اور حضرت ابوجندل کا واقعہ- "قال الحافظ: وفي قصة أبي بصير من الفوائد جواز قتل المشرک المعتدی غیلةً ولایعد ماوقع من أبي بصير غدراً"(فتح الباری ۳۵۱/۵)(مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

مذکورہ سوال کے جواب میں سید خورشید حسن رضوی کا خیال ہے کہ اگر مظلوم دہشت گردی کو وسیلہ بنانا چاہے تو بالکل جائز ہے، اور جناب شکیل احمد انور نے لکھا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بشرطیکہ جمہوری طریقہ اختیار کیا جائے، مظلوم کو کسی حال میں ظالم کے کردار پر عامل ہونے سے بچنا چاہئے، مکی زندگی میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اسوہ ہمارے لئے مثالی ہے۔

سوال کے پہلے حصے کے متعلق بعض مقالہ نگاروں نے احتجاج کو جائز اور درست قرار دیا ہے (ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی عبد الرشید جونپوری، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مفتی محبوب علی وجیہی، سید محمد ذاکر حسین شاہ)۔ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے اسے ایمانی تقاضہ اور سید خورشید حسن رضوی نے انسانی فطرت اور مفتی حبیب اللہ قاسمی نے اسے مطلوبات شرعیہ میں سے قرار دیا ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک احتجاج واجب اور ضروری ہے (مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

اور بعض مقالہ نگاروں نے اس سلسلے میں کچھ تفصیلات لکھی ہیں، جو حسب ذیل ہے:

حسب استطاعت جائز بھی ہے اور واجب بھی (ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی)۔ حسب موقع وحالات جائز بھی ہے اور واجب بھی (مولانا عبید اللہ اسعدی)۔ جائز حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں جائز ہے، واجب نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: "**إنكم ستلقون بعدي أثرة فاصبروا حتى تلقوني على الحوض**" (صحیح مسلم)۔

اور اگر جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ ہو تو دفاع واجب ہے، حدیث میں ہے: "**انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً الخ**" (مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔ اگر ناانصافی کا تعلق دین ومذہب سے نہ ہو تو احتجاج جائز ہے: "**لا يحب الله الجهر بالسوء الخ**"۔ اور اگر اس کا تعلق دین سے ہو تو صدائے احتجاج بلند کرنا واجب ہے: "**من رأى منكم منكراً الخ**" (مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد شمس الدین)۔ احتجاج جائز ہے لیکن ناجائز امور پر مجبور کیا جائے تو واجب ہے: "**لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**" (جناب حمید اللہ صاحب)۔ احتجاج اور ردعمل جائز ہے اور اگر اچھی خاصی قوت ہو تو واجب ہے (مولانا محمد ارشد مدنی)، ہڑتال اور دھرنا غیر اسلامی طریقہ ہے، شرعی طریقہ یہ ہے کہ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا جائے جو مطلوب ہے اور واجب ہے، اور طاقت وہمت کی عدم موجودگی میں صبر کرے (مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔ اگر ظلم کا ازالہ یقینی ہو تو واجب ہوگا ورنہ نہیں (مولانا برہان الدین سنبھلی)۔ امر و نہی سے معتد بہ ضرر لاحق نہ ہو تو احتجاج واجب ہے، ورنہ جائز (مولانا افتخار عالم قاسمی)۔ احتجاج مظلوم کا قانونی، جمہوری انسانی حق ہے جو جائز ہے اور بعض موقعوں پر واجب (مولانا محمد ارشاد قاسمی)، اگر ناانصافی وقتی ہو اور اس کے نقصانات محدود اور قابل تلافی ہوں تو احتجاج جائز ہے اور بصورت دیگر واجب (مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔ ردعمل کسی خطرے اور بڑے مفاسد کا ذریعہ نہ بنے تو جائز ہے، اور اگر ناانصافی سے ملی

اجتماعیت کونقصان پہنچے تو واجب ہے(مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی)،ردعمل کے لئے مناسب قوت ہوتو دفاع واجب ہے ورنہ ناجائز ہے(ڈاکٹر وہبہ زحیلی)احتجاج جائز اور کبھی واجب مگر ردعمل جائزنہیں الا یہ کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو(ڈاکٹر یوسف قاسم)۔

مجوزین اور موجبین وغیرہ کے دلائل مشترکہ طور پر یہ ہیں:

۱-"**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**"(سورۂ نساء/۱۴۸)(مفتی عبدالرشید جونپوری،مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی،مولانا محمد ارشد مدنی،مولانا سید اسرارالحق سبیلی،جناب حمیداللہ،مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی،مولانا تنظیم عالم قاسمی،مولانا افتخار عالم قاسمی،مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

۲-"**أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير**"(سورۂ حج:۳۹)(مولانا محمد ارشد مدنی،مفتی مجاہدالاسلام قاسمی)۔

۳-"**وتواصو بالحق وتواصو بالصبر**"(مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

۴-"**ولمن انتصر من بعد ظلمه فأولئک ما عليهم من سبيل**"(سورۂ شوریٰ:۴۱)(مولانا حفیظ الرحمٰن عمری،جناب خورشید حسن رضوی)۔

۵-"**والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون**"(سورۂ شوریٰ/۳۹)(مولانا سلطان احمد اصلاحی،جناب خورشید حسن رضوی)۔

۶-"**وجزاء سيئة سيئة مثلها**"(مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۷-"**وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين**"۔

۸-"**أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر**"(مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا سید اسرارالحق سبیلی،سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی)۔

۹-"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده"(مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مفتی محبوب علی وجیہی، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی)۔

۱۰-"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكوه جاره، قال: اطرح متاعک على الطريق، فطرحه، فجعل الناس يمرون ويلعنونه، فجاء إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله مالقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ قال: يلعنوني، قال: لعنک الله قبل الناس، فقال: إني لا أعود، فجاء الذي شكاه إلى النبي ﷺ، فقال: ارفع متاعک فقد كفيت "(مجمع الزوائد ۸/۱۷۰)(مولانا عبد الرشید جونپوری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۱۱-"عن عبادة بن الصامتؓ قال: بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره، وعلى أثرة علينا، وعلى أن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله تعالى فيه برهان، وعلى أن نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم" (بخاری: ۱۳/۵، ۶، مسلم: ۱۷۰۹)۔

اس حدیث میں کفر کا ذکر ہے مگر اس سے پہلی والی حدیث میں "کلمہ عدل" کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم پر ارباب اقتدار سے احتجاج کرنا اور ان کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنا افضل ترین عبادت ہے (مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۱۲-"انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً الخ"(مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔

۱۳-''إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشک أن يعمهم الله بعقاب منه''(مولانا مبارک حسین ندوی)۔

۴-ظالم گروہ کے بےقصور افراد سے بدلہ لینا:

تمام مقالہ نگار اس پر متفق ہیں کہ ظالم گروہ کے بےقصور افراد سے بدلہ اور انتقام لینا جائز نہیں ہے، دلائل یہ ہیں:

۱-''وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا''(سورۂ بقرہ:۱۹۰)۔

''ولا تعتدوا'' کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نہ جنگ کی ابتدا تمہاری طرف سے ہونی چاہئے اور نہ جن سے جنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے ان سے جنگ کرو، مثال کے طور پر عورتیں، بچے، پاگل، گرجوں میں رہنے والے (تیسیر الرحمٰن ۱/۱۰۶)(مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۲-''ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى''(سورۂ مائدہ/۸)(مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۳-''ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل''(سورۂ اسراء:۳۳)(مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۴-''ولا تزر وازرة وزر أخرى''(مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا محی الدین غازی، جناب خورشید حسن رضوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محمد شمس الدین)۔

۵-''فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم''(مولانا

اسرارالحق سبیلی، مولانا حفیظ الرحمٰن، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

۶-''قالوا يأيها العزيز إن له أباً شيخاً كبيراً فخذ أحدنا مكانه إنا نراک من المحسنين قال معاذ الله أن نأخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده إنا إذا لظالمون''
(سورۂ یوسف ۷۸-۷۹)(مولانا سید اسرارالحق سبیلی)۔

۷-''لاتقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا امرأة''(ابوداؤد: کتاب الجہاد)۔

''نهى رسول الله ﷺ عن قتل الصبيان والنساء''(بخاری: کتاب الجہاد)۔
(مولانا عبد الرشید جونپوری، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۸-''لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه''
(مستدرک حاکم ۲/۵۷)(مولانا سید اسرارالحق سبیلی)۔

۹-''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نزل نبي من الأنبياء تحت شجرة فلدغته نملة فأمر بجهازه فأخرج من تحتها وأمر بها فأحرقت بالنار، قال: فأوحى الله إليه فهلا نملة واحدة''(مسلم:۲۳۶۰)(مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

۱۰-زمانہ جاہلیت میں مقتول کے ورثاء قاتل سے متعلق کسی بھی فرد کو قتل کر کے قتل کا بدلہ لیا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا (مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری)۔

۱۱-مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا صحیح ہے مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہو سکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے (کفایت المفتی ۹/۳۳۹)

(مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، قاری ظفر الاسلام)۔

۱۲- اگر کافر بالمقابل ہو یا مسلمان کو قتل کر چکا ہو یا اس سے خطرہ ہو یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جاسکتا ہے اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۷۴) (مولانا جمیل احمد نذیری)۔

۱۳- ایک موقع پر حکومت کی طرف سے ایسے لوگوں کو بھی جلا وطن کر دیا گیا جو مجرم نہ تھے تو امام اوزاعی نے علاقہ کے صوبیدار کے نام ایک مراسلہ لکھا کہ: چند خاص لوگوں کے جرم میں تمہیں کیا حق تھا کہ جرم میں جو شریک نہ تھے ان کو بھی سزا میں تم شریک کرو، قرآن کا حکم یہ ہے: "ولا تزر وازرة الخ" (مولانا قاری ظفر الاسلام بحوالہ بلاذری)، البتہ بے قصور کسے کہا جائے گا؟ اور کسے ظالم کا معاون اور مددگار سمجھا جائے گا؟ اس سلسلہ میں بعض مقالہ نگاروں نے کچھ شرائط، قیودات، وضاحت اور تحفظات کا اظہار کیا ہے، جو کچھ اس طرح سے ہیں: بے قصور افراد ظلم وزیادتی سے راضی ہوں تو ان کا شمار بھی ظالموں میں ہوگا (مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید)، اور ایسے ہی جو لوگ اپنی قوم کو ظلم سے نہ روکیں وہ خود ظالم ہیں۔ ابوبصیر اور ابوجندل کے کردار ہمیں یہی اصول عطا کرتے ہیں (مولانا اسعد قاسم سنبھلی)، ظلم میں کسی درجے میں تعاون کا غالب گمان ہو تو بدلہ لیا جاسکتا ہے (مولانا برہان الدین سنبھلی، جناب حمید اللہ جان)، ظلم انفرادی ہو تو انتقام ظالموں سے ہی لیا جائے گا، لیکن اگر قومی یا طبقاتی سطح پر ہو تو قوم حربی ہوتی ہے (ابوالقاسم عبدالعظیم)۔ جو افراد عملاً اور فکراً اس سے دور ہوں اور اسے ناپسند کرتے ہوں ان کو انتقام کا نشانہ بنانا درست نہیں ہے جبکہ امتیاز ممکن ہو۔ اگر امتیاز ممکن نہ ہو تو گنجائش ہے۔ جنگوں میں شب خون اس کی نظیر ہے (مولانا عبیداللہ اسعدی، قاضی محمد ہارون مینگل)۔

جو لوگ کسی ایسی سیاسی پارٹی کو ووٹ دیں جو کسی خاص قوم کی دشمن ہو یا خاموش تماشائی کا کردار ادا کریں اور سیاسی وسماجی طاقت سے ظلم کو روک سکتے ہوں لیکن نہ روکیں تو وہ بھی ظلم میں

شریک سمجھے جائیں گے (مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

انفرادی ظلم ہو تو متعین ظالم کے علاوہ بے قصور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، اور اگر پارٹی کی طرف سے ظلم ہو تو اس کے ہر فرد کو شریک جرم سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ اس حرکت میں معین و مددگار ہیں، کیونکہ پارٹی کے ایک فرد کو دوسرے سے تقویت ملتی ہے۔ درمختار کی عبارت: "**وتجری الأحکام المذکورة علی الکل بمباشرة بعضهم الأخذ والقتل والإخافة**" کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں: "**لأنه جزاء المحاربة وهي متحقق بأن یکون البعض ردءاً للبعض**" (۱۱۵/۴)۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس فرقے نے قتل وغارت گری کا معاملہ کیا ہے اس فرقے کے دوسرے لوگوں نے ساتھ نہیں دیا بلکہ خدمت کی تو ان سے بدلہ نہیں لیا جائے گا (مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

پابند قانون سماج میں رہ رہے ہوں اور جرم کی نوعیت انفرادی ہو اور انصاف کا حصول گروہی دباؤ سے آزاد ہو تو "**لاتزر وازرة**" پر عمل ضروری ہے، بصورت دیگر ظالم گروہ کے سارے افراد مجرم شمار ہوں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بنو قریظہ کے سارے مردوں کو تہہ تیغ کروادیا تھا (جناب خورشید حسن رضوی)۔

بے قصوروں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے بلکہ قاتلوں سے بھی، بجائے اس کے عدالت سے فریاد کرنا چاہئے (ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

عرض مسئلہ:

اسلام اور امن عالم

سوال نمبر ۵،۶:

مولانا راشد حسین ندوی
رائے بریلی

''اسلام اور امن عالم'' کے سوال ۵ اور ۶ پر عرض مسئلہ کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ہندو بیرون ہند کے مختلف علاقوں سے اکیڈمی کو ۴۸ مقالات موصول ہوئے۔ ہم پہلے سوال ۵ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جس میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اکثر مقالہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے کہ دہشت گردی کے کچھ اسباب ومحرکات ہوتے ہیں۔ مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے سوال ہی کو محل نظر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مسلم حکومتیں اسلامی ہدایات کی پابند نہیں ہیں۔ مسلم حکومتیں پابند تو ہیں لیکن ان موضوعات کا بہانہ بنا کر ہم اسلامی حکومت کے خلاف انہیں بغاوت کی اجازت نہیں دیں گے۔

بقیہ حضرات نے تدارک کے لئے مختلف تدابیر کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض تدابیر

کی ہمنوائی علماء کی بڑی جماعت نے کی ہے، جبکہ بعض تدابیر بعض علماء کی انفرادی رائے کی صورت میں سامنے آئی ہیں۔ ہم ترتیب کے پیش نظر پہلے ان تدابیر کا ذکر کررہے ہیں جن کو جماعت علماء کی تائید وحمایت حاصل ہے، پھران تدابیر کا ذکر کریں گے جو الگ الگ افراد نے اپنے علم وتجربہ کی روشنی میں انفرادی رائے کے طور پر تحریر فرمائی ہیں:

پہلی رائے:

مولانا محمد ارشاد قاسمی بھاگل پوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابراہیم گجیافلاحی (گجرات)، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی (آسام)، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی (ندوۃ العلماء لکھنؤ)، مولانا قمر الزماں ندوی، سید خورشید حسن رضوی (حیدرآباد)، قاری ظفر الاسلام، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی (مئو)، ڈاکٹر یوسف قاسم (کلیۃ الحقوق جامعہ قاہرہ) کی ہے، ان حضرات کے نزدیک دہشت گردی کے مکمل خاتمہ کا ذریعہ اور حل وعلاج صرف یہ ہے کہ عدل وانصاف، مساوات، احترام انسانیت اور عدم اعتداء علی الغیر کا بنیادی اصول بروئے کار لایا جائے اور اس میں ہر طرح کی طبقاتی تقسیم کو ترک کردیا جائے۔

مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے اس کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں:

۱-"اعدلوا هو أقرب للتقوى"۔

۲-"و إذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل" (سورۂ بقرہ:۲۰۶)۔

۳-"وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین"۔

۴-"ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین"۔

مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے یہ احادیث نقل کی ہیں:

۱-"الظلم ظلمات یوم القیامة"(مشکاۃ ۲/۴۳۴)۔

۲-"من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام"(ایضاً ۲/۴۳۶)۔

جبکہ قاری ظفر الاسلام صاحب نے "الاحکام السلطانیۃ" للماوردی رص۶ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

"وأما أهل الإمامة فالشروط المعتبرة فیهم سبعة، أحدها: العدالة علی شروطها الجامعة......الخ"۔

مفتی سید اسرار الحق سبیلی نے پہلے قدرے تفصیل سے دہشت گردی کے اسباب پر بحث کی ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ملک میں دہشت گردی کے اسباب میں یکسانیت ہو، البتہ کچھ اسباب مشترک بھی ہو سکتے ہیں، پھر ۱۳ اسباب گنانے کے بعد اس کے تدارک کے لئے مذکورہ بالا ذرائع اور دلائل ذکر کرنے کے علاوہ مندرجہ ذیل ذرائع بھی تجویز فرمائے ہیں:

۱-دعوت اسلام عام کی جائے: "وأنزلنا إلیک الکتاب بالحق"(سورۂ مائدہ:۴۸)۔

۲-صبر اور اللہ سے دعا:"استعینوا بالله واصبروا"(سورۂ اعراف:۱۲۸)۔

۳-احساس محرومی کا خاتمہ:"لا تأیسوا من روح الله"(سورۂ یوسف:۸)۔

۴-دنیا کی ہوسنا کی کا خاتمہ:"وما الحیوة الدنیا إلا متاع الغرور"(سورۂ آل عمران:۱۸۵)۔

۵-ایک دوسرے پر مذہب اور تہذیب مسلط نہ کرنا:"**لا إكراه في الدين**"(سورۂ بقرہ:۲۵۶)۔

۶-غاصبانہ ذہنیت کا خاتمہ:"**من غصب قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين**"(بخاری۵/۶۷،مسلم ۱۶۱۲)۔

دوسری رائے:

مولانا ارشد مدنی اور مولانا حمید اللہ صاحب (جامعہ اشرفیہ لاہور) کی ہے۔ان دونوں حضرات نے مسئلہ کی دو شقیں کی ہیں:

الف: سماجی یا معاشی ناانصافی کی وجہ سے پیدا ہونے والی دہشت گردی۔

ب: حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی خواہش کی بنا پر دہشت گردی۔

شق (الف) کی دہشت گردی کے تدارک کے لئے ان حضرات کی بھی رائے پہلی رائے جیسی ہے، لیکن شق (ب) کے سلسلہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ایک بغاوت ہے۔ اسلام ان کو پہلے راہ راست پر لانے کی دعوت دیتا ہے۔اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو تدبیر کے ذریعہ ان کے پروگرام کو ختم کیا جائے۔آخری چارہ یہ ہے کہ بزور ان کو اس سے روکا جائے۔

مولانا ارشد مدنی صاحب نے اس پر استدلال آیت کریمہ "**وأعدوا لهم ما استطعتم**"(سورۂ انفال:۶۰) سے کیا ہے۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ اس کا تدارک صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ پورے کے پورے اسلام کو زندگی میں داخل کردیا جائے۔ یہ رائے مولانا مبارک حسین ندوی نیپالی، مولانا محی الدین غازی فلاحی اور مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی کی ہے۔مولانا قاسمی صاحب نے اس کے لئے اس آیت

سے استدلال کیا ہے:

”**تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم**“(سورۂ آل عمران)۔

چوتھی رائے:

یہ ہے کہ دہشت گردوں سے سختی کے ساتھ نمٹنے کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ یہ رائے مولانا شمس الدین صاحب اور مفتی عبدالرحیم صاحب قاسمی کی ہے۔

ان آراء کے بعد ہم ان آراء کا ذکر کرتے ہیں جو اگرچہ بہت وقیع اور اہم ہیں لیکن انفرادی نوعیت کی ہیں:

۱- حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کے نزدیک ان کے تدارک کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے لئے سنجیدہ، مؤثر اور مفید کوششیں کی جائیں اور ایسے مسلمان رہنماؤں سے مشورہ لیا جائے جو غیر جذباتی، شرعی اصولوں سے واقف اور تجربہ کار ہوں۔

۲- مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کے نزدیک خلافت کا شورائی نظام دنیا کے سامنے رکھا جائے اور دنیا اسے قبول کرلے۔

۳- مولانا ابوسفیان صاحب مفتاحی کے نزدیک مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے، البتہ حاکم غیر مسلم ہو تو مروج طریقے دھرنے وغیرہ سے ان اسباب کے تدارک پر حکومت کو آمادہ کیا جائے۔ اس سے کام نہ چلے تو حاکم یا حکومت سے نبرد آزما ہونا جائز ہوگا۔

۴- مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی کے نزدیک اس کا تدارک کرنا واجب ہے۔ اسباب تدارک میں دعا، استغفار، افہام وتفہیم، سربراہوں سے تعاون اور جنگ بھی شامل ہے۔ موصوف کی دلیل یہ احادیث ہیں:

۱-”**إن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم (الى) ولكن**

اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع أكفكم"(مجمع الزوائد ۲۴۹/۵)۔

۴-"**من رأى منكم منكراً**"(**الحديث**)(مشکاۃ ۴۳۶/۲)۔

۵- مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم کے نزدیک اسلامی قانون عدل اور قانون جہاد اور قتال کو مکمل طور پر اپنایا جائے۔

۶- مولانا حفظ الرحمٰن صاحب عمری کے نزدیک اسلام کی ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کیا جائے جیسے معرکہ بدر تک مسلمانوں کو ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۷- مولانا افتخار عالم قاسمی صاحب کے نزدیک اسلام اس کے لئے دو طرح کی ہدایات دیتا ہے:

الف- ہمت وطاقت ہے تو ان سے بڑھ کر ان سب چیزوں کو ختم کیا جائے:"**ولولا دفع الله الناس**"(سورۂ حج: ۴۰)،"**يجب على كل من أطاق الدفع أن يقاتل مع الإمام**"(شامی ۴۱۶/۶ طبع بیروت)۔

ب- طاقت نہ ہو تو صبر اور دعا کرنا چاہئے، مسلم کی حدیث ہے:"**تسمع وتطيع وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك**"(امدادالفتاوی ۲۱/۵)۔

۸- مولانا خورشید احمد صاحب اعظمی کے نزدیک اس کا مثبت طریقہ بھی ہے اور منفی بھی۔ مثبت طریقہ ان کی رائے میں رائے اول کے مطابق ہے، دلائل بھی تقریباً وہی ہیں، اور منفی طریقہ میں موصوف نے حدود وتعزیرات کا ذکر کر کے متعلقہ آیات ذکر کی ہیں۔

۹- ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی صاحب آیت کریمہ "**وما يتبع أكثرهم إلا ظناً**" کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں: اٹکل پر چلنے سے کام نہیں چلتا، اللہ ان کی دہشت گردی کے اسباب کی گرہ کھول دیتا ہے۔

۱۰- مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کے نزدیک مسلمان اپنی معاشی اور سیاسی حالت مستحکم کریں، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی طرف توجہ کریں، اعلی ملازمتوں کے حصول کے لئے منصوبہ بند کوشش کریں، مدارس دینیہ اپنا کردار نبھائیں۔

۱۱- سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی (پاکستان) کے نزدیک اسلام دہشت گردی کے اسباب مثلاً غربت وغیرہ کو دور کرنے پر زور دیتا ہے، اور دہشت گردی شروع ہو جائے تو سارے حکومتی ذرائع سے اسے کچلنے کے بعد ان بنیادی اسباب کی طرف توجہ دینے کی ہدایت دیتا ہے۔ ان کی دلیل "**الفقه على المذاهب الأربعة**" کی ایک عبارت سے ہے۔

۱۲- مولانا تنظیم عالم قاسمی صاحب نے رائے اول کے مشابہ رائے ظاہر کر کے تقریباً وہی دلائل دیئے ہیں، ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

۱- دنیا کی بے حقیقتی ظاہر کی جائے: "**وما الحيوة الدنيا إلا متاع الغرور**"۔

۲- ایک کے بدلہ دوسرے کو نہ پکڑا جائے: "**ولا تزر وازرة**"۔

۳- احتجاج کا راستہ کھلا رکھا جائے، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

۱۳- مولانا مصطفیٰ قاسمی نے اس کی دو شقیں کی ہیں:

الف- پہلی شق میں موصوف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تحفظ دین، جان، عقل وشعور، نسب اور مال کے لئے قتال کی اجازت ہے، دلائل:

۱- "**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله**"۔

۲- "**جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: الرجل يأتيني فيريد مالي (ثم جاء فيه) قال: قاتل دون مالك حتى تكون من شهداء الآخرة أو تمنع مالك**" (المجتبیٰ ۲/۱۷۱، ۱۷۲)۔

ب- دوسری شق میں موصوف نے حکومت کے خلاف بغاوت کو شرعاً ناجائز قرار دیا

ہے،اورحدیث:"لا تسبوا الملوک"(مشکاۃ ۳۱۹/۲) سے استدلال کیا ہے۔

۱۴- شیخ محمد علی تسخیری (ایران) نے ان اسباب کے تدارک کے لئے حکام اور عوام کے لئے علاحدہ علاحدہ تجاویز رکھی ہیں:

موصوف لکھتے ہیں کہ حکومتی سطح پر اس کے لئے ضروری ہے کہ:

الف- اقوام متحدہ کے رکن ممالک کو مساوی درجہ دیا جائے، امتیازی سلوک ہی اکثر جگہ دہشت گردی کی بنیاد ہے۔

ب- فلسطینیوں پر ہو رہے ظلم کا خاتمہ کیا جائے۔

ج- ایک عالمی معاہدہ کیا جائے جو حکومتوں کو اس بات کا پابند بنادے کہ دہشت گردوں کی مالی امداد نہ ہو سکے۔

د- جہل، فقر، اندھے تعصب نیز پستی کے تمام مظاہر کا مقابلہ کیا جائے۔

عوام کے لئے موصوف نے بارہ تجاویز پیش کی ہیں جن میں اہم تجاویز رائے اول کے مطابق ہیں، بقیہ میں امت کی وحدت، تعلیم، باہمی تنازعوں کے حل اور اسی طرح کی چند چیزوں پر زور دیا گیا ہے۔

۱۵- ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے نزدیک مشکلات کا حل افہام وتفہیم میں ہے، لیکن اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو ضرورتاً ظلم کو ظلم سے دور کیا جا سکتا ہے۔

۱۶- جناب سید شکیل انور صاحب کے نزدیک دہشت گردی کو معاشی یا سیاسی ناانصافی سے مربوط کرنا درست نہیں ہے۔

۱۷- مفتی محبوب علی وجیہی صاحب کے نزدیک بھی اسلام طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت یا معاشیات ودیگر مسائل پر تسلط کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اکثر حضرات نے یہ تسلیم کیا ہے کہ دہشت گردی کے کچھ بنیادی

اسباب ہوتے ہیں، پھر بعض نے اس کے تدارک کی ذمہ داری حکومتوں پر ڈالی ہے، بعض نے عوام پر اور بعض نے دونوں پر، اورانہوں نے اس کے تدارک کے متعلق اسلام کی مختلف ہدایات کا ذکر کیا ہے۔

ان ہدایات کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا جڑ سے خاتمہ تبھی ممکن ہوگا جب ہر سطح سے ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔

سوال (٦) سے متعلق آراء:

سوال (٦) یہ ہے کہ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب؟ نیز مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

اس میں پہلی شق (دفاع کی شرعی حیثیت) کے بارے میں مقالہ نگاروں کی ٦ آراء ہیں:

پہلی رائے:

یہ ہے کہ دفاع کرنا مطلقاً یا بشرط استطاعت واجب ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے: مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا حمید اللہ (پاکستان)، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا قمر الزماں ندوی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید محمد ذاکر

حسین شاہ سیالوی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، سید خورشید حسن رضوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔

ان حضرات نے عام طور سے یہ دلائل دیئے ہیں:

۱- حدیث: ''**من قتل دون ماله فهو شهيد**'' (نسائی، ترمذی)۔

۲- حدیث: ''......**أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي** '' (مسلم)۔

اور مولانا افتخار عالم قاسمی صاحب نے بطور استدلال اس آیت کریمہ کا بھی ذکر کیا ہے: ''**وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم**'' (سورۂ بقرہ)۔ مولانا قمر الزماں ندوی کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور مفتی حبیب اللہ قاسمی کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے: ''**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**''۔ ثانی الذکر نے مزید آیت: ''**ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيماً**''، اور حدیث: ''**لا ينبغي لمؤمن أن يذل نفسه** '' کو بطور استدلال نقل کیا ہے۔

دوسری رائے:

یہ ہے کہ دفاع کرنا مباح ہے، یہ رائے مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ارشد مدنی، قاضی محمد ہارون مینگل اور جناب سید شکیل احمد انور کی ہے۔

ان میں سے اکثر کا استدلال رائے اول میں مذکور حدیث نمبر ۱ سے ہے، قاضی محمد ہارون مینگل صاحب نے حدیث نمبر ۲ کو بھی ذکر کیا ہے۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ دفاع کرنا مستحب ہے۔ یہ رائے مفتی سید اسرار الحق سبیلی اور مولانا خورشید احمد اعظمی کی ہے۔ ان حضرات نے بھی دونوں احادیث سے استدلال کیا ہے، نیز مولانا اسرار الحق

صاحب نے (سورۂ مائدہ:۲۸-۳۰ میں مذکور) ہابیل اور قابیل کے قصہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

چوتھی رائے:

مسئلہ میں تفصیل کی ہے، یعنی جان وآبرو کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے، اور مال سے دفاع کرنا جائز ہے۔

یہ رائے ڈاکٹر یوسف قاسم (قاہرہ)، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی اور قاری ظفر الاسلام صاحب کی ہے۔

ان حضرات نے مال کی طرف سے مدافعت کے جواز پر مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بعض فقہی عبارات اور شراح حدیث کے اقوال نقل کئے ہیں، مثلاً شیخ عبدالقادر عودہ کی یہ عبارت:

”**أما الدفاع عن المال فأغلب الفقهاء یرونه جائزاً لا واجباً** “(التشریع الجنائی ۱/۴۷۴) نیز (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۷۶۲، شرح مسلم للنووی ۱/۱۳۵)۔

اور جان وآبرو کی حفاظت کے وجوب پر ان کے دلائل یہ ہیں:

۱-”**ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة**“(سورۂ بقرہ:۱۹۵)۔

۲-”**فقاتلوا التي تبغي حتی تفيء إلی أمر الله**“۔

۳-”**فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم** “۔

۴-”**التشریع الجنائي الإسلامي**“(۱/۴۷۴) کی یہ عبارت”**قد اتفق الفقهاء علی أن دفع الصائل واجب**“۔

۵-الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۷۵۹۔

پانچویں رائے:

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم کی ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق دفاع کبھی واجب ہوگا، اور کبھی مباح یا مستحب، ان کا استدلال رائے اول میں ذکر کردہ احادیث کے علاوہ اس بات سے بھی ہے کہ قرینہ صارفہ مقتضائے حال کا بھی ہوتا ہے۔

چھٹی رائے:

مولانا محی الدین غازی صاحب کی ہے کہ دفاع کرنے پر مفسدہ کم ہونے کا امکان ہوتو دفاع مستحب ہوگا اور اگر مفسدہ اکبر کا اندیشہ ہوتو جائز ہوگا۔

جہاں تک دوسری شق یعنی حق مدافعت کے حدود کا تعلق ہے تو اکثر مقالہ نگاروں نے مختلف تعبیرات نیز اجمال اور تفصیل کے فرق کے ساتھ حدود مدافعت کا ذکر کرتے ہوئے دفاع کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ اس پر حقیقتاً ظلم وزیادتی کی جائے اور دفع ظلم میں الاخف فالاخف کا خیال رکھتے ہوئے آسان ترین طریقہ اختیار کیا جائے، اور دفع ظلم میں طاقت کا استعمال بقدر ضرورت کیا جائے۔

یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن عتیق ندوی، مولانا محمد شمس الدین، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ابرار خاں ندوی اور مولانا ابراہیم گجیا فلاحی۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری اور مولانا افتخار

عالم قاسمی نے کم وبیش مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

"لا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا" (سورۂ مائدہ)۔

"فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (سورۂ بقرہ: ۹۴)۔

"ولا تعتدوا" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰)۔

"فإن اعتزلوكم فلم يقاتلوكم" (سورۂ نساء: ۹۰)۔

جبکہ سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی اور مولانا مبارک حسین ندوی نے پیچھے ذکر کردہ حدیث: **"جاء رجل فقال يا رسول الله! جاء رجل يريد أخذ مالي...... الحديث"** سے استدلال کیا ہے۔

اور مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے فتح الملہم ۱/ ۲۸۴ کے حوالہ سے تفصیل پر دلالت کرنے والی ایک حدیث کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔

جبکہ مولانا محمد شمس الدین اور مفتی مجاہد الاسلام صاحب کا استدلال قاعدہ فقہیہ: **"الضرورات تتقدر بقدرها"** سے ہے۔

اور مولانا ابرار خاں ندوی اور مولانا مجیب الرحمٰن عتیق ندوی کا استدلال بعض فقہی عبارات سے ہے، مثلاً:

"ويبتدأ المدافع بالأخف فالأخف إن أمكن" (الموسوعہ الفقہیہ ۲۸/ ۱۰۶)۔

"والأصل في هذا أن من قصد قتل إنسان أتم" (البدائع ۸/ ۹۲، ۹۳)۔

بعض دوسری آراء:

جبکہ مولانا ارشد مدنی صاحب اس پر مزید ایک شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ پہلے حکومت کو خبر کردے۔

اور مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب اور مولانا نیاز احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں: جب کسی بڑے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، دفاع میں ظلم وزیادتی نہ ہو، جائز حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

اور مولانا قمر الزماں ندوی کہتے ہیں: جب کامیابی کے امکانات روشن نہ ہوں۔

مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی کی رائے ہے کہ قانون کی حکمرانی باقی رکھتے ہوئے مدافعت کا حق استعمال کیا جائے۔

جبکہ ڈاکٹر یوسف قاسم صاحب حدود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظلم کے وقوع سے پہلے یا اس کے تسلسل کو روکنے کے لئے دفاع کی اجازت ہوگی اور جب ظلم کا وقوع ہو جائے تو پھر عدالت ہی کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم نے وضاحت کے بغیر حدود پر دلالت کرنے والی ان آیات اور فقہی قول کا ذکر کیا ہے:

۱-"**إلا الذين تابوا من قبل أن تقدر عليهم**"۔

۲-"**وقاتلوهم حيث ثقفتموهم**"۔

۳-امام احمد کا قول:"**قاتلهم حتى تمنع نفسك ومالك**" (السنۃ للخلال ص۱۶۱،۱۶۲)۔

اسلام اور امن عالم

مولانا برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ)

۱- ظلم کرنا خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اور خواہ فرد پر ہو یا جماعت پر، بہر حال ممنوع اور شرعاً حرام ہے۔

۲- ظلم کا مصداق ہوگا تو وہ دہشت گردی کہلایا جائے گا۔

۳- احتجاج یعنی مظلومیت کا اظہار، بعض موقعوں پر جائز بعض میں واجب ہوگا، مثلاً اگر ظلم کا ازالہ احتجاج سے یقینی ہو تو واجب ہوگا، ورنہ نہیں، اور مظلوم کا مظلومیت کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اگر جائز طریقہ پر ہے تو وہ دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آ سکتا، وہ تو مظلوم کا حق ہے۔ آیت: ''**لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول إلا من ظلم**'' سے اس کا ثبوت ملتا ہے، بشرطیکہ یہ احتجاج اور مظلومیت کا اظہار شرعی حدود کے اندر ہو۔

۴- ہرگز نہیں، الا یہ کہ ظلم میں تعاون کسی درجہ میں کرنے کا غالب گمان ہو، اس صورت میں تعاون کے جرم کے بقدر سزا کی گنجائش ہوگی اس سے زیادہ کی نہیں۔

۵- منصفانہ سنجیدہ مؤثر کوششیں کرنا کہ جن کا تجربہ سے مفید ہونا ثابت ہو چکا ہے، ان میں تجربہ کار، غیر جذباتی اور شرعی اصول سے واقف مسلمان راہنماؤں سے مشورہ لینا ضروری ہے۔

۶- **واجب ہے، ازروئے حدیث نبوی شریف: ''من قتل دون مالہ......دون عرضہ......دون نفسہ......فھو شھید''۔**

دہشت گردی اسلامی نقطہ نظر سے

مفتی عبیداللہ اسعدی، باندہ

۱- حق وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر، اور ظالم ومظلوم کے فرق سے آنکھ بند کر کے ذاتی ومتعینہ مفادات ومقاصد کے لئے کی جانے والی ہر کوشش دہشت گردی ہے۔

۲- اس قسم کی حرکتیں عوام کریں یا جماعتیں، فرد کرے یا حکومت، سب دہشت گردی کے تحت آتا ہے۔

۳- ناانصافی کے خلاف احتجاج حسب موقع وحالات جائز بھی ہے اور واجب بھی، اور مظلوم کا اپنے حق کے لئے اٹھنا ولڑنا بہرحال دہشت گردی نہیں ہے۔

۴- ظالم طبقہ سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جو عملاً وفکراً اس ظلم وستم سے دور اور اس کو ناپسند کرنے والے ہوں، ان کو ظالموں سے ظلم کے بدلہ وانتقام کے لئے شکار بنانا کسی طرح درست نہیں ہے، جبکہ انتقامی کارروائی کے حملوں میں امتیاز ممکن ہو۔ اگر امتیاز ممکن نہ ہو تو گنجائش ہے، جنگوں میں شب خون اس کی نظیر ہے۔

۵- دہشت گردی کے مکمل خاتمہ کا ذریعہ اور حل وعلاج صرف یہ ہے کہ عدل وانصاف کو بروئے کار لایا جائے اور کسی طرح کی طبقاتی تقسیم وغیرہ کے بغیر اور اس سے قطع نظر انسانوں اور انسانیت کی بھلائی کو سوچا جائے۔

۶ - اپنی جان وآبرو، اور مال کی حفاظت کے لئے دفاع جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہے، اور مدافعت میں اگر دوسرے کونقصان پہنچایا تو ظلم و جرم نہیں، اور خود کا نقصان کیا تو مجاہد وشہید کا اجروثواب ملے گا، صحیح احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

امن عالم اور اسلام

مفتی جمیل احمد نذیری
جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوداہ، مبارکپور

۱، ۲- دہشت کے معنی ہیں: ڈر، خوف، خطرہ۔

دہشت پسند: خوف و ہراس پھیلا کر حکومت تبدیل کرنے والا۔

دہشت گردی: خوف و ہراس پھیلانا (جامع فیروز اللغات رص ۶۵۸)۔

اس لغت میں ''دہشت گرد'' کا لفظ نہیں ملا، ویسے ''دہشت گردی'' کا معنی سامنے رکھتے ہوئے ''دہشت گرد'' پر وہی معنی صادق آتا ہے جو ''دہشت پسند'' کا گزرا۔ یعنی ''خوف وہراس پھیلانے والا''۔ اس کے نتیجہ میں حکومت تبدیل ہو یا نہ ہو ''دہشت گردی'' سے خوف وہراس تو پھیلتا ہی ہے۔

راقم السطور کا خیال یہ ہے کہ ''دہشت گردی'' میں ''حکومت تبدیل کرنے کی کوشش'' داخل نہیں، البتہ خوف وہراس پھیلا کر لوگوں کی سوچ تبدیل کرانا ضرور مقصود ہوتا ہے، یا پھر کسی ایسے مسئلہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانا ہوتا ہے جسے لوگ بالکل بھلائے رکھتے ہیں، یا جس کی طرف زیادہ متوجہ نہیں رہتے۔

اب یہ لوگ خواہ ارباب اقتدار ہوں یا عوام الناس دہشت گرد انہیں لوگوں کو اپنے مسئلہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو ''دہشت گردی'' کا بنیادی عنصر خوف وہراس پھیلانا ہے، اور خوف وہراس پھیلانے کا مقصد ہوتا ہے، اپنے مخالفین کو دبانا اور کچلنا، یعنی مرعوب کرنا، انہیں سر نہ اٹھانے دینا۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ''دہشت گردی'' کی حقیقت و ماہیت یہی ہے کہ خوف و ہراس پھیلا کر اپنے غیروں کو دبانا اور اپنی برتری ظاہر کرنا۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ظالمانہ اور غیر منصفانہ کارروائی ہے، لہذا اگر کوئی حکومت اپنے ملک کے کسی طبقہ کے ساتھ عدل و مساوات نہ کرے، دانستہ طور پر اس کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھے، اس کے جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی برتے، اور جان بوجھ کر اس کو جان و مال کے نقصان سے دوچار کرنے کی کوشش کرے، اس طرح اسے دبائے اور کچلے تو بلا شبہ اس پر دہشت گردی کی تعریف صادق آئے گی۔

۳- ناانصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے، لیکن اسے واجب کہنے میں احقر کو تأمل ہے، یہ چیز حالات و مصالح پر منحصر ہے، البتہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ دہشت گرد ہے وہ جو ظالم ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''إن الله لا يمنع ذا حق حقه'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ المصابیح ۴۳۶/۲) (اللہ تعالی کسی حق والے کو حق لینے سے نہیں روکتا)۔

۴- مظلوموں کے لئے ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بے قصور ہوں اور خود اس ظلم میں کسی طرح شامل نہ ہوں۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

''اگر کافر بالمقابل ہو، یا مسلمان کو قتل کر چکا ہو، یا اس سے خطرہ ہو، یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جا سکتا ہے، اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۷۴)۔

۵- اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے، خواہ اپنا ہو یا غیر۔

''**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنّكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى**'' (المائدہ:۸) (اے ایمان والو! اللہ تعالی کے لئے پوری پابندی کرنے والے، انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے)۔

کسی کو دبایا اور کچلا نہ جائے، کسی پر ظلم وزیادتی نہ کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**الظلم ظلمات يوم القيامة**'' (متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ المصابیح ۲/۴۳۴) (ظلم، قیامت کی سخت تاریکی ہے)۔

دوسری روایت میں ہے: ''**من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام**'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ ۲/۴۳۶) (جو کسی ظالم کے ساتھ اسے قوت پہنچانے کے لئے چلا، جبکہ جانتا تھا کہ ظالم ہے، وہ اسلام سے نکل گیا)۔

۶- حتی المقدور مدافعت واجب ہے، فتاوی محمودیہ میں ہے:

''اپنی جان کی حفاظت لازم ہے، اس کے لئے ہر مناسب تدبیر کو اختیار کیا جا سکتا ہے، دوسرے کی جان لینا مقصود نہ ہونا چاہئے، اس کا انجام دنیا وآخرت میں برا ہے (فتاوی محمودیہ ۱۱/۳۸۰)، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا بھی یہی حکم ہے۔

✧ ✧ ✧

اسلام میں امن وسلامتی

مفتی شیر علی گجراتی
مدرسہ فلاح دارین ترکیسر

۱- تعریف: دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، جماعتیں یا حکومتیں کسی انسان کے دین، جان، مال اور عزت پر ناحق کریں۔

یہ تعریف خوفزدہ کرنے اور تکلیف پہنچانے کی ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔'' اور زمین میں فساد نہ مچاؤ، بے شک اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا'' (سورۂ قصص ر ۷۷)۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر دہشت گردی کا اطلاق نہیں ہوگا، یہ رویہ محض کوتاہی اور ناانصافی کہلائے گا۔لیکن یہی ناانصافی بسا اوقات ریاست بلکہ ملک میں تشدد اور دہشت گردی پھیلنے کا سبب بن جاتی ہے اور مظلومین کی طرف سے انتقام کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جیسے عراق، افغانستان اور فلسطین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

۳- اگر کسی جماعت یا قوم کے ساتھ حکومت کی طرف سے واقعۃً ناانصافی اور ظلم ہو تو اس کو قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے شور شرابا کئے بغیر پُر امن طریقہ پر حتی الامکان احتجاج کرنا ہی چاہئے بشرطیکہ اس احتجاج کا نتیجہ خلاف توقع نکلنے کا اندیشہ نہ ہو۔لیکن اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ حالات بد سے بدتر ہو جائیں گے تو اسے صبر ہی کرنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان"(مسلم شریف ۱/۵۱)۔

۴- مظلوموں کا ظالم گروہ سے ان کے ظلم کے بقدر بدلہ لینا جائز ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:"فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين"(سورۂ بقرہ/ ۱۹۴)۔ اور مظلوموں کا ظالم گروہ کے بے قصور افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولا يجرمنكم شنآن قوم أن صدوكم عن المسجد الحرام ان تعتدوا"(سورۂ مائدہ/ ۲)، اور"المظلوم لا يظلم غيره"(ہدایہ/ ج ۳)۔

۵- دہشت گردی کے ازالہ کے لئے اسلامی ہدایات وتعلیمات یہ ہیں کہ عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ تمام انسانی حقوق کا احترام کیا جائے اور حکومتیں تمام شہریوں کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیں لیکن چونکہ مسلمانوں کے پاس حکومت نہیں ہے اس لئے حکومتوں کو قانون کے موافق عدل وانصاف قائم کرنے کی اور حقوق ادا کرنے کی تلقین اور اس کا مطالبہ کرتا رہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وجادلهم بالتي هي أحسن"۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الايمان"(مسلم شریف ۱/۵۱)۔

۶- حتی المقدور جان، مال اور عزت وآبرو کی مدافعت واجب ہے، البتہ مال کی مدافعت کے لئے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالے، اس لئے کہ مال کے مقابلہ میں جان کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔"إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما"۔

حدود مدافعت: مظلوم کو جوابی کارروائی میں زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے اور

حتی الامکان تجاوز عن الحدود نہ کرنا چاہئے۔ جہاں تک تخفیف سے مدافعت ہوسکے تشدد نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم**“۔ یہ سب باتیں رعایا سے متعلق ہیں حکومتوں سے نہیں۔

دہشت گردی سے ممانعت کا حکم

سید امیر حسین گیلانی
جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

اسلام نے دہشت گردی قطعی طور پر حرام قرار دی ہے، دہشت گردی کا مطلب ہے کسی کی جان لینا، مال لینا اور قتل وفساد برپا کرنا، جس کی قرآن پاک کی تعلیم میں ممانعت متعدد مقامات پر موجود ہے۔ دہشت گردی کے خلاف "والفتنة أشد من القتل" اس آیت سے بھی استدلال ہوسکتا ہے (پارہ ۲، آیت ۱۹۱)۔

سورہ مائدہ، آیت/ ۳۲ میں "أنه من قتل نفساً" سے شروع ہوکر "أحيا الناس جميعاً" تک۔ دہشت گردی اور قتل وقتال، فساد فی الأرض کو منع قرار دیتے ہوئے صریحاً حرام قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی تفسیر میں ۱۱۰ سے لے کر ۱۱۳ کے آخر تک یوں ارشاد فرمایا جس کو دیکھا جاسکتا ہے:

اس پورے رکوع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم کے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور اسلام حقوق کے حوالے سے تنبیہ کرتا ہے کہ ہر حق دار کو حق دینا یہ معاشرتی اور اخلاقی ذمہ داری ہے، ہمیشہ فساد اور لڑائیاں حقوق کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ اگر حقوق ادا کردیئے جائیں تو پھر معاشرے میں امن وامان اور پرامن زندگی گزارنے کے اس قدر عظمت کے ساتھ مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ

جھگڑے اور فساد کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، لوگ باہم محبت اور پیار سے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ اور اسلام اسی کا داعی اور ضامن ہے۔ اس لئے دہشت گردی اور اسلام کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہوسکتا۔ اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس کے بعد رسم پڑ گئی۔ اس سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور ساری بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے۔ اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا ہے یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کو بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے (تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)۔

اسلام میں دہشت گردی اور جہاد کا فرق

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مالیر کوٹلہ، پنجاب

ابھی کچھ عرصے سے مسلمانوں کی مجاہدانہ آواز کو دبانے کے لئے ایک نیا نام دہشت گردی کا دیا گیا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ اسلامی جہاد کے خلاف اس کو بدنام کرنے کے لئے پہلے بھی آوازیں اٹھتی رہی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جہاد کا اپنا ایک مستقل تصور ہے جو انتہائی منصفانہ اور عادلانہ ہے، اسلامی جہاد کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے فکر وعمل میں آزاد ہے اور یہ آزادی اور اختیار جو انسان کو ملا ہے وہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے، کسی قوم کو یا کسی فرد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا غلام بنائے، ان پر جبر وظلم کرے اور ان کی آزادی کو چھیننے کی کوشش کرے، اسلامی جہاد ظلم اور منکرات کو ختم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کا نام ہے، اس لئے اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہے۔

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت یہ ہوگی کہ کسی پر ظلم کرنا، اس کے حقوق کو چھیننے کی کوشش کرنا اور اس کو دبانے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرنا، ایسا ماحول پیدا کرنا کہ لوگ سچ کہتے ہوئے ڈرنے لگیں اور ان کے جان و مال، آبرو اور ان کی آزادی خطرے میں ہوں، دہشت گردی محرومی کے جواب میں قوت کا استعمال ہے جس کا مقصد مقابل کو

خائف کرنا ہے، اسلام نے انسان کے حقوق کو بڑی تفصیل سے قرآن وحدیث میں بیان کیا ہے اور آج کی اقوام نے بھی انسانی حقوق کے چارٹر کو منظوری دی ہے، ان حقوق کو مختلف طریقوں سے ہڑپ کرنے کی کوشش کرنا دہشت گردی ہے اور ان حقوق کی حفاظت کرنا اسلامی جہاد ہے۔

۲- بے شک دہشت گردی سرکاری سطح پر بھی ہوتی ہے اور اس کے بہت سے نمونے ہمارے ملک میں بھی سامنے آچکے ہیں، تازہ نمونہ گجرات کا ہے جس کو سرکاری دہشت گردی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا، اسرائیل کی فلسطین پر ریاستی دہشت گردی، شیشان پر روس کا فوجی کنٹرول اور مینڈانا پر فلپائن کی فوج کشی ریاستی دہشت گردی ہے۔

۳- حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مظلوم کی بھی مدد کرو اور ظالم کی بھی''، اس پر صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو ٹھیک ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ظالم کو ظلم سے روکنا یہ اس کی مدد کرنا ہے''۔

اور یہ حدیث تو بہت ہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''منکر کو دیکھ کر نظر انداز مت کرو، اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کرو، ہاتھ میں طاقت نہیں تو زبان سے برائی کو برا کہو، اور زبانوں پر بھی تالے لگ چکے ہیں تو کم سے کم دل میں برائی کو برا سمجھو، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ایمان کے تقاضے میں یہ بات شامل ہے کہ ہم ظلم پر سراپا احتجاج بن جائیں اور حسب استطاعت اس کو ختم کرنے کی کوشش کریں، قرآن مجید کی آیت ''**تواصوا بالحق وتواصو بالصبر**'' کی تفسیر وتشریح ان تمام چیزوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

۴- ظاہر ہے کہ ان حضرات سے بدلہ لینا جو اس زیادتی اور ظلم کے ذمہ دار نہیں ہیں ہرگز جائز نہیں ہے، اندرا گاندھی کا قتل ان کے باڈی گارڈ نے کیا جو سکھ تھا، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ

سارے سکھوں کو اس کا ذمہ دار سمجھا جائے اور ان کے خلاف انتقامی کارروائی کی جائے۔

۵ – دراصل اسلام نے ایک منصفانہ سیاسی نظام شورائی خلافت دیا ہے تاکہ ہر طبقے کے ساتھ انصاف ہو سکے اور ہر ایک کو اس کا حق ملتا رہے، لوگوں کی گردنیں جبر سے آزاد ہوں اور ان کی زبانیں حق کہنے کے لئے تیار ہوں، اگر دنیا کے سامنے شورائی خلافت کا سیاسی نظام اپنے پورے خدوخال کے ساتھ رکھا جائے اور آج کی دنیا اس کو قبول کر لے تو وہ سارے محرکات جو دہشت گردی کا سبب بنتے ہیں ختم ہو جائیں گے۔

٦ – جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت انسان کی فطرت ہے، اگر مقدرت ہو تو واجب ہے، اور اگر طاقت وقوت نہ ہو تو مباح ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے قانون کی حکمرانی کو باقی رکھتے ہوئے اپنی مدافعت کا حق استعمال کیا جائے، یعنی ہر فرد اور گروہ کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ از خود سزا دے بلکہ سزا دینا اور جرم کی حیثیت کا تعین کرنا قانونی اداروں کا کام ہے، اگر ہر شخص کو یا ہر جماعت کو یہ کھلی ہوئی چھوٹ دے دی جائے کہ مجرم کو سزا دیں تو قانون کی حکمرانی ختم ہو جائے گی اور انارکی پھیل جائے گی، حاصل یہ ہے کہ اپنا بچاؤ تو ضرور کیا جائے مگر بچاؤ کے نام پر قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا جائے۔

دہشت گردی اور ظلم میں یکسانیت

مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)

۱- ایک منظّم اور عدل وانصاف پر مبنی حکومت جو اس ملک کے رہنے والوں کی جان و مال کی حفاظت کرتی ہے اس کے مقابلہ پر جنگ و جدل، لوٹ مار حکومتی سطح پر دہشت گردی ہے، ایسے ہی حکومت کی جانب سے رعایا کی حق تلفی، ظلم و ستم، قتل و غارتگری دہشت گردی ہے، یا بلا جواز شرعی اپنے ذاتی اغراض کے لئے لوگوں کا قتل، لوٹ مار بھی دہشت گردی ہے، اگر کسی ملک کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو دونوں ملکوں کو آپس میں بیٹھ کر اس کو حل کرنا چاہئے، اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی ثالث کے ذریعہ معاملہ طے کرنا چاہئے، ایک دوسرے کے خلاف محض طاقت کی بنا پر جنگ وجدل اور اللہ کے بندوں کا قتل خصوصاً عورتوں اور بچوں کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ یا خلفاء کی دیگر ملکوں سے اکثر جنگیں اقدامی نہیں ہیں بلکہ دفاعی ہیں، اور دفاع کا نام دہشت گردی نہیں ہے۔ اگر کسی حکومت نے پبلک سے یا کسی ملک سے کوئی معاہدہ کیا اور حکومت اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر اس معاہدے کے مطابق اس کا حق نہ دے تو اس کے لینے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔

۲- حکومت کے فرائض منصبی میں یہ ہے کہ اس ملک کے جو باشندے ہیں ان سب کے ساتھ خواہ نسلی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، لسانی اختلاف ہو ایک سا سلوک کرے، جو حکومتیں اپنی رعایا کی جان و مال کی حفاظت میں دانستہ فرق کرتی ہیں یا کوتاہی کرتی ہیں یا سیاسی اور معاشی وغیرہ

چیزوں میں عملاً یا قانوناً ناانصافی کرتی ہیں اور وہاں کی انتظامیہ کھلم کھلا قاتلوں اور ظالموں کا ساتھ دیتی ہے اور حکومت تماشائی نہیں بلکہ در پردہ ان کی حمایت کرتی ہے تو ایسی حکومت بھی دہشت گرد ہے، اور پبلک کی دہشت گردی کے مقابلہ میں بڑی دہشت گرد ہے۔

۳- اس سلسلہ میں وہ حدیث پاک جس میں ہے: "**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده اى بطاقته أو بلسانه أو بقلبه وذلك أضعف الإيمان**" (مسلم، ترمذی ۲۱۸/۲)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقابلہ کی پوری طاقت ہوتو اس برائی کو طاقت سے مٹائے، اور اگر وہ قوت حاصل نہیں ہے تو پھر احتجاج قولی، فعلی، تقریری، تحریری کرے، اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل سے برا سمجھے، نیز کسی مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہرگز دہشت گردی نہیں ہے، جیسے کہ ایک حدیث پاک میں ہے: "**من قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد**" (ترمذی ۲۶۱/۱، نسائی ۱۵۵/۲)۔

۴- بدلہ انہیں لوگوں سے لیا جائے جو کسی نہ کسی نوع ظلم میں شریک ہوں، اور جو بے قصور ہوں اور اس ظلم میں شامل نہ ہوں بلکہ ظلم کو روکتے ہوں تو ان پر ظلم کرنا اور ان سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ اپنی سماجی یا سیاسی طاقت سے روک سکتے ہوں اور نہ روکیں تو وہ بھی اس ظلم میں شامل ہیں۔

۵- اولاً تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام کسی سطح پر چاہے سیاسی ناانصافی ہو یا سماجی، جس طرح مسلمان کے لئے جائز نہیں رکھتا ایسے ہی غیر مسلم کے لئے جائز نہیں رکھتا، اسی ناانصافی میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی گروہ اپنی طاقت اور قوت کے ذریعہ حکومت یا معاشیات و دیگر مسائل پر تسلط وتغلب حاصل کرے تو اسلام اس کی بھی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع شرعاً

واجب ہے، پہلے تو دفاع دیگر ذرائع سے کیا جائے لیکن اگر قتل وقتال کی حد تک بات پہنچے تو اس سے بھی گریز کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی زمین پر کوئی شخص ناجائز قبضہ کرنا چاہتا تھا اور آپ کو یہ خیال تھا شاید قتل وقتال کی نوبت آ جائے تو جنگ کی تیاری کے ساتھ آپ باہر آئے، ایک شخص نے کہا کہ وہ مسلمان ہے آپ کیسے جنگ کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے: اگر اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کے لئے جنگ کی جائے تو درست ہے، اور اس میں مارے جاؤ گے تو شہادت کا ثواب ملے گا، اور یہ حدیث "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده" بھی اس کی دلیل ہے، کیونکہ کسی کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ کرنا حرام ہے، اور یہاں اس کے دفاع کے لئے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اور کوئی دلیل وجوب سے پھیرنے والی نہ ہو تو امر وجوب کے لئے آتا ہے جیسے کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

اسلامی نقطہ نظر اور دہشت گردی

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی (میسور)

۱-　**ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت أیدی الناس** (سورۂ روم:۴۱) لوگوں کے دین فطرت پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے ظلم وتشدد کا بازار بحر وبر میں گرم ہو چکا ہے، زمین میں قتل وغارتگری اور سمندروں میں لوٹ مار اور لڑائیوں کا طوفان شروع ہو گیا ہے، بر وبحر لوٹ مار، حرام کاری، شراب نوشی اور عزت ریزی میں عام ہو گئی جو نتیجہ ہے راہ راست سے الگ ہونے کا، اور یہی اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی ہے۔

ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه وهو ألد الخصام وإذا تولی سعی فی الأرض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لایحب الفساد (سورۂ بقرہ:۲۰۵)۔

(اور بعض لوگ وہ ہیں جن کی بات دنیا کی زندگانی میں آپ کو پسند آتی ہے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ کرتا ہے اور وہ سخت ترین جھگڑالو ہے اور جب آپ سے پیٹھ پھیرتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے کہ وہ فساد مچائے اور کھیتی ومویشی ہلاک کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)۔

اسی قسم کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا کہ اجتماعی سکون وطمانینت کا اعتدال غائب کر دینا ہی فتنہ وفساد اور دہشت گردی ہے، اسی طرح ظلم وزبردستی کرنا، گھر بار لوٹنا، مذہبی حقوق میں

تشدد برتنا اور زندگانی برباد کر کے شہر بدر کر دینا بھی دہشت گردی ہے۔

۲۔ جی ہاں ایسی غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ اختیار کرنے والی حکومتوں پر دہشت گردی کا اطلاق ہوتا ہے۔

۳۔ اگر کسی طبقہ پر ناانصافی ہو تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب ہے، مظلوم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے۔

۴۔ بے قصور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵۔ "**وما يتبع أكثرهم إلا ظناً إن الظن لا يغني من الحق شيئاً إن الله خبير بما يفعلون**" (سورۂ یونس:۳۶)، اس آیت کی روشنی میں اکثر محض اٹکل پر چلنے والے ہیں مگر اٹکل حق کے سوا کسی اور پر کام نہیں کرتا اللہ ہر کام پر قادر ہے ان کی دہشت گردی کے اسباب کی گرہ کھول دیتا ہے اور حق کی وضاحت کر دیتا ہے۔

۶۔ کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت پر حملہ ہو تو حتی المقدور اس کی مدافعت واجب ہے۔

اسلام امن وآشتی کا مذہب

مولانا زبیر احمد قاسمی
اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی

بلاشبہ اسلام امن وآشتی اور صلح وسلامتی کا مذہب ہے، اور اس کا منشور ہی امن عالم اور ایک صالح نظام کی دعوت ہے۔ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔

دہشت گردی درحقیقت صرف ان جارحانہ اقدام کو کہا جاسکتا ہے جو کسی امن پسند قولاً یا عملاً معاہد فرد وافراد، قوم وجماعت اور ملک کے خلاف ہو۔ محض ظلم وعدوان، ناحق فتنہ وفساد برپا کر کے ایک صلح پسند معاشرہ وسماج میں خوف وہراس کی نفسیات اور بے چینی وبے اطمینانی کی کیفیت پیدا کردے اور معاہد افراد وگروہ یا ملک کی جان ومال عزت وآبرو کو خطرہ کی زد میں لے آئے، ایسا جارحانہ اقدام یقیناً عقل ومنطق کے خلاف ہونے کے ساتھ اصول اسلام اور ضابطہ شریعت سے متصادم ہے۔

بایں ہمہ اگر کوئی غلط طور پر اسلام کا سرا دہشت گردی سے جوڑتا ہے تو وہ دراصل اجتماع ضدین کی ایک ناممکن اور عبث ولا حاصل کوشش کرتا ہے۔ اور یہ مذبوحی حرکت مسلمانوں کے ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں۔ یہ کوئی آج کی بدعت نہیں اسلام مخالف گروہ کی طرف سے ہمیشہ ہی ایسا ہوتا آیا ہے۔

جب اللہ سبحانہ وتعالی کو باپ بنا کے چھوڑا گیا، اور رسول اللہ ﷺ جیسی انمول اور

بے داغ شخصیت کو کاہن و ساحر کہنے سے باز نہیں رہا گیا تو آج ان ہی کے لائے ہوئے دین اسلام کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور باور کرانے کی ناپاک کوشش پر حیرت و استعجاب ہی کیوں؟

ہاں حیرت بلکہ افسوس کے قابل خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل ہوسکتا ہے کہ بر خود غلط قسم کے دشمنان اسلام کے پروپگنڈوں اور متعصبانہ طعنوں سے ڈر کر احساس کمتری کا شکار ہو کر مداہنت کی روش اختیار کی جائے۔

بہر حال دہشت گردی کا جو مفہوم ہم نے سمجھا ہے اور جسے میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی باغی و طاغی، جارح، وحشی اور سفاک و عیار ظالم کے خلاف دفاعی اقدام جس طور اور جس انداز سے ہوا سے دہشت گردی ہرگز نہیں کہا جاسکتا بلکہ اپنی عزت و آبرو، اپنی جان و مال، اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے دفاعی کوشش ہی کا نام دیا جاسکتا ہے جو ہر باغیرت باحمیت انسان، گروہ اور ملک کا ایک فطری حق ہے، ایسی تمام کوششوں کی یقیناً حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير، وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل (سورۂ بقرہ/۲۱۷)۔حضرت تھانویؒ کے بیان و تشریح کے مطابق جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بطور خطاء اجتہادی شہر حرام میں قتل و قتال ہوگیا اور کفار نے طعنہ آمیز اعتراض کیا تو اولاً تحقیقی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان مہینوں میں خاص طور پر عمداً قتال ممنوع و جرم ہے نہ کہ خطاً۔ اس کے بعد الزامی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کفار و مشرکین کو کسی طرح منھ ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں کے ایک خطاء اجتہادی والے فعل پر اعتراض کرے، کیونکہ خود کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی دین سے لوگوں کو روکنا، اللہ کے ساتھ اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد

حرام کے اہل رسول اللہ اور مومنوں کو تنگ و پریشان کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کرنا، یہ تو شہر حرام میں قتال سے بڑھ کر جرم ہے، کیونکہ مسلمانوں کے فعل سے دین حق کا کوئی نقصان نہیں، قصداً قتال ہوتا تو صرف ایک گناہ ہوتا، لیکن کفار کی ان حرکتوں سے تو دین حق کی ترقی رکی، دینداروں کے حق گویا حق العباد کا اتلاف ہوا، پھر اعتراض علی فعل المسلمین کا ان کو کیسے حق ہوسکتا ہے۔

دوسری آیت: "**ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فإن قاتلوكم فاقتلوهم**" (سورۂ بقرہ/۱۹۱) آخری جملہ کا ترجمہ حضرت تھانویؒ نے کیا ہے: اگر کفار خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم کو اجازت ہے کہ تم بھی ان کو مارو دھاڑو۔ اور حاشیہ نمبر ۵ میں فرماتے ہیں: **حملاً على المجاز لضرورة الاجماع على عدم توقف جواز قتالهم على عين القتال منهم۔**

بہر حال میرا خیال ہے کہ ان دونوں آیتوں کی مذکورہ بالا تشریح و تفصیل کی روشنی میں ہم لوگوں پر حق ہے کہ افغانی اور فلسطینی مسلمانوں کے اپنے اپنے حالات و امکانات کے تحت کئے جانے والے ہر اقدام کی تصویب اور پرزور تائید کریں۔ افغانستان میں اسلام دشمنوں نے ایک نوخیز اسلامی حکومت کی بیخ کنی کر کے صدعن سبیل کا مظاہرہ کیا ہے، اور فلسطین میں "**إخراج أهله من المسجد الحرام**" کی جگہ "**إخراج أهله من المسجد الأقصى**" جیسی ظالمانہ حرکت کی جارہی ہے۔

امن عالم اور اسلام

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی
بارڈولی گجرات

۱- دہشت گردی کی متفقہ اور مسلمہ تعریف اب تک متعین نہیں کی جاسکی ہے، تاہم یہ اصطلاح عالمی سطح پر استعمال کی جارہی ہے، حکومتیں اپنے سیاسی مخالفین کے تشدد اور غم وغصہ کے اظہار کو دہشت گردی قرار دیتی ہیں، اور ان کے سیاسی مخالفین حکومت کی سخت یا فوجی کارروائیوں کو سرکاری دہشت گردی کا نام دیتے ہیں۔

دہشت گردی مجرمانہ تشدد اور خوف وہراس اور لوٹ مار کرنے کو کہا جاتا ہے، اور اسلامی نقطہ نظر سے بھی دہشت گردی یہ ہے کہ بے قصور لوگوں کو ظلم وستم کا شکار بنایا جائے۔

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتی، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ناانصافی برتی جاتی ہے اور کبھی تو ان کے جان ومال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو تو ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا ظلم اور دہشت گردی ہی ہے، اس کو بھی دہشت گردی ہی کہا جائے گا۔

۳- اگر کسی گروہ اور طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جائے تو اس پر ردعمل اور احتجاج شریعت کی حدود میں رہ کر جائز ہے، اور مظلوموں کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی

نہیں، کیونکہ دراصل دہشت گردی ناانصافی، اعتدال اور توازن سے انحراف کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

۴ – مظلوموں کو ظالموں کے اس گروہ سے بدلہ لینا جائز نہیں جو ظلم نہیں کرتے، جیسے عورتیں، بچے، عبادت میں بیٹھے رہنے والے لوگ وغیرہ۔

۵ – جہاں دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی خواہش، تو اسلام ان حالات میں یہ ہدایت دیتا ہے کہ اس ناانصافی کو دور کرنے کی کوشش کروائی جائے، اور اسلام کا انصاف پسندانہ نظام لوگوں کے سامنے لایا جائے اور مسلمان ان حالات میں اپنے حقوق کو منواتے رہیں۔

٦ – اگر کسی گروہ کی جان، مال عزت وآبرو پر حملہ کیا جاوے تو حتی المقدور دفاع واجب ہوگا، اور شرط یہ ہوگی کہ ظلم وزیادتی نہ ہو۔

دہشت گردی-اسلامی موقف

ڈاکٹر سید یوسف قاسم، قاہرہ
ترجمہ: صفدر زبیر ندوی

۱- حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے والی بات ناکام ہو چکی ہے، اور اسلام پوری طرح اس سے بری ہے۔

۲- ہاں غیر منصف حکومتیں اپنے ظالمانہ اور غیر عادلانہ موقف رکھنے ہی کی وجہ سے اس قسم کی دہشت گردی کی ذمہ دار ہیں۔

۳- احتجاج کرنا جائز ہے، اور کبھی واجب بھی ہوتا ہے، لیکن ردعمل کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے مگر اس وقت جبکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔

۴- اللہ تعالی فرماتا ہے: ''ولا تزر وازرۃ وزر أخری''، لہذا معصوم افراد سے بدلہ لینا مطلقاً درست نہیں ہے۔

۵- مظلوم افراد سے ظلم کو روکا جائے گا، اور ہر حق والے کو اس کا حق دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالی کا حکم ہے۔

۶- خطرہ کو دور کرنے کے لئے اس کے پیش آنے سے پہلے اور مستقل جاری ظلم کو روکنے کے لئے دفاع کرنا مشروع ہے، لیکن اگر ظلم بالفعل ہو رہا ہو تو جس پر ظلم ہو رہا ہے اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حق کے حصول کے لئے عدالت کا سہارا لے۔

پوری قوت کے ساتھ اپنے نفس سے دفاع کرنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجب ہے، اورعزت کی طرف سے دفاع کرنا بالاتفاق واجب ہے، اور مال کی طرف سے دفاع کرنا مباح ہے، لیکن اگر دفاع چھوڑ دینے پر ہلاکت یا شدید تکلیف پہنچ رہی ہوتو اس وقت دفاع کرنا واجب ہوگا۔ اورحق دفاع کی حد یہ ہے کہ تکلیف کواس کے پیش آنے سے پہلے دور کیا جائے، یا مستقل جاری رہنے کی صورت میں اسے روکا جائے۔ اگر ضرر بالفعل پیش آجائے تو عدالت کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگا۔

دہشت گردی کی حقیقت اسلام کی نظر میں

مولانا محمد قاسم مظفر پوری
مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ

۱،۲- اسلام وایمان کا مادہ ہی صلح وامن ہے، یہاں کسی کی جان ومال، عزت وآبرو کو برباد کرنا یا اس کو خوفزدہ کرنا جائز ہی نہیں ہے، دہشت گردی کی حقیقت اور اس کے اجزاء ترکیبی میں میرے خیال میں چند چیزیں شامل ہیں:

الف-کسی کی جان کو ناحق خطرہ میں ڈالنا، یا ہلاک کرنا۔

ب- مالوں کو لوٹنا، چھیننا، برباد کرنا۔

ج-عزت وآبرو پر حملہ کرنا۔

د-کسی کے مذہبی شعائر کو منہدم کرنا۔

ھ-یا مذہبی اعمال پر پابندی لگانا، اس سے روکنا، اور ان چیزوں کے لئے جملہ وسائل استعمال کرنا۔

و- آئینی حق کو سلب کرنے کی راہیں نکالنا۔

یہ سبھی اجتماعی اور انفرادی حیثیت سے دہشت گردی میں داخل ہیں، اسی طرح کسی طبقہ کی حق تلفی اور اس کا استحصال، یا اس کی ملکیت سے اس کی بے دخلی، اس کے املاک پر غاصبانہ استیلاء، یہ سب دہشت کے مفہوم کلی کے جزئی افراد ہیں۔

"**انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فی الأرض فساداً**"
(مائدہ:۳۳)۔فساد فی الارض کی سعی جس سے انسانیت لرز اٹھے اور بجائے امن وآشتی کے ماحول کے بغض وایذاءرسانی کے رویے اپنائے جائیں اور ہر انصاف پسند اس طرح کے اقدامات کو برا سمجھے، اس آیت کے خلاف اور دہشت گردی میں شامل ہے، خطبہ کی آیت میں "**ینھی عن الفحشاء والمنکر**" کے بعد "**البغی**" کا جو لفظ ہے وہ بھی دہشت گردی کی فی الجملہ تعبیر ہے، اس آیت کے مفہوم میں سرکشی، تعدی، یعنی اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر دوسرے کو مغلوب کرنے اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی بھی داخل ہے، نیز خلاف عدل اقدامات بھی دہشت گردی میں شامل ہیں۔

یہ آیت تو دہشت گردی کے تمام پہلوؤں کو بتاتی ہے، جو "**ینھی**" کے ذیل میں ہے، اور دنیا سے دہشت گردی، ظلم وتعدی، خوف وہراس کی فضا کو ختم کرنے کا نظام بتاتی ہے، پس ظلم وتعدی، حق تلفی، جان، مال اور عزت وآبرو کی بربادی، خواہ فرد کرے یا جماعت یا حکومت، یہ سبھی دہشت گردی کے مفہوم میں داخل ہے۔

۳- ناانصافی اور ظلم کے خلاف پرامن احتجاج اور اظہار حق نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ یہ واجب ہے، اور ظلم کے خلاف اٹھنا بشرطیکہ ظلم کی سیڑھی سے نہ ہو تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، اللہ تعالی نے دو مقام پر یہ حق دیتے ہوئے فرمایا:"**فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم**" (سورۂ بقرہ:۱۹۴)، اور دوسری جگہ "**فإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به**" (سورۂ نمل:۱۲۶) یعنی بدلہ لینا ضروری نہیں، لیکن اگر بدلہ لے تو اتنا ہی بدلہ لے جتنا کسی کے ساتھ کیا گیا، جرم وسزا میں تساوی ہو، ایسا نہ ہو کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے، کیونکہ حدود سے تجاوز اور ممنوعات ومنہیات کا پہلو اختیار کرنا اسلام میں جائز نہیں۔ یہ معاملہ چونکہ انتہائی نازک ہے، اس

لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے: ''**ولئن صبرتم لهو خير للصابرين**''(سورۂ نحل:۱۲۶)۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں کچھ افراد شریک ہوں، تو مظلوم طبقہ کو ظلم کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی طرف جانا چاہئے، ظالم یا اس کے گروہ سے انتقام لینے کا حق اسلام میں کسی مظلوم کو نہیں دیا گیا ہے، مجرموں کو ان کے جرائم کی سزا خود مظلوم افراد دینا شروع کردیں تو پورے ملک میں لاقانونیت ہوگی، جرائم کی سزا کے لئے حاکم اور حکمراں طبقہ مقرر کیا گیا ہے، یہ اب اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مجرموں کو سزا دے، عام حالات میں اسلام کا متفقہ اصول یہی ہے، اگر ہر مظلوم یا اس کا گروہ ظالم سے یا اس کے گروہ سے بدلہ لینا شروع کردیں تو قانون حکومت بے معنی ہوجائے اور انتشاری کیفیت عام ہوجائے گی، کبھی اصل مجرم چھوٹ جائے گا، غیر مجرم زد میں آجائے گا، مجرم کی شناخت اور اس کے ظلم کی تعیین وغیرہ عمل کا تعلق قانونی ذمہ داری اور حکومت سے ہے۔ پس ظالم سے یا اس کے گروہ سے مظلوم کا یا اس کے گروہ کا بدلہ لینا ملکی اور شرعی دونوں ہی قانون سزا کے خلاف ہے۔

۵- دہشت گردی کے جو بھی اسباب وعوامل ہوں ان کے لئے مختلف الجہات کوششوں کی ضرورت ہے:

الف- پہلی کوشش تو یہ ہو کہ قانونی طور پر اس کے دفاع کے لئے جو گنجائش ہو اسے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے دفع کیا جائے۔

ب- قانون کی بالادستی ہر ملک کے لئے سلامتی کی بنیاد ہے۔

ج- ظلم وناانصافی کو واضح کرنے کے لئے مثبت دلائل کے ساتھ کلیدی عہدہ داروں سے لے کر دیگر ماتحت ذمہ داروں تک ظلم وناانصافی کی شکایت تحریری طور پر مختلف زبانوں میں پہنچایا جائے۔

د-اخبارات وجرائداورذرائع ابلاغ کوانٹرویودیئے جائیں،اورانصاف پسندگروہوں کی تائیدبھی حاصل کی جائے۔

٦- جان ومال،عزت وآبروکی حفاظت شرعی اورقانونی حق ہے، یہاں دفاع فرض ہے، اس راہ میں اگرجان گئی تووہ شہیدہوگا، نبی علیہ السلام کافرمان ہے:"**من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد**"،البتہ جان ومال کےدفاع کے لئے ظالموں کے خلاف قانون کی راہ کوہی اپنایاجائے۔

دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، عمرآباد

۱ - اسلام کی لغت میں دہشت گردی ایک اجنبی لفظ ہے، اسلام امن وسکون اور شانتی وسلامتی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا میں امن وسکون قائم کرنا ہی اس کا مقصد اور مشن ہے، جو لوگ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے لوگوں کے سلسلے میں اسلام کہتا ہے: ''**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض**'' (سورۂ مائدہ: ۳۳)، اس سے معلوم ہوا کہ دہشت گردی کا تصور تک اسلام میں نہیں ہے۔ تاہم اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اگر کی جائے تو وہ یہ ہوسکتی ہے: ظلم وتشدد اور فتنہ وفساد برپا کرنا، بے گناہ انسانوں کو ہراساں اور پریشان کرنا اور ایسی فضا پیدا کرنا کہ لوگوں کے حقوق ہڑپ کردیئے جانے اور ان پر ظلم کئے جانے کے باوجود وہ اپنے حقوق مانگنے سے ڈرنے لگیں یہ دہشت گردی ہے۔

۲ - اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک کرنا حکومت کا فرض ہے۔ بعض طبقات کے ساتھ حکومت کا سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھنا اور کبھی جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی کرنا یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرنا کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو تو حکومت کے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویے پر بھی دہشت گردی کا

اطلاق ہوگا، کیونکہ ایسی چیرہ دستی جو کسی کی جان و مال اور عزت وآبرو پر دست درازی کرے وہ دہشت گردی ہی ہے، اگر چہ کہ وہ حکومتوں کی جانب ہی سے کیوں نہ کی جائے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقے کے ساتھ نا انصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار حتی المقدور واجب ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: "**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده وإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان**" (ترمذی ۲۱۸)۔ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا یہ اس کا فطری حق ہے، کیونکہ فطرت ظلم نہیں، انصاف چاہتی ہے، اس سے دہشت گردی کا کوئی تعلق نہیں ہے: "**ولمن انتصر بعد ظلمه فأولئک ما عليهم من سبيل إنما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون فی الأرض بغير الحق أولئک لهم عذاب أليم**" (الشوری: ۴۱)۔

۴- اگر ایک طبقے کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقے کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے صرف انہیں لوگوں سے برابر کا بدلہ لینا جائز ہے جنہوں نے ظلم روا رکھا ہے، اس سے تجاوز کیا گیا تو مظلوم ظالم کی صف میں آجائے گا: "**وقاتلوا فی سبيل الله الذين يقاتلونکم ولا تعتدوا**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰)، "**فمن اعتدى عليکم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليکم واتقوا الله**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴)۔ بے قصوروں سے بدلہ لینے کی یہ شکل جاہلیت میں تھی جسے "ثأر" کہا جاتا تھا، یعنی ایک آدمی اگر قتل کیا جائے تو قاتل کے قبیلے کے کسی بھی فرد سے مقتول کے قبیلے کا کوئی بھی فرد اس کا بدلہ لے سکتا تھا، اور اس میں اکثر و بیشتر بے گناہ ہی مارے جاتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی۔

۵- جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام نے بہت سی ہدایات دی ہیں، ان میں سے ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کیا جائے۔ جیسے معرکہ بدر تک مسلمانوں کو ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی: "**أذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا......**" (سورۂ حج/۳۹)۔

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس پر مدافعت واجب ہے (النساء: ۵۷)، ایسا آدمی اپنے مال وجان اور دین وخاندان کی حفاظت میں مارا جائے تو اس کا شمار شہیدوں میں ہوگا، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: "**من قتل دون ماله فهو شهید و من قتل دون دمه فهو شهید ومن قتل دون دینه فهو شهید ومن قتل دون أهله فهو شهید**" (ابوداؤد)۔

جہاں تک حق مدافعت کے حدود کا تعلق ہے، ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ مظلوم اس بات کی کوشش کرے کہ اس کی طرف سے زیادتی نہ ہو، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "**فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم......**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴)، نیز "**وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا......**" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰)، نیز "**فإن اعتزلوکم فلم یقاتلوکم......**" (سورۂ نساء: ۹۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام مظلوم کو جارحیت کی اجازت نہیں دیتا، اس کو اس بات کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ خود محتسب بن کر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ جیسے چاہے لے لے۔ انتقام لینے کے لئے عدالتی چارہ جوئی کرنی ہوگی اور عدالت اس کو اس پر ہونے والے ظلم کے مطابق بدلہ دلائے گی، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت اسلام میں ہے ہی نہیں۔ یہ رویہ صرف مسلم ممالک ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان غیر مسلم ممالک میں بھی یہی رویہ اختیار کیا جائے گا جن میں قانون کی حکمرانی ہے۔

دہشت گردی - اسلامی نقطہ نظر

مفتی حمید اللہ جان
جامعہ اشرفیہ، لاہور

۱- اسلام میں اعلاء کلمۃ اللہ اور مظلوم، کمزور وضعیف مسلمانوں کی رہائی اور آزادی کے لئے لڑنا جہاد ہے۔ نیز مال، جان، عزت کے تحفظ کے لئے لڑنا بھی جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ومالکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء و الولدان الذین الخ "(سورۂ نساء:۷۵)۔

علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فیه ثلاث مسائل:"الأولی–قوله تعالی:(ومالکم لا تقاتلون فی سبیل الله)حض علی الجهاد، وهو یتضمن تخلیص المستضعفین من أیدی الکفرة المشرکین الذین یسومونهم سوء العذاب، و یفتنونهم عن الدین، فأوجب تعالی الجهاد لإعلاء کلمته وإظهار دینه واستنقاذ المؤمنین الضعفاء من عباده، وإن کان فی ذلک تلف النفوس، وتخلیص الأساری واجب علی جماعة المسلمین إما بالقتال وإما بالأموال، وذلک أوجب لکونها دون النفوس إذ هی أهون منها"(الجامع لاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر القرطبی ۲۷۹/۳، پارہ ۵)۔

(اس میں تین مسائل ہیں: اول: اللہ تعالی کا قول:''**وما لكم لا تقاتلون فى سبيل الله**'' جہاد پر ابھارنا ہے، اوراس میں ان کافر مشرکوں کے قبضہ سے کمزوروں کو آزاد کرانا بھی شامل ہے، جو ان کو بدترین عذاب دیتے ہیں، اور دین کے تعلق سے انہیں فتنہ وآزمائش میں ڈالتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے کلمہ کو بلند کرنے، دین کو غالب کرنے اور اپنے کمزور مومن بندوں کو بچانے کے لئے جہاد کو واجب قرار دیا، اگر چہ ایسا کرنے میں جان کا ضیاع ہی کیوں نہ ہو، اور قیدیوں کو چھڑانا جماعت مسلمین پر واجب ہے خواہ قتال کر کے ہو یا مال کے ذریعہ ہو، اور یہ زیادہ واجب ہے کیونکہ اس میں جان کی بہ نسبت کم درجہ کا نقصان ہے)۔

فرمان نبوی ہے:''**من قاتل دون ماله فقتل فهو شهيد ومن قاتل دون دمه فهو شهيد ومن قاتل دون أهله فهو شهيد**''(نسائی ۲/ ۱۷۲)۔

جبکہ دہشت گردی میں مندرجہ بالا اشیاء ملحوظ خاطر نہیں ہوتیں، بلکہ دہشت گردی میں اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں کا حق چھیننا اور اپنی بدمعاشیوں، عیاشیوں اور تکبر کی وجہ سے دوسرے کے حقوق اور مال اور آرام وراحت پر ڈاکہ ڈالنا مقصود ہوتا ہے۔

۲- حکومتوں کا بعض طبقات کے ساتھ ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ رکھنا حکومتی دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو وہ اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار کرسکتا ہے، اس لئے کہ مظلوم کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں بلکہ یہ دفاع کے تحت آتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**''(سورۂ نساء:۱۴۸)۔

اگر ان مظلوموں کو ناجائز امور پر مجبور کیا جاتا ہو تو احتجاج اور ردِ عمل کا اظہار کرنا واجب ہے "**لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" کی وجہ سے، ورنہ جائز ہے۔

۴- مظلوم صرف ظالموں سے بدلہ لے سکتا ہے، ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے شرعاً بدلہ نہیں لے سکتا جو بے قصور ہیں، اور جو نہ خود اس ظلم میں شامل ہوئے ہوں، اور نہ ان کا اس ظلم میں کسی طور پر عمل دخل ہو، لیکن اگر انہوں نے خود ظلم نہیں کیا، لیکن ظلم میں ان کا تعاون یا مشورہ بھی شامل ہے، چاہے وہ کسی مرتبہ میں کیوں نہ ہو، ان سے بھی بدلہ لے سکتا ہے۔

۵- مذکورہ فی السوال صورت میں دہشت گردی کے دونوں اسباب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی صورت میں ان لوگوں کی معاشی یا سیاسی ناانصافیوں کو دور کرنا چاہئے، بشرطیکہ وہ حقیقت میں بھی ناانصافی ہو، ان کا اپنا مفروضہ نہ ہو۔

دوسری صورت میں اگر ان کی یہ خواہش اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو تو پھر ان کو دہشت گردی کہنا صحیح نہیں بلکہ جہاد ہے، لیکن اگر ان کی یہ خواہش اسلام کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو اسلام پہلے اس کو راہ راست کی طرف لانے کی دعوت کا حکم کرتا ہے، اور اگر وہ دعوت قبول نہ کرے اور آمادہ نہ ہو تو پھر اس کے پہلے تدبیر سے ان کے اس پروگرام کو ختم کرنا چاہئے، اگر تدبیر سے نہ ہو سکے تو پھر طاقت کے استعمال سے ان کو روکا جائے۔

٦- اپنی جان کے تحفظ کے لئے دفاع کرنا واجب ہے، اور عزت و مال کا دفاع کرنا جائز ہے۔

امن عالم اور اسلام

قاضی محمد ہارون مینگل
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

۱۔ دہشت گردی کی تعریف اسلامی نقطہ نظر سے ہو یا انسانی نقطہ نظر سے اس کے معنی یکساں ہیں کہ دہشت گرد بلا امتیاز مذہب، رنگ و نسل ملک میں فساد کر کے ہر کس و ہر فرد کو قتل کر کے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں یہ امتیاز نہیں کرتا کہ قصور کس کا ہے اور سزا کس کو مل رہی ہے، وہ جنونی حالت میں ہوتا ہے اور صرف خون کی ہولی کھیلنا چاہتا ہے، اسے نہ کسی کی جان کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ کسی کے مال کی، وہ لوگوں کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر مزے لیتا ہے۔

اس کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں، کبھی معاشی ناہمواری انسان کو دہشت گرد بنادیتی ہے، کبھی طاقت اور خود ساختہ تفوق و برتری انسان کو دہشت گردی پر اکساتا ہے، تو کہیں اپنے عقائد و ادیان اور افکار و نظریات کو دوسروں پر بزور مسلط کرنے کا جنون اس کا باعث بنتا ہے، اسلام نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا ایک مکمل اور ہر لحاظ سے جامع نظام صرف اسی لئے وضع کیا ہے تاکہ انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر ان حقوق و فرائض کی بجا آوری میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو، چہ جائے کہ وہ دہشت گرد ہو۔

۲۔ اس حکومتی رویہ کو دہشت گردی میں شمار کرنا مشکل ہے، البتہ اسے آپ حکومتی فرائض

میں کوتاہی کہہ سکتے ہیں مگر دہشت گرد کوئی اور چیز ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل سوال نمبر ۱ کے جواب میں آ گئی۔

۳- نا انصافی کے خلاف احتجاج کرنا اس طبقہ کا حق ہے، وہ اگر اپنا حق استعمال کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے سے کوئی منع نہیں کرسکتا بلکہ اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسے ہم جائز کہہ سکتے ہیں واجب نہیں۔ باقی رہا یہ کہ مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتو کیا یہ دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے اس کا جواب نفی میں ہے، یہ اس وقت تک دہشت گردی نہیں جب تک مظلوم تعدی وتجاوز نہ کرے۔

۴- اسلام میں اس کی گنجائش نہیں، قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولمن صبرتم لهو خير للصابرين" (النحل/۱۲۶)، ہاں اگر امتیاز مشکل ہوتو کچھ نہیں کہا جاسکتا، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی اور۔

۵- اسلامی ہدایات بہت واضح ہیں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام طبقات کے ساتھ یکساں سلوک کرے، ہر ایک فرد کے حقوق کی ادائیگی حکومت کی ذمہ داری ہے، حضرت عمرؓ کا طرز حکومت ہمارے لئے مشعل راہ ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ راتوں کو گشت کر کے لوگوں کا حال معلوم کر کے محروم طبقات کو ان کے حقوق ان کے دروازوں پر پہنچادیئے، بلکہ یہاں تک بھی انہوں نے فرمایا کہ اگر فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھوک سے مر جائے تو قیامت کے دن عمر سے پوچھا جائے گا۔

ظاہر ہے حکومت جب اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتی، طبقاتی فرق روا رکھا جاتا ہے تو اس کا ردعمل دہشت گردی کی صورت میں سامنے آجاتا ہے، اس لئے اس کا حل اسلامی ہدایات

واحکامات پرعمل کرنے میں مضمر ہے، جس سے غیر مسلم بجائے خود مسلم حکومتیں بھی کتراتی ہیں، ان ناانصافیوں اور دہشت گردیوں کا حل یہ ہے کہ ناانصافی ختم کی جائے، ہر ایک حقدار کو اس کا حق دیا جائے، طبقاتی تفوق اور فرق کو مٹایا جائے، نسلی اور مذہبی فرق کو حقوق کے مابین حائل نہ ہونے دیا جائے، تب امن وامان ہوگا، لوگ چین وآرام سے رہیں گے، اخوت ومحبت پیدا ہوگی، قتل وغارت گری بند ہوجائے گی، لوگوں کی عزت نفس بحال ہوگی، مال وناموس محفوظ ہوں گے، تمام خدشات ختم ہوں گے، ورنہ ہر انسان اپنے حق کے لئے لڑے گا اور اسے یہ حق حاصل رہے گا، پھر یہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

۶- شرعاً حق مدافعت مباح ہے، اگر کوئی شخص کسی کی جان لینا چاہتا ہے تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے، اور اگر صبر کرتا ہے اور حضرت ہابیل کی سنت پرعمل کرتا ہے یا حضرت عثمان غنی کی سنت کو اپنا کر شہید ہونا چاہتا ہے تو یہ عزیمت ہے اور وہ رخصت ہے جسے چاہے اختیار کرے، اگر رخصت کو اختیار کر کے دفاع کرتا ہے اور دفاع میں حملہ آور کی جان چلی جاتی ہے تو دافع گناہگار نہ ہوگا، بشرطیکہ دفاع کوئی اور طریقہ سے اس سے آسان نہ ہو، اسی طرح کسی کی عزت اور آبرو پر حملہ ہو تو اسے دفاع کا حق حاصل رہے گا، حضور ﷺ کا فرمان ہے:

”من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد“ (ترمذی ۱/۲۶۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے: **”عن أبي هريرةؓ قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: لا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: فهو في النار“** (رواہ مسلم بحوالہ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵/۶۸)۔

البتہ دفاع کو دفاع کی حد تک رکھا جائے، تعدی نہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے:

''جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کا جواب اتنا ہی دے دو جتنا کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے'' (سورہ بقرہ/ ۱۲۴)۔

اسلام امن کا مذہب

محمد ابرار خاں ندوی
جامعۃ الہدایہ، جے پور

ذرائع ابلاغ، اخبار ورسائل، ریڈیو، ٹیلیویژن اور انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ جو لفظ استعمال کیا جارہا ہے وہ ''دہشت گردی'' کا لفظ ہے، قابل افسوس اور تشویش ناک بات یہ ہے کہ اسلام جو امن وآشتی کا مذہب ہے، جس نے سسکتی انسانیت کو چین وسکون عطا کیا، بلکتی اور تڑپتی دنیا کو راحت واطمینان سے سرشار کیا، مظلوم کو اس کا حق دلایا، ظالم کو ظلم سے روکا، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی دست گیری کی، پریشان حال، حق سے محروم، بیمار اور محتاج افراد کے ساتھ ہمدردی، محبت، نصرت، امداد، غمخواری وغم گساری کی تعلیم دی ہے، ظلم وجور، درندگی وسفاکی اور ناانصافی کا خاتمہ کیا ہے، اسی مذہب کو آج دہشت گردی سے جوڑا جارہا ہے۔

جہاں تک دہشت گردی کی تعریف کی بات ہے تو ابھی تک عالمی پیمانہ پر اس کی ایسی جامع اور واضح غیر جانبدار تعریف جس پر ساری علمی دنیا کا اتفاق ہو، نہیں ہوسکی ہے، بہرحال چند تعریفات ذیل میں کی جارہی ہیں:

دہشت گردی کی صہیونی تعریف:

اسرائیل کے سابق وزیر اعظم بنیامین نتنیا ہو جس کا تعلق دائیں بازو کی انتہا پسند یہودی

جماعت سے ہے، اس نے دہشت گردی کی تعریف اپنی کتاب ''استئصال الإرہاب'' میں یہ کی ہے:

"الإرهاب هو استخدام العنف الإرهابي ضد دولة معينة ، بواسطة دولة أخرى تستغل الإرهابيين ، لشن حرب من الأفراد، كبديل للحرب التقليدية، وأحياناً يأتي الإرهاب من حركة أجنبية تتمتع بتأبيد دولة مستقلة، تسمح و تشجع نمو هذه الحركات على أرضها''(رسالۃ الإخوان/ص۶،مورخہ ۶/رجب ۱۴۲۳ھ ماخوذ استئصال الإرہاب/ص۵۵)۔

(یہ وہ دہشت گردانہ تشدد ہے جس کو کسی مخصوص حکومت کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے، کسی ایسی دوسری حکومت کے واسطہ سے جو دہشت گردوں کو پناہ دیتی ہے، افراد کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لئے روایتی جنگ کے متبادل کے طور پر، بسا اوقات دہشت گردی کسی اجنبی نئی تنظیم کے ذریعہ ہوتی ہے جس کی پشت پناہی کوئی مستقل حکومت کرتی ہے جو اپنی سرزمین پر ان تحریکوں کو پروان چڑھانے میں پوری بہادری وفیاضی سے کام لیتی ہے)۔

مذکورہ بالا تعریف کی رو سے وہ تمام عرب یا مسلم ممالک جو غاصب یہودیوں کے خلاف برسرپیکار فلسطینی مجاہدین، اور قیدیوں اور ضرورت مندوں کی کسی بھی طرح مالی یا غیر مالی امداد کرتے ہیں وہ دہشت گرد ممالک ہیں، اور دہشت گردوں والی سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح فلسطینی تحریکوں کے وہ افراد اور دستے جو شام، لبنان جیسے ممالک میں موجود ہیں، یا وہ تحریک جو صہیونیت سے نبردآزما ہے، مثلاً لبنان کی حزب اللہ اور ہر وہ اسلامی تحریک جو فلسطینی باشندوں کی مدد کے لئے یہودیوں سے لڑنے کے لئے اپنے کو تیار کر رہی ہے وہ دہشت گردی کی اس تعریف میں شامل ہے۔

لیکن علماء اسلام، مسلم دانشوروں، فقہ اسلامی کے ماہرین اور شریعت اسلامیہ کا گہرا علم

رکھنے والے اصحاب علم وفن نے فقہ اسلامی اور نصوص کو سامنے رکھ کر دہشت گردی کی جامع، مدلل ومفصل تعریف کی ہے، ذیل میں اس کی تعریف واقسام، اسباب ومحرکات اور اس کے تدارک کی تدابیر تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں:

دہشت گردی کی قابل قبول تعریف:

دہشت کے معنی خوف اور ڈر کے ہیں، دہشت گردی یہ فارسی کا لفظ ہے، ہندی میں آتنک واد، انگریزی میں (Terrorism) اور عربی میں "إرهابية" کہتے ہیں، لغت میں اس کے معنی خوف وہراس اور ہیبت پیدا کرنے کے ہیں (دیکھئے: قومی انگریزی اردو لغت ص ۲۰۶۱، از جمیل احمد جالبی، نیز دیکھئے: فرہنگ تلفظ ص ۵۳۵، از شان الحق حقی) یعنی خوف زدہ کرنا، ہیبت پھیلانا اور ہراساں و پریشان کرنا، اور اصطلاح میں ظلم، تعدی، عدوان، فساد فی الارض، تخریب اور قتل ناحق کے مجموعہ کا نام دہشت گردی ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اسے جنایت کہتے ہیں (بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۹۴، ۳۹۵ کتاب الجنایات)۔

دوسرے لفظوں میں اس کی تعریف یوں کر سکتے ہیں: اپنے مقاصد کے حصول کے لئے معصوم، بے گناہ، بے قصور، بے خطا لوگوں کی جان، مال، عزت وآبرو، اور مذہب کو نشانہ بنانا، اور ان کو ڈرانا دھمکانا اور ظلم وزیادتی کرنا دہشت گردی ہے۔

اس میں خوف، ہیبت، اور ڈر میں مبتلا کرنا، ظلم وجور، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، اغوا، رہزنی، آتش زنی، ڈاکٹر کے ذریعہ زہریلے انجکشن دلوا کر مارنا، بے خطا شخص کو جیل کی سلاخوں میں بند کرنا سب شامل ہے، یہ عمل افراد کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے، اور ملک، قوم، گروہ، جماعت اور تنظیم کی جانب سے بھی۔

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کی تعریف:

رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم فقہی ادارہ ''المجمع الفقہی الإسلامی'' نے اپنے سولہویں اجلاس عام میں دہشت گردی کی جامع تعریف کی ہے۔ اور اس تعریف کو رابطہ عالم اسلامی کے وفد نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں چوٹی عالمی کانفرنس منعقدہ ۲۶/۶/ ۱۴۲۳ھ کو حقوق انسانی کی سرکاری وغیر سرکاری تنظیموں کے سامنے پیش کیا تو سب نے اس کو سراہا اور خیر مقدم کیا، اس کی تعریف یہ ہے:

''الإرهاب: هو العدوان الذى يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغياً على الإنسان، دينه و دمه و عقله و ماله و عرضه، يشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و ما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق، وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذاً لمشروع إجرامي فردى أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر، ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد فى الأرض التى نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها: ''ولا تبغ الفساد فى الأرض إن الله لا يحب المفسدين'' (العالم الاسلامی، رجب ۱۴۲۳ھ العدد: ۱۷۶۱)۔

(دہشت گردی: وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کرتی ہیں، کسی شخص کے دین وعقل، اس کی جان و مال، عزت وآبرو اور عقل وفکر پر زیادتی کے طور پر، جس کا اطلاق ایسی تمام سرگرمیوں پر ہوتا ہے، جن کا مقصد دہشت پھیلانا، ایذا رسانی، ڈرانا

ودھمکانا وقتل ناحق ہے، نیز خونریزی اور راستوں کو پرخطر بنانا اور ڈاکہ زنی جیسے تمام غیر انسانی افعال اس کی فہرست میں داخل ہیں، اسی طرح تشدد اورخوف و ہراس برپا کرنے کی ہر ایسی کارروائی جوفرد یا گروہ کی کسی مجرمانہ منصوبہ بند سازش کی تکمیل کرتی ہواور جس کا مقصد لوگوں کے اندر رعب ڈالنا یاان کوایذا رسانی کا خوف دلانا یاان کی زیست وآزادی سے چھیڑ چھاڑ کرنا یاان کے امن وامان اور ماحول کوخطرات سے دوچار کرنا ہو، اور ماحولیات کوزک پہنچانا یاعام یا خاص انتقام کی چیزوں کو یا سرکاری وغیرسرکاری املاک کوتباہ و برباد کرنا، یاملکی قدرتی ذرائع پیداوار کے لئے خطرہ پیدا کرنا، پس یہ تمام سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلانے کی مختلف صورتیں ہیں، جس سے اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں کومنع کیا ہے کہ'' تم زمین میں فساد نہ مچاؤ، کہ اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسندنہیں فرماتا ہے'')۔

دہشت گردی کا یہ عمل اور جارحانہ منصوبہ و پلان فرد، جماعت، گروہ، اورحکومت سبھی کی طرف سے ہوسکتا ہے، اس اعتبار سے اس کی کئی قسمیں بنتی ہیں:

انفرادی دہشت گردی:

اکیلا کوئی فرداپنے جارحانہ عزائم اورتخریبی کارروائی کے ذریعہ دوسرے فرد، جماعت، گروہ یا پوری ریاست کے اندرخوف و ہراس کی فضا پیدا کردے، اس دہشت گردی کی ابتداء قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کوقتل کر کے کی تھی، یہ انسانی تاریخ کی سب سے پہلی دہشت گردی ہے، اور اسلام نے اس دہشت گردی کو پورے سماج بلکہ پورے انسانی معاشرہ کے ساتھ دہشت گردی کہا ہے:

''من أجل ذلک کتبنا علی بني إسرائیل أنه من قتل نفساً بغیر نفس أو فساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعاً''(سورۂ مائدہ:۳۲)۔

(اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلاعوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں، تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو)۔

انفرادی دہشت گردی کے واقعات اخبار ورسائل، ریڈیو وٹیلیویژن میں بکثرت آتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کا قتل کر دیا، شوہر نے جہیز کم لانے پر بیوی کو جلا کر مار ڈالا۔

ریاستی دہشت گردی:

دہشت گردی کی تیسری قسم یہ ہے کہ بعض حکمراں مذہبی، لسانی اور نسلی یا سیاسی بنیاد پر اپنے ہی ملک کی رعایا کے ساتھ ظلم و جور، درندگی و سفاکی کا معاملہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ ناانصافی اور دوہرا معیار اپناتے ہیں، اور انہیں دستوری حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، ان کی رائے، ضمیر، مذہب اور عقیدہ کی آزادی پر پابندی عائد کی جاتی ہے، اسی طرح طاقتور ریاست کمزور ریاست پر سیاسی تسلط قائم کرنے اور اس آزاد ریاست کے معدنی، قدرتی وسائل و ذخائر سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسے اپنی جارحیت کا نشانہ بناتی ہے، یہ ریاستی دہشت گردی ہے، اس طرح کی دہشت گردی سے دنیا کے ملکوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر روس کا افغانستان اور چیچنیا پر جارحانہ حملہ اور ظلم و بربریت کا شرمناک عمل، سرب افواج کا بوسنیائی مسلمان مردوں وعورتوں کا اجتماعی قتل عام اور اجتماعی آبروریزی، ۱۹۴۸ء سے آج تک فلسطین میں اسرائیل کا قبضہ، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور فلسطینیوں کا قتل عام، کوسوفو میں اٹھارہ لاکھ البانوی نژاد مسلمانوں کا ملک بدر کیا جانا اور قتل وغارتگری کی دلدوز داستان، ہندوستان میں برطانیہ کا قبضہ اور ۱۹۴۷ء تک ہندوستانیوں پر ظلم و جبر کی خونی تاریخ، ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے بعد سے حکومت کی سرپرستی میں ہونے والے فسادات اور حکومت کے اداروں میں مسلمانوں کی برائے نام شمولیت اور ان کے حقوق کی پامالی۔

دہشت گردی اور اسلام:

اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے، سارے انسانوں کو ہمدردی، غمگساری، پیار ومحبت، لطف وکرم، یتیموں کی دستگیری، بیواؤں کی خبر گیری، غریبوں کی امداد، مریض کی عیادت، بیمار کی مزاج پرسی، پریشان حال کی دادرسی، مظلوم کی نصرت، بھٹکے ہوئے راہ گیر کی رہبری، حسن اخلاق اور خدمت خلق، چھوٹو ں پر شفقت اور بڑوں کے احترام کی تعلیم دیتا ہے، ظلم وجور، فتنہ وفساد، تخریب کاری و دہشت گردی کا سخت مخالف ہے اور دنیا میں فساد مچانے کوسختی سے منع کرتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها**"(سورۂ أعراف:۵۶)(اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد)، اسی طرح اللہ تعالی تخریب کاروں و دہشت گردوں کو پسند نہیں کرتا ہے، ارشاد باری ہے:

"**إن الله لا يحب المفسدين**"(سورۂ قصص:۷۷)(اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو، اور ظالم کو ظلم کرنے سے روک دو۔"**أنصر أخاک ظالما أو مظلوما**"(بخاری مع فتح الباری۵ / ۱۲۴)۔

دہشت گردی اور تشدد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دہشت گرد اپنے عمل سے لوگوں میں خوف وہراس پیدا کرتا ہے، قتل وغارت گری بھی کرتا ہے، اور انسانی جان کی اس کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، لیکن اسلام لوگوں کو صرف خدا کا خوف دلاتا ہے، اور اس کے نزدیک انسانی جان کی قیمت یہ ہے کہ وہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

”**من قتل نفساً بغير نفس أو فساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعاً**“(سورۂ مائدہ:۳۲) (جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں، تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب انسانوں کو)۔

لہذا اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دہشت گردی سکھاتا ہے، ظلم وتشدد کی تعلیم دیتا ہے، یہ ایک بے بنیاد الزام ہے، اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کی ناپاک سازش ہے۔

حکومت کا غیر منصفانہ برتاؤ دہشت گردی پیدا کرنے کا سبب:

حکومت کے ذمہ داروں اور زعمائے سلطنت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماتحت بسنے والے تمام انسانوں کے مابین عدل وانصاف کریں، سماجی، معاشی اور مالی واقتصادی ان کے جو حقوق ہیں ان کو دیئے جائیں، اس میں رنگ ونسل، مذہب، زبان، قومیت، کسی کی تفریق نہ ہو، یہ اسلام کی تعلیم ہے اور دنیا کے دیگر قوانین میں بھی یہ موجود ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”**ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، إعدلوا هو أقرب للتقوی**“(سورۂ مائدہ:۸) (اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوی سے)۔

اگر کوئی حکومت اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتی، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، کبھی تو ان کی جان ومال کے تحفظ میں کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو، حکومت کا یہ ظالمانہ وغیر منصفانہ رویہ کھلی دہشت گردی ہے، جسے معاشی واقتصادی دہشت گردی کہہ سکتے ہیں۔

معاشی واقتصادی دہشت گردی کا سایہ تو پوری دنیا پر منڈلا رہا ہے، سرمایہ دارانہ نظام

واشتراکیت کے ٹکراؤ، پھر اشتراکیت کے خاتمہ کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کوفروغ دینے کے لئے دنیا کے کمزور ممالک کی اقتصادیات پر قبضہ کیا گیا، اور عالمی پیمانہ پر اقتصادیات ومعاشیات کے ایسے ضابطے بنائے گئے کہ غریب ممالک مزید غربت وافلاس کا شکار ہو جائیں، اور'' نیا نظام عالم'' اور'' گلوبلائزیشن'' کے نام پر دنیا کی اقتصادیات اور مال کی غیر منصفانہ تقسیم کا عمل شروع کر دیا گیا، یہ سراسر ناانصافی ہے اور کمزور ممالک کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک، امتیازی برتاؤ اور معاشی واقتصادی دہشت گردی ہے۔

ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا:

ظلم و ناانصافی بہت ہی مذموم چیز ہے، دنیا کے کسی بھی مذہب وقانون میں اس کی اجازت نہیں ہے، اسلام جو سراپا عدل وانصاف کا داعی اور انسانی مساوات کا نقیب ہے وہ اس کا سخت مخالف ہے کہ ریاست کے کسی بھی گروہ وطبقہ کے ساتھ ناانصافی برتی جائے، اور اگر کہیں اقتدار وسلطنت کے مالک افراد اپنی ریاست کے کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ غیر مساویانہ برتاؤ کریں، یا ان کو انکے آئینی حقوق سے محروم کیا جائے تو ان لوگوں کا فرض ہے کہ (طاقت بھر) اپنے حقوق کے مطالبے اور ان کے حصول کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اور قانون کا سہارا لے کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:''**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان**''(سنن ترمذی ۴/ ۴۰۸ باب ماجاء فی تغییر المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، حديث: ۲۱۷۲) (جو کسی منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے اور جو ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ دل سے برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے)۔

اس لئے کہ ظلم وناانصافی کو برداشت کر لینا اور اپنے حقوق سے محروم رہنا، ظلم وناانصافی

کو بڑھاوا دینا ہے، انسانی سماج کو سماجی ناانصافی سے پاک کرنا اور معاشرہ کے محروم طبقات کو ان کے حقوق دلانا ہر فرد کی ذمہ داری ہے، اور اس کے لئے ہر مفید کوشش کرنا لازم وضروری ہے، یہی نہیں بلکہ ایسے ظالم وغیر منصف حکمراں کے سامنے حق بات کہنا، اور اپنے جائز حقوق کا جرأت مندی اور بے باکی سے مطالبہ کرنا اللہ کے رسول ﷺ نے اسے عظیم ترین جہاد قرار دیا ہے۔

"إن من أعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر" (سنن الترمذی ۴/۴۰۹ باب ماجاء أفضل الجہاد کلمۃ عدل، حدیث: ۲۱۷۴ دار الکتب العلمیہ بیروت) (ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق وانصاف کی بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیا اور ہر شخص کو اس کا حق دلایا، نبوت سے قبل کا واقعہ ہے کہ:

"زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ سامان تجارت لے کر آیا، اور قریش کے ایک سردار عاص بن وائل نے یہ سب سامان خرید لیا، لیکن اس کا حق اس کو نہیں دیا، زبیدی نے سرداران قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت و وجاہت کی وجہ سے انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اور اس کو سخت سست کہہ کر واپس کر دیا، اب زبیدی نے اہل مکہ سے فریاد کی، اور ہر باحوصلہ، صاحب ہمت اور حق وانصاف کے حامی شخص سے جو اسے مل سکا، شکایت کی، آخر ان لوگوں میں غیرت نے جوش کیا اور یہ سب لوگ عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، انہوں نے ان سب کی دعوت وضیافت کی، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلہ اور مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ کی طرح رہیں گے، اور کام کریں گے، جب تک ظالم مظلوم کا حق نہ دے دے، قریش نے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا، ......پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان واسباب ان سے زبردستی لے کر زبیدی کو واپس کیا"۔

رسول اللہ ﷺ اس معاہدہ سے بہت خوش تھے، اور بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف وتحسین کی، اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا جس میں اگر اسلام کے بعد بھی مجھے بلایا جاتا تو میں ضرور شریک ہوتا، انہوں نے اس پر یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق، حق دار تک پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم، مظلوم پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا (دیکھئے: نبی رحمت رص ۱۱۲ از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ماخوذ سیرت ابن کثیر ۱/ ۲۵۸)۔

لیکن جو لوگ واقعتاً مجبور، بے بس ولاچار ہیں، ظالم کا مقابلہ کرنے کی ان کے اندر بالکل قوت وطاقت نہیں ہے، حکومت کی جانب سے ایسی شدید پابندیاں اور سخت قانون لاگو ہیں کہ کسی کو زبان کھولنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اگر حکومت کی ناجائز پالیسی وغیر مساویانہ برتاؤ کے خلاف آواز بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا سخت ردعمل ہوگا، جو خود اس کی ذات اور پوری ملت کے لئے شدید خطرناک ثابت ہوسکتا ہے تو ایسی صورت حال میں خاموش رہنے اور احتجاج نہ کرنے کی اجازت ہے، اگر مقابلہ کرنے کی کچھ طاقت ہے تو پھر اس کے خلاف آواز بلند کرنا اور مؤثر ومفید احتجاج کرنا ضروری وواجب ہے۔

ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے:

مظلوم کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا، اور اس کے ظلم وناانصافی کو برملا کہنا، اور ظالم کو بے نقاب کرنا پسندیدہ امر ہے، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ سارے لوگ اس سے بچیں گے اور نجات کی راہ تلاش کریں گے، اسی طرح ظالم وجابر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا اور قانون کے شکنجہ میں کسنا بھی اس کے جبر واستبداد کے روکنے کا مؤثر ذریعہ ہے، بلکہ قدرت ہو تو بزور طاقت روک دینا افضل ایمان کی دلیل ہے، معروف فقیہ علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

”ولا غيبة لظالم يؤذى الناس بقوله وفعله، قال عليه الصلاة والسلام:

اذكرو الفاجر بما فيه لكی يحذره الناس، ولا إثم فی السعی به أی بالظالم إلی السلطان ليزجره لأنه من باب النهی عن المنكر ومنع الظلم"(مجمع الأنہر ۲/ ۵۵۳،۵۵۲، کتاب الکراہیۃ، فصل فی المتفرقات)۔

(وہ ظالم جو اپنے قول وفعل سے لوگوں کو ایذا پہنچاتا ہو، اس کے ظلم کا تذکرہ غیبت میں شامل نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: فاسق وفاجر کے اندر کی برائیوں کو بیان کرو، تا کہ لوگ اس سے دور رہیں، اور ظالم کو بادشاہ کے پاس حاضر کرنے کی کوشش کرو تا کہ بادشاہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرے، اس میں کوئی گناہ نہیں)۔

مظلوم کا حق وانصاف کے لئے لڑنا دہشت گردی نہیں ہے بلکہ یہ تو مطلوب ہے، لیکن اگر مظلوم حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر اس کا یہ عمل خلاف شریعت ہوگا۔

شیخ بدران ابوالعینین بدران لکھتے ہیں:

"**كل مايؤدی إلی المحظور يكون محظوراً**"(اصول الفقہ الإسلامی/ص ۲۴۲، از بدران ابوالعینین بدران)۔

(ہر وہ چیز جو ممنوع تک لے جائے وہ بھی ممنوع ہوگی)۔

غیر متعلق افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں:

اسلام ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دیتا ہے، مگر یہ بدلہ صرف ان لوگوں سے لیا جائے گا جنہوں نے ظلم وجور کا ارتکاب کیا ہے، وہ لوگ جن کا ظالم کے مذہب، نسل، وطن، یا خاندان سے تعلق ہے مگر وہ اس ظلم میں شریک نہیں ہیں، یعنی نہ وہ جسمانی طور پر شریک ہیں، نہ اس کی مالی معاونت کی ہے، اور نہ ہی منصوبہ سازی وپلاننگ میں ساتھ رہے ہیں، تو ایسے بے قصور، غیر مکلّف افراد سے صرف اس بنیاد پر بدلہ لینا کہ وہ ظالم کے ہم مذہب یا ہم وطن ہیں اسلامی اصول وقوانین

کے خلاف ہے، اور نہ ہی دنیا کے کسی قانون میں اس کی اجازت ہے، یہ چیز تو زمانہ جاہلیت میں تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تو مقتول کے ورثاء قاتل کے قبیلہ وخاندان کے کسی بھی آدمی کو قتل کر کے مقتول کے قتل کا بدلہ لیتے، لیکن اسلام نے اس چیز کو ختم کر دیا کہ بدلہ اس سے لو جس نے ظلم کیا ہے، قتال اس سے کرو جو تم سے قتال کرے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰) (اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے، اور کسی پر زیادتی مت کرو)۔

اسلام نے تو حالت جنگ میں بھی یہ پابندی رکھی ہے کہ وہ لوگ جو جنگ کے اہل نہیں ہیں اور غیر مکلّف ہیں مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، معذور، بیمار، مذہبی لوگ ان کو نہ مارا جائے۔ لیکن اگر یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں جسمانی طور پر تو شریک نہ ہوں، مالی و اقتصادی طور پر شریک ہوں مثلاً مال خرچ کریں، اسلحہ دیا ہو یا تحریر وتقریر سے ان کو اسلام کے خلاف بھڑکائیں، منصوبہ سازی و پلاننگ کریں، یعنی مال واسباب، تحریر وتقریر اور رائے ومشورہ اور منصوبہ و پلاننگ کے ذریعہ جنگ میں شریک ہوں تو ان کو قتل کیا جائے گا، جیسے آج کل میدان جنگ میں تو فوج لڑتی ہے، منصوبہ و پلان اور جنگ کا نقشہ دوسرے لوگ تیار کرتے ہیں۔

معروف فقیہ علامہ داماد آفندی لکھتے ہیں:

"ونهى عن قتل امرأة أو غير مكلف......إلا أن يكون أحدهم قادراً على القتال أو ذا رأى فى الحرب أو ذا مال يحث أى يحرض الكفار على القتال به أى بالرأى أو المال أو يكون أحدهم ملكاً فحينئذ يقتل لتعدى ضرره إلى العباد" (مجمع الأنہر ۱/ ۶۳۷، ۶۳۶، کتاب السیر) (آپ ﷺ نے جنگ میں عورت اور غیر مکلّف کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی جنگ کی قدرت رکھتا ہو، یا جنگ میں رائے ومشورہ اور مال سے شریک ہو، اور منصوبہ بندی و مال کے ذریعہ کفار کو مسلمانوں سے جنگ

پر ابھارتا ہو، یا بادشاہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اس لئے کہ اس کا ضرر لوگوں کو پہنچتا ہے)۔

انسان کے بنیادی حقوق:

اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو بہت سارے حقوق عطا کئے ہیں، آزادی کا حق، زندہ رہنے کا حق، عزت نفس کا حق وغیرہ، اور یہ حقوق اسے بغیر رنگ ونسل اور مذہب کی تفریق کے ملے ہیں، اور انسان کی پیدائش کا مقصد بھی انہیں حقوق کے تحفظ پر موقوف ہے۔

عالم عرب کے معروف فقیہ سید سابقؒ رقم طراز ہیں:

”**ولا يمكن أن يحقق الإنسان أهدافه، ويبلغ غاياته إلا إذا توفرت له جميع عناصر النمو، وأخذ حقوقه كاملة، وفي طليعة هذه الحقوق التي ضمنها الإسلام: حق الحياة، وحق التملك، وحق صيانة العرض، وحق الحرية، وحق المساواة، وحق التعلم، وهذه الحقوق واجبة للإنسان من حيث هو إنسان بقطع النظر عن لونه أو دينه أو جنسه أو وطنه أو مركزه الاجتماعي**“(فقہ السنۃ ۲/ ۴۵۶، المحافظۃ علی النفس)۔

(انسان کے لئے اپنے اہداف کا حصول، اور مقاصد کو بروئے کار لانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ ترقی کے تمام وسائل اسے مہیا ہوں، اور اس کے تمام حقوق اسے حاصل ہوں، اور وہ بنیادی حقوق جن کی اسلام نے ضمانت فراہم کی ہے، یہ ہیں: زندہ رہنے کا حق، کسی شئ کے مالک بننے کا حق، عزت کے تحفظ، آزادی کا حق، مساوات کا حق اور تعلیم کا حق۔ بحیثیت انسان یہ حقوق ہر شخص کے لئے ضروری ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کا رنگ، مذہب، جنس، وطن اور مرکز اجتماعی کیا ہے؟)۔

اور شریعت کا مقصد بھی ان حقوق کا تحفظ ہے، اور ان حقوق کے تحفظ کے لئے ضمانت فراہم کرنے کا نام مصلحت ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"**ومقصود الشرع من الخلق خمسة وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم**"(المستصفی للغزالی ص۲۸۶)(مخلوق کی بابت (احکام میں) مقاصد شریعت پانچ ہیں، اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کے دین، ان کی جان، ان کی عقل، اور ان کی نسل اور ان کے مال کی حفاظت کرے)۔

حقوق کی حفاظت و مدافعت:

اسلام نے فرد کو اپنی جان، مال، عزت و آبرو اور مذہب کے تحفظ کا حکم دیا ہے، ان پر حملہ ہو تو ہر شخص کو ان کی مدافعت کا پورا حق ہے، بلکہ جنگ کی مشروعیت کی حکمت بھی یہی ہے کہ اسلام سلامتی کا مذہب ہے، اس نے صرف دو حالتوں میں جنگ کی اجازت دی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی کی جان، مال، عزت، مذہب اور وطن خطرہ میں ہو، تو اس کے تحفظ و دفاع کے لئے جنگ کی جائے گی۔

سید سابق علیہ الرحمہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"**الحالة الأولى: حالة الدفاع عن النفس والعرض والمال والوطن عند الاعتداء**"(فقہ السنۃ ۵۵۲/۲)۔

(پہلی صورت جس میں جنگ کی اجازت ہے وہ جان و مال، عزت و آبرو اور وطن پر سے زیادتی کی مدافعت کے لئے ہے)۔

مدافعت کی حکمت:

جبر واستبداد کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جارح کو ظلم و جارحیت سے باز رکھا جائے۔

"الأمر بقتال الذين يبدأون بالعدوان، ومقاتلة المعتدين لكفّ عدوانهم" (فقہ السنۃ ۲/ ۵۵۳)۔

(ظلم وعدوان کی شروعات کرنے والوں سے قتال کا حکم ہے، اور ان سرکشوں سے جنگ کا مقصد ان کو سرکشی سے روکنا ہے)۔

مدافعت کے حدود:

اسلام میں ہر چیز کے لئے اصول وضابطے مقرر ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے، یہاں بھی مدافعت کے اصول وحدود متعین ہیں، وہ یہ کہ مظلوم جارحیت کے خلاف دفاع میں زیادتی نہ کرے، "بدلہ بقدر ظلم" کے قاعدہ پر عمل کرے، اور "**جزاء سيئة سيئة مثلها**" پیش نظر رہے، اشتعال انگیز نعروں اور گالی کا جواب بندوق کی گولی سے نہ دے، ورنہ خود مظلوم جارحیت کے خلاف مدافعت کرنے کے نام پر جارح بن جائے گا، اور ظلم کے خلاف صف آراء ہوکر ظالموں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔

اب آگے جان، مال، عزت وآبرو اور مذہب کے دفاع کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے تحریر کیا جاتا ہے۔

حفاظت جان کا حق:

ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق ہے اور اس کے تحفظ وصیانت کا بھی اسے حق ہے، کسی کو یہ

اجازت نہیں کہ بلا وجہ اس کے حق حیات کو پامال اور سلب کرے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**لاتقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق**" (سورۂ انعام:۱۵۱) (اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر)۔

کسی کے حق حیات کو سلب کرنا حرام ہے، لیکن اگر اس نے دوسرے کے اس حق حیات کو ختم کیا ہے، یا زمین میں فساد و دہشت گردی میں ملوث ہے تو پھر ایسے دہشت گرد وفسادی کو زندہ رہنے کا حق قطعاً نہیں ہے۔

سید سابق تحریر فرماتے ہیں:

"**لكل فرد حق صيانة نفسه وحماية ذاته، فلا يحل الاعتداء إلا إذا قتل، أو أفسد في الأرض فساداً يستوجب القتل**" (فقہ السنۃ ۲/۵۴۹) (ہر شخص کو اپنی جان کے تحفظ اور اپنی ذات کی حمایت کا حق ہے، اس پر زیادتی روا نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کسی کو قتل کردے، یا زمین میں بگاڑ وفساد برپا کردے تو وہ مستوجب قتل ہوگا)۔

خود اس کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنی جان کو نقصان پہنچائے۔ حدیث میں ہے:

"**عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسى سمًّا فقتل نفسه من يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يجأ بها في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً**" (صحیح البخاری ۴/۲۳، کتاب الدیات، باب شرب السم، طبع دار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا، اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی وہ جہنم کی

آ گ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ سے زہر کھا تا رہے گا، اور جس نے لوہے کی چیز سے خودکشی کی وہ جہنم کی آ گ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لوہے کی اس چیز سے اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا)۔

انسان کا یہ فطری حق ہے اور اس کی غیرت کا تقاضا بھی ہے کہ کسی جانب سے اس کے یا اس کے اہل خانہ یا کسی بھی انسان کی جان پر حملہ ہو تو اس کا بھر پور دفاع کرے، حتی کہ اس جارح وحملہ آور کی جان بھی لینی پڑ جائے تو یہ بھی کیا جا سکتا ہے، اور اگر وہ خود مدافعت کرنے میں جارح کی جارحیت کا شکار ہو کر راہی آ خرت ہو جائے تو شہادت کے اعلی مرتبہ پر سرفراز ہوگا۔ حدیث شریف میں اس کی تفصیل یوں ہے:

"عن سعيد بن زيد قال: سمعت النبی ﷺ يقول: من قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (فقہ السنۃ ۲/ ۵۵۳)۔

(حضرت سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو دین کی حفاظت کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے خون کی حفاظت کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے)۔

جان کی مدافعت اور اس کی خاطر قتل وقتال کی اجازت دنیا کے قانون اور ہر مذہب وشریعت نے دی ہے۔

سید سابق تحریر فرماتے ہیں:

"والمقاتلة دفاعاً عن النفس أمر مشروع في كل الشرائع وفي جميع المذاهب وهذا واضح من قوله تعالى وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم"

(جان کی مدافعت میں لڑنے کی اجازت، ہر شریعت اور ہر مذہب وقانون نے دی ہے، اور یہ اللہ کے اس قول "وقاتلوا فی سبیل الله الذين يقاتلونکم" (کہ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں) سے بالکل صاف اور عیاں ہے)۔

مدافعت کے حدود:

البتہ مدافعت میں اس کا خیال ضرور رہے کہ زیادتی نہ ہونے پائے، جہاں تک ممکن ہو اَسہل کو اپنانے کی کوشش کی جائے، اگر کسی نے گالی دی ہے، بدزبانی کی ہے، تھپڑ مارا ہے، یا ڈنڈا مارا ہے، تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کوئی قتل کے ارادہ سے تو آئے مگر اس کا قوی امکان اور امید ہے کہ اگر شور و ہنگامہ کیا جائے، اور لوگوں کو مدد کے لئے پکارا جائے تو وہ بھاگ جائے گا اور اس طرح جان بچائی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت میں بھی اس کی جان لینا جائز نہ ہوگا، لیکن اگر وہ ہتھیار بند، بندوق کو لوڈ کئے ہوئے مکان یا بستی پر حملہ آور ہوگیا ہے یا پوری جمعیت ہے جو حملہ کرنا چاہتی ہے اور جان بچانے کی کوئی صورت نہیں ہے سوائے اس کو قتل کرنے کے، تو اس کو قتل کر کے اپنے نفس کا دفاع کیا جائے گا۔

ملک العلماء علامہ کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) نے اس سلسلہ میں بڑی اصولی اور عمدہ بحث کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"والأصل فی هذا أن من قصد قتل إنسان لا ينهدر دمه، ولكن ينظر إن كان المشهور عليه يمكنه دفعه عن نفسه بدون القتل لا يباح له القتل وإن كان لا يمكنه الدفع إلا بالقتل، يباح له القتل لأنه من ضرورات الدفع، فإن شهر عليه سيفه، يباح له أن يقتله، لأنه لا يقدر على الدفع إلا بالقتل، ألا ترى أنه لو استغاث الناس لقتله قبل أن يلحقه الغوث إذ السلاح لا يلبث فكان القتل من

ضرورات الدفع، فيباح قتله، فإذا قتله فقد قتل شخصاً مباح الدم فلا شيء عليه" (بدائع الصنائع ۷/ ۹۳، ۹۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، نیز دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ۶/ ۷) (اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ جس نے کسی ایسے شخص کے قتل کا ارادہ کیا جس کا خون حلال نہیں ہے، تو اس میں دیکھا جائے گا کہ جس پر تلوار سونتی گئی ہے اگر وہ اپنی جان کی مدافعت اس کو قتل کئے بغیر کرسکتا ہے تو اس کے لئے قتل جائز نہیں، اور اگر بغیر قتل دفاع ممکن نہ ہو تو اس کے لئے قتل کرنے کی اجازت ہے، اس لئے کہ قتل ضرورت ہے، اور اگر اس پر تلوار سونتے کھڑا ہے تو اس کے لئے قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ بلا قتل کے مدافعت نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ لوگوں کو مدد کے لئے بلائے گا تو مدد پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس کو ماردے گا، کیونکہ ہتھیار رکے گا نہیں، تو قتل ضروریات دفاع میں سے ہے، تو اس کے لئے قتل کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ ایسے شخص کو قتل کرے گا جس کا خون مباح ہے، لہذا اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا)۔

مدافعت کا شرعی حکم:

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفس کا تحفظ اور اس کا دفاع واجب ہے، مدافعت نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (سورہ بقرہ: ۱۹۵) (اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں)، نیز دوسری جگہ ارشاد ہے: "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله" (سورہ حجرات: ۹) (تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے، یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر)۔

یہاں پر امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر وجوب چاہتا ہے۔

نیز فقہاء کرام کی تصریحات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جان کی مدافعت واجب ہے، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”وقوله فعليهم وقول محمد فى الجامع الصغير فحق على المسلمين أن يقتلوه إشارة إلى الوجوب، والمعنى وجوب دفع الضرر“(الهدایہ مع تکملۃ الفتح ۱۰/ ۲۳۲، کتاب الجنایات، دارالفکر بیروت) (ان کا یہ ”فعليهم“ کہنا اور جامع صغیر میں امام محمد کا یہ فرمانا کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ اس کو قتل کر ڈالیں، وجوب کی جانب اشارہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ضرر کو دور کرنا واجب ہے)۔

علامہ ابن ہمام کی بھی یہی رائے ہے:

”وقوله والمعنى أى ومعنى الوجوب دفع الضرر، لأن الواجب هو دفع الشر على أى وجه كان، لا عين القتل“(تکملۃ شرح فتح القدیر ۱۰/ ۲۳۲ کتاب الجنایات، دارالفکر بیروت) (ان کے قول ”والمعنى“ کا مطلب ہے کہ ضرر کو دفع کرنا واجب ہے، اس لئے کہ واجب شر کو روکنا ہے جس طرح سے ممکن ہو قتل کرنا ضروری نہیں ہے)۔

عالم عرب کے معروف فقیہ سید سابق علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر یہی ہے:

”لأن دفع الضرر عن النفس و المال واجب فإن لم يندفع إلا بالقتل فله قتله ولا شىء على القاتل“(فقہ السنۃ ۲/ ۵۵۲ دار الکتاب العربی بیروت) (اس لئے کہ جان و مال کو نقصان سے بچانا واجب ہے، اور اگر نقصان وضرر بغیر قتل کے ممکن نہ ہو تو وہ اس کو قتل کر دے، اور اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا)۔

اور یہ بدیہی چیز ہے کہ بھوک کی شدت ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز نہ ہو تو جان بچانے کے لئے حرام کھانا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے، ورنہ گنہگار ہوگا، تو جارحیت کا دفاع بدرجہ اولی ضروری ہوگا۔

علامہ داماد آفندی رقم طراز ہیں:

”من امتنع عن أكل الميتة حال المخمصة أو صام ولم يأكل حتى

مات أثم، لأنه أتلف نفسه"(مجمع الأنہر ۲/۵۲۵ کتاب الکراہیۃ)(جو کوئی بھوک کی حالت میں مردار کھانے سے باز رہے یا روزہ رکھے اور نہ کھائے، یہاں تک کہ مرجائے تو گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے)۔

اسی طرح جب گلے میں کھانے کا لقمہ اٹک جائے اور نگلنے کے لئے پانی وغیرہ نہ ہو تو جان بچانے کے لئے شراب کا استعمال ضروری ہے تو جان پر حملہ ہو تو اس کے بچانے کے لئے مدافعت کرنا کیوں ضروری نہ ہوگا۔

مال کی حیثیت:

مال اللہ کی نعمت ہے، اس کا ضیاع ممنوع ہے، اپنی اور اہل خانہ کی ضروریات اور اہل حاجت کی حاجت برآری، اور نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے، لیکن یہاں بھی اسراف وتبذیر سے روکا گیا ہے، خود صاحب مال کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کو ضائع کرے، یا اس میں اسراف وتبذیر سے کام لے، اور نہ ہی کسی دوسرے کو یہ اجازت ہے کہ وہ کسی کا مال بغیر اس کی اجازت ورضامندی کے لے، یا ناجائز طریقہ پر اس کو استعمال کرے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"**یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم**"(سورۂ نساء:۲۹)(اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"**من أخذ مال أخیه بیمینه، أوجب اللّٰه له النار، وحرم علیه الجنة، فقال رجل: وإن کان شیئًا یسیراً یا رسول اللّٰه؟ فقال: وإن کان عوداً من**

أراک‘‘(جس نے اپنے بھائی کے مال کولیا، اللہ اس کے لئے جہنم کوواجب کردے گا، اور جنت کو حرام کردے گا، ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: گرچہ پیلو کی لکڑی کیوں نہ ہو)۔

مال کی مدافعت:

صاحب مال کی ذمہ داری ہے کہ وہ مال کی حفاظت کرے، اس کو چوری، غصب اور ضائع ہونے سے بچانے کی تدبیر وکوشش کرے، اور اگر کوئی اس کو غصب کرنے یا چوری کرنے کی کوشش کرے تو اس کی بھرپور مدافعت کرے، حتی کہ اس کی مدافعت میں حملہ آور، چور وغاصب کی جان بھی لی جاسکتی ہے، اور اگر وہ خود مارا جائے تو شہید ہوگا۔

’’عن أبی هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أن يأخذ مالي؟ قال: ’’فلا تعطه مالک‘‘، قال: أرأيت إن قاتلنی؟ قال: ’’ قاتله‘‘، قال: أرأيت إن قتلنی؟ قال: ’’فأنت شهيد‘‘، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو فی النار‘‘(نیل الاوطار ۵/۳۶۶)(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا مشورہ ہے اگر کوئی آدمی آکر میرا مال لینا چاہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا مال اسے مت دو، تو اس نے کہا: اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے قتال کرو، تو اس نے کہا: اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم شہید ہوگے، پھر اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔

دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”**من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل فهو شهيد**“(سنن الترمذی ۴/۲۲، باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فہو شہید، حدیث:۱۴۲۰)(جس کا مال ناجائز طریقہ سے لیا جائے تو وہ قتال کرے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے)۔

مال کی اہمیت اتنی ہے کہ اس کی مدافعت وتحفظ میں مارے جانے پر شہادت کا رتبہ حاصل ہوگا۔

”**من قتل دون ماله فهو شهيد**“(سنن الترمذی ۴/۲۱ باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فہو شہید، حدیث:۱۴۱۹)(جو اپنے مال کو تحفظ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

اور مال کو ناجائز طریقہ پر لینے والا مارا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ چیز مطلق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ مال کا بچاؤ حملہ آور و چور اور غاصب کو مارے بغیر ممکن نہ ہو، یعنی اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو مال کے تحفظ اور اس کے حصول کا اگر وہ لے کر بھاگ رہا ہو۔

فقہاء کرام نے اس پر بڑی واضح بحث فرمائی ہے، ”فتاوی ہندیہ“ میں ہے:

”**ومن دخل عليه غيره ليلاً و أخرج السرقة، فأتبعه وقتله فلا شيء عليه، وتأويل هذه المسئلة إن كان لا يتمكن من الاسترداد إلا بالقتل**“(الفتاوی الہندیہ ۶/۷)(رات کے وقت کسی کے گھر میں کوئی داخل ہو کر چوری کرے، اور وہ اس کا پیچھا کر کے اس کو قتل کردے تو اس پر کچھ نہیں ہوگا، مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ جب بغیر قتل کئے مال کو واپس نہ لیا جا سکتا ہو)۔

اور اگر چور کی جان لئے بغیر مال کی حفاظت ہو سکتی ہے، مثلاً شور و ہنگامہ کر دیا جائے یا لوگوں کو مدد کے لئے آواز دی جائے تو چور بھاگ جائے تو پھر چور کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

”**وأما أنه لو صاح به يترك ما أخذه ويذهب، فلم يفعل هكذا، ولكن قتله كان عليه القصاص**“ (سابقہ حوالہ) (اور اگر شور وہنگامہ کرنے سے چور مال چھوڑ کر بھاگ جائے تو وہ اس کو قتل نہ کرے، اور اگر اس نے قتل کر دیا تو اس پر قصاص ہوگا)۔

مدافعت مال کی شرعی حیثیت:

اس بابت فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ مال کی مدافعت کا شرعی درجہ کیا ہے، جائز ہے یا واجب، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مال کی مدافعت واجب ہے، لیکن اکثر حضرات کی رائے جواز کی ہے، لیکن جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ اس صورت میں ہے جب کہ مال جاندار شئ ہو مثلاً جانور، یا دوسرے کا مال ہو جیسے وقف کا مال، یا ودیعت، رہن یا کرایہ کا سامان ہے، تو اس کی مدافعت ضروری ہے۔

شیخ عبدالقادر عودہ نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”**أما الدفاع عن المال فأغلب الفقهاء يرونه جائزاً لاواجباً فللمعتدى عليه أن يدفع الصائل إن شاء، وأن لا يدفعه،......ولكن بعض الفقهاء يرون أن الدفع عن المال واجب، إذا كان مالاً فيه روح، أى ليس جماداً، أو كان مالاً للغير فى يد المدافع كمال المحجور عليه أو الوقف أو مالاً مودعاً أو كان مالاً للمدافع ولكن تعلق به حق الغير كرهن وإجارة**“ (التشریع الجنائی الإسلامی ۱/۴۷۶، مؤسسۃ الرسالہ) (مال کی حفاظت کے لئے دفاع کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، نہ کہ واجب، معتدی علیہ (جس پر زیادتی ہو) کو اختیار ہے، چاہے تو حملہ آور کا دفاع کرے، چاہے تو نہ کرے، لیکن بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مال کا دفاع واجب ہے، جبکہ مال جاندار چیز ہو، یعنی بے روح چیز نہ ہو، یا مدافع کے پاس جو مال ہے وہ دوسرے کا ہو جیسے مجور علیہ کا مال، یا وقف کا مال ہو یا

ودیعت کا مال ہو، یا مال تو مدافع کا ہولیکن اس سے دوسرے کا حق متعلق ہوجیسے رہن واجارہ کا مال)۔

نیز علامہ شوکانی نے نقل کیا ہے کہ جمہور کے نزدیک مال کی مدافعت جائز ہے، بعض علماء نے واجب کہا ہے، اور بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر مال معمولی ہوتو مدافعت میں مقاتلہ جائز نہیں ہے۔

علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"وأحاديث الباب فيها دليل على أنها تجوز مقاتلة من أراد أخذ مال إنسان من غير فرق بين القليل والكثير إذا كان الأخذ بغير حق، وهو مذهب الجمهور كما حكاه النووی والحافظ فی الفتح، وقال بعض العلماء إن المقاتلة واجبة، وقال بعض المالكية: لا تجوز إذا طلب الشیء الخفيف"(نیل الأوطار ۵/ ۳۶۷، باب دفع الصائل، داراحیاء التراث العربی) (اس باب سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص کسی کا مال ناجائز طریقہ سے لینا چاہے، اس سے جنگ اور قتال کرنا جائز ہے، خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، یہی جمہور کا مسلک ہے، جیسا کہ امام نووی نے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے، اور بعض علماء کے نزدیک مقاتلہ واجب ہے، اور بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر وہ معمولی وتھوڑی چیز لینا چاہے تو اس سے قتال جائز نہیں ہے)۔

عالم عرب کے معروف فقیہ سید سابقؒ وجوب کے قائل ہیں، لکھتے ہیں:

"لأن دفع الضرر عن النفس والمال واجب"(فقہ السنۃ ۲/ ۵۲۲، ۵۲۱) (مال اور نفس کی جانب سے ضرر کا دور کرنا واجب ہے)۔

اور یہی رائے علامہ ابن تیمیہ کی ہے (الإختیارات الفقہیہ من فتاوی ابن تیمیہ/ص ۲۹۱، ویلزم الدفع عن مال الغیر الخ)۔

اس سلسلہ میں راقم کی رائے یہ ہے کہ مال کی جانب سے مدافعت واجب نہیں ہے کہ اس کے ترک کرنے پر گناہ یا سزا مرتب ہو، بلکہ مدافعت کا صرف جواز ہے، اگر چاہے تو مدافعت ومزاحمت کرے، اور چاہے تو نہ کرے، اس لئے کہ مال میں دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت دینا، اور اس دوسرے شخص کے لئے اس کا استعمال کرنا، دونوں جائز ہے، یعنی اجازت کے بعد اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، اس کے برعکس عزت ونفس میں ایسا نہیں ہے کہ اس میں استعمال وتصرف کی نہ اجازت دینا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے کے لئے بغیر حق کے استعمال وتصرف میں لانا درست ہے، جواز کے قائلین کی یہی دلیل ہے (التشریع الجنائی الإسلامی ۱/۴۷۶)۔

عزت وآبرو کا حق:

اللہ تعالی نے ہر انسان کو باعزت ومحترم بنایا ہے، اور یہ عزت وآبرو انسان کا بیش قیمتی اثاثہ ہے، اور اس کی حفاظت کا اسے پورا حق حاصل ہے، خصوصاً صنف نازک کی عزت وعصمت کے تحفظ کے سارے وسائل شریعت نے عطا کئے ہیں اور اسے پورا حق دیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے، اور دوسروں کو سختی سے اس بات سے روکا ہے کہ وہ کسی عورت کی عصمت وعفت کو داغدار کریں۔

سید سابق رقمطراز ہیں: "**لا يحل انتهاك العرض**" (فقہ السنۃ ۲/۵۵۰) (عزت کو پامال کرنا جائز نہیں ہے)۔

مدافعت عزت کا حکم:

اگر کسی عورت کی عفت وعصمت پر حملہ ہو تو دیکھنے والے پر ضروری ہے کہ اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کرے، اور خود عورت پر بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت اور

مدافعت ومزاحمت کرے، ورنہ گنہگار ہوگی، اس لئے کہ عورت کو اپنے اوپر کسی مرد کو قدرت دینا حرام ہے، اور مدافعت نہ کرنا جبر وزیادتی کرنے والے کو قدرت دینا ہے، اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دینا ہے، اور یہ حرام وناجائز اور باعث شرم وحیا ہے۔

باتفاق فقہاء عورت پر عزت وآبرو کی مدافعت واجب ہے، اس کے لئے حملہ آور کی جان بھی لی جاسکتی ہے، عبدالقادر عودہ نے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے:

"قد اتفق الفقهاء على أن دفع الصائل واجب على المدافع فى حالة الاعتداء على العرض ، فإذا أراد رجل امرأة على نفسها ولم تستطع دفعه إلا بالقتل كان من الواجب عليها أن تقتله إن أمكنها ذلک، لأن التمكين منها محرم، وفى ترک الدفاع تمكين منها للمعتدى، وكذلک شأن الرجل يرى غيره يزنى بامرأة أو يحاول الزنا بها، ولا يستطيع أن يدفعه عنها إلا بالقتل فإنه يجب عليه أن يقتله إن أمكنه ذلک" (التشریع الجنائی الإسلامی ۱/ ۴۷۴)۔

(تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ عزت وآبرو پر دست درازی کی حالت میں مدافع پر حملہ آور کا دفاع کرنا واجب ہے، اگر کوئی مرد کسی عورت کی عزت پر حملہ کرنا چاہے اور اس عورت کے لئے مدافعت کی صورت نہ ہو سوائے قتل کے، تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اس کو قتل کردے، اگر یہ اس کے لئے ممکن ہو، کیونکہ اس کو اپنے اوپر قدرت دینا عورت کے لئے حرام ہے، اور مدافعت نہ کرنا زیادتی کرنے والے کو اپنے اوپر قدرت دینا ہے، اور اسی طرح مرد کی ذمہ داری ہے کہ جب وہ کسی مرد کو دیکھے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ زنا کر رہا ہے، یا زنا کرنے کی کوشش میں ہے، اور عورت کی مدافعت میں قتل کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو اگر اس کے لئے ممکن ہو تو اس کا قتل کرنا اس پر واجب ہے)۔

علامہ ابن تیمیہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ومن طُلب منه الفجور كان عليه أن يدفع الصائل عليه، فإن لم يندفع إلا بالقتل كان له ذلک باتفاق الفقهاء" (الاختیارات الفقهیہ من فتاوی ابن تیمیہ/ص۲۹۱)۔

(جس شخص سے برائی کا مطالبہ کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ اپنے اوپر حملہ آور کا بھرپور دفاع کرے، اور اگر مدافعت بلاقتل ممکن نہ ہوتو باتفاق فقہاء اس کوقتل کرنے کی اجازت ہے)۔

دہشت گردی اور اسلامی موقف

مفتی سید اسرار الحق سبیلی
(رفیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

دہشت گردی آج کل ایک سلگتا ہوا موضوع ہے، آج دنیا میں بہت سے مما لک کو دہشت گردی کا سامنا ہے، یا وہ دہشت گردی کا خطرہ محسوس کررہے ہیں، ۱۱ ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد یہ موضوع عالمی صورت اختیار کر گیا ہے، آج دنیا میں دہشت گردی پھیلانے والوں میں مختلف مذاہب اور طبقات کے لوگ شامل ہیں، اور حالیہ عرصہ میں ان کی دہشت نا کی کا شکار ہونے والے زیادہ تر مسلمان ہیں، اس کے باوجود آج دہشت گردی کو اسلام سے جوڑ دیا گیا ہے، اور اس پروپگنڈہ کی اس قدر وسیع پیمانہ پر تشہیر کی جارہی ہے کہ اسلام اور دہشت گردی، مسلمان اور دہشت گرد ہم معنی ہوکر رہ گئے ہیں، یہ بہت ہی گندا الزام ہے جو اسلام اور مسلمانوں پر لگا دیا گیا ہے، اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ کیا حکمت عملی اور منصوبہ تیار کریں، جن سے کہ حقیقی دہشت گرد کا پتہ چل جائے، اور اسلام اور مسلمانوں کے تئیں یہ غلط فہمی دور ہوجائے، اس طرح کی کوشش اسلام اور مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت ہوگی، اس کے لئے دیر سے سہی کچھ انفرادی کوشش کی گئی ہے، اور اس موضوع پر بعض مفید تحریریں سامنے آئی ہیں، لیکن یہ موضوع جس قدر نازک اور اہم ہے اس کے لئے ٹھوس اجتماعی کوششیں ضروری ہیں، اجتماعی کوششوں کے ذریعہ ہی ہم صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے سمینار کے لئے یہ موضوع تجویز کر کے

دین کی اہم خدمت انجام دینے کی کوشش کی ہے، اللہ کرے آنے والا سمینار نتیجہ خیز ثابت ہو، اور اس کے ذریعہ پورے عالم کو غور وفکر کی ایک نئی جہت عطا ہو، اور یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱- دہشت گردی کی حقیقت:

اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن وحدیث کی روشنی میں دہشت گردی کا مطلب افساد، فساد، تباہی، ظلم اور تعصب ہے، یعنی انسان حق وانصاف سے منہ موڑتے ہوئے بےقصور افراد کو اپنے ظلم اور تشدد کا نشانہ بنائے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿ومن الناس من يعجبک قوله فی الحياة الدنيا ويشهد الله على ما فی قلبه وهو ألدّ الخصام، وإذا تولى سعى فی الأرض ليفسد فيها و يهلک الحرث والنسل والله لا يحب الفساد، وإذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالإثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد﴾ (البقرہ: ۲۰۴، ۲۰۶)۔

(بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ تم کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے، مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالی کو حاضر وناظر بتاتا ہے، اپنے مافی الضمیر پر، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے، جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے، تو اس دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے، اور (کسی کے) کھیت اور مویشی کو تلف کردے، اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں فرماتے، جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، تو ایسے شخص کے لئے جہنم کی سزا کافی ہے، اور بہت بری آرام گاہ ہے)۔

۲-سرکاری دہشت گردی:

دہشت گردی کی تعریف سے جب یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دہشت گردی ظلم،

استحصال اور ناانصافی کی ایک تحریک ہے، تو اہل عقل و دانش کو یہ فیصلہ کرنے میں تامل نہیں ہوگا کہ ظلم و ناانصافی چاہے فرد کی طرف سے ہو، یا جماعت اور ارباب حکومت واقتدار کی طرف سے ہو، وہ بہر حال ظلم و ناانصافی اور دہشت گردی ہی ہے، بلکہ انتہائی خطرناک درجہ کی دہشت گردی ہے، گرچہ ظلم پسند لوگوں کی ایک بڑی تعداد اسے دہشت گردی شمار نہ کرے، افراد کی کثرت اور قلت کی وجہ سے کسی بھی برائی کو اچھائی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، قرآن کی زبان میں:

﴿قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو أعجبک کثرة الخبیث﴾ (المائدہ: ۱۰۰)۔

(آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتے، گو کہ تم کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو)۔

سرکاری دہشت گردی کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿إن الملوک إذا دخلوا قریة أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة﴾ (النحل: ۳۴)۔

(بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں، تو اسے اجاڑ دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں)۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک جماعت نے قتل کیا ہو، تو ان تمام سے قصاص لیا جائے گا، افراد کی کثرت کی بنا پر ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، چنانچہ علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

"إن الجماعة إذا قتلوا واحداً فعلی کل واحد منهم القصاص......روی سعید بن المسیب أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قتل سبعة من أهل صنعاء قتلوا رجلا وقال: لو تمالأ علیه أهل صنعاء لقتلتهم جمیعاً، وعن علی رضی الله

عنه، أنه قتل ثلاثة قتلوا رجلا، وعن ابن عباس رضی الله عنه أنه قتل جماعة لواحد، ولم یعرف فی عصرهم مخالف فکان إجماعاً، ولأنها عقوبة للواحد علی الواحد، فوجبت للواحد علی الجماعة کحد القذف''(المغنی ۱۱/۴۹۰، ۴۹۱ طبع دارعالم الکتب سعودیہ)۔

(ایک جماعت جب ایک شخص کو قتل کر ڈالے، تو ان میں سے ہر ایک سے قصاص لیا جائے گا،......سعید بن میسّبؒ سے منقول ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے سات آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اورانہوں نے فرمایا: ''اگر صنعاء کے تمام لوگ اس میں شریک ہوتے تو میں تمام کو قتل کروادیتا''۔ سیدنا علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایسے تین آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ سیدنا ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے بدلہ میں ایک جماعت کو قتل کروایا۔ ان کے زمانہ میں کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، گویا اس پر اجماع ہوگیا، نیز یہ کہ ایک شخص کی خاطر ایک شخص کو سزا دی جاتی ہے، لہذا ایک شخص کی خاطر ایک جماعت کو سزا دی جائے گی، جیسا کہ حد قذف میں ہوتا ہے)۔

ان تمام اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ظلم اور دہشت گردی چاہے فرد کی طرف سے ہو یا جماعت اور ارباب حکومت کی طرف سے ہو، وہ بہر حال ظلم اور دہشت گردی ہی ہے، بلکہ بڑے پیمانہ پر اور بدترین درجہ کی دہشت گردی ہے، اس کی وجہ سے تباہ کاری بھی بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، جس طرح چوری اور غصب فرد کی طرف سے ہو تو بھی برا ہے اور قابل ملامت ہے، اور اگر ایک مہذب جماعت یا سرکار کی طرف سے ہو تو بھی برا ہے اور قابل ملامت ہے، مہذب یا سرکار کا لیبل لگ جانے سے چوری اور غصب کوئی اچھا عمل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳-احتجاج اور ردعمل:

ایک جمہوری ملک میں تو کسی ظلم وناانصافی پر پرامن احتجاج کی عام اجازت ہوتی ہے، اسلام میں بھی اس کی اجازت ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**﴾(النساء:۱۴۸)۔

(اللہ تعالی برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتا، مگر مظلوم کو اجازت ہے)۔

اور حدیث میں ہے:"**إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشک أن يعمهم الله بعقاب منه**"(ابوداؤد:۴۳۳۸)۔

(لوگ جب کسی ظالم کو(ظلم کرتے) دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں، تو اللہ تعالی تمام لوگوں کو سزا میں گرفتار کر سکتے ہیں)۔

نیز حدیث میں یہ بھی ہے:"**أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر**"(ابوداؤد:۴۳۴۴)۔

(افضل درجہ کا جہاد ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے)۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ احتجاج صرف جائز ہے یا واجب؟ اور اگر واجب ہے تو کن لوگوں پر واجب ہے؟ تو یہ لوگوں کی استطاعت و صلاحیت پر موقوف ہے، مثال کے طور پر جن حضرات کے پاس سیاسی طاقت اور اثر ورسوخ ہے، یا جنہیں عوامی مقبولیت حاصل ہے، یا جن کے پاس قلم اور میڈیا کی طاقت ہے تو ان کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق احتجاج واجب ہے، گویا یہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔

احتجاج کے بارے میں عہد نبوی کے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے:

”جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكو جاره، قال: اطرح متاعک على الطريق، فطرحه، فجعل الناس يمرون عليه ويلعنونه، فجاء إلى النبی ﷺ فقال: يا رسول الله! مالقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ يلعنونی، قال: لعنک الله قبل الناس، فقال: إنی لا أعود ، فجاء الذی شكاه إلى النبي ﷺ، فقال: ارفع متاعک فقد كفيت“(مجمع الزوائد:۸/۱۷۰باب ماجاء فی أذی الجار)۔

(ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے پڑوسی کی شکایت لے کرآیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا سامان راستہ میں ڈال دو، اس نے ڈال دیا، وہاں سے گزرنے والے لوگ اس پڑوسی پرلعنت کرنے لگے، وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے لوگوں سے تکلیف پہنچی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے کیا تکلیف پہنچی؟ اس نے بتایا: وہ مجھ پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے پہلے تو اللہ تعالی نے تم پر لعنت کی ہے، اس نے کہا: میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا، اتنے میں شکایت کرنے والا شخص نبی ﷺ کے پاس پہنچ گیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”اپنا سامان اٹھالو، اتنا کافی ہوگیا“)۔

مذکورہ ذیل حدیث بھی ارباب حکومت سے احتجاج کرنے کے بارے میں اشارہ کرتی ہے:

”عن أبی الوليد عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال: بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فی العسر واليسر والمنشط والمكره، وعلى أثرة علينا، وعلى أن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله تعالى فيه برهان، وعلى أن نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف فی الله لومة لائم“(بخاری:۱۳/۵-۶،مسلم:۱۷۰۹)۔

(سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ

سے سمع وطاعت اختیار کرنے کی بیعت کی، چاہے تنگی کی حالت ہو یا خوشحالی کی، خوش دلی سے ہو یا ناپسندیدگی کے ساتھ، خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے، اور یہ کہ ہم صاحب حکومت سے اس کی حکومت کے بارے میں نہیں جھگڑیں گے، مگر یہ کہ ہم صریح کفر دیکھ لیں، جس کی بابت ہمارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو، اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں حق بات کہیں گے، اللہ کی بات کہنے میں ہم ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اس حدیث میں ''کفر'' کا ذکر ہے، مگر اس سے پہلے والی حدیث میں ''کلمۂ عدل'' کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم پر ارباب اقتدار سے احتجاج کرنا اور ان کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

نیز بہ حیثیت ایک داعی امت کے مسلمانوں کو اس حدیث پر بھی عمل کی ضرورت ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان''(مسلم:۴۹)۔

(جو کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے، اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی دل میں برا خیال کرے، مگر یہ ایمان کا بہت کمزور درجہ ہے)۔

بعض روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وليس وراء ذلک من الإيمان حبة خردل''(مسلم:۵۰)۔

(ان تینوں سے ہٹ کر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا)۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف احتجاج کرنا اور ظلم سے رکنے کا مطالبہ کرنا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ ظالموں کو ظلم ترک کرنے اور انصاف پر آمادہ کرنے کی

دعوت وکوشش ہے، جس کی ترغیب قرآن وحدیث میں دی گئی ہے، اور جوامت مسلمہ کے لئے فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

۴- بےقصور افراد سے بدلہ لینا:

کسی ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو، جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہوگا جو بے قصور ہیں، اور جو اس ظلم میں کسی طور سے شریک نہیں ہیں، اور اگر دوسرے بےقصور افراد سے بدلہ لیا جائے تو یہ بھی ظلم ہوگا، جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے کہ سیدنا یوسفؑ کے سگے بھائی پر جرم ثابت ہوا، جس کی سزا قید تھی، بنیامین کے دوسرے بھائیوں نے سیدنا یوسفؑ سے درخواست کی کہ بنیامین کے ابا بہت بوڑھے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان کی جگہ دوسرے کسی بھائی کو قید کرلیا جائے، تو سیدنا یوسفؑ نے فرمایا: اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم قرار دیئے جائیں گے۔

﴿قالوا يا أيها العزيز إن له أباً شيخاً كبيراً فخذ أحدنا مكانه، إنا نراك من المحسنين، قال معاذ الله أن ناخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده إنا إذا لظالمون﴾ (سورۂ یوسف:۷۸-۷۹)۔

(انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں، آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو گرفتار کرلیجئے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں، یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہوجائیں گے)۔

نیز قرآن کی دوسری آیات ہیں:

﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾(سورۂ أعراف:۱۶۴)۔

(اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔

﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾(سورۂ شوری:۴۰)۔

(اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے)۔

﴿فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم﴾(سورۂ بقرہ:۱۹۴)۔

(جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے)۔

اور حدیث میں ہے:

"لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه" (مستدرک حاکم:۲/۵۷)۔

(نہ ابتداءً نقصان پہنچایا جائے، اور نہ جواباً نقصان پہنچانے میں حد سے تجاوز کیا جائے، جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے اللہ تعالی اسے نقصان پہنچائیں گے، اور جو شخص کسی کو تنگی میں ڈالے اللہ تعالی اسے تنگی میں ڈال دیں گے)۔

یہ تو اس مسئلہ کا ایک سادہ پہلو ہے، لیکن ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ جو لوگ براہ راست ظلم میں شریک تو نہ ہوئے ہوں، مگر بالواسطہ ان کا ساتھ دیا ہو، یا ان کی تائید کی ہو، تو کیا وہ لوگ بالکل معصوم سمجھے جائیں گے؟ جبکہ جمہوری ملکوں میں اقتدار اعلی عوام کے پاس ہوتا ہے، عوام سیاسی امور میں رہنمائی اور نمائندگی کے لئے اپنے قائدین کو اقتدار حوالہ کرتے ہیں، اب اگر عوام کو معلوم ہے کہ فلاں پارٹی ایک خاص فرقہ کی دشمن ہے، اور ماقبل میں اس نے اس فرقہ کے خلاف زبردست تباہی مچائی ہے، اور منظّم طور پر نسل کشی کی ہے، پھر بھی وہاں کی عوام

ایسی فرقہ پرست اور ظالم پارٹی کو ووٹ دے، اور وہ پارٹی دوبارہ برسراقتدار آ کر ویسی ہی تباہی مچائے، تو کیا وہاں کی عوام کو ویسے ہی بے قصور سمجھا جائے گا؟

٦ - دہشت گردی کے اسباب ومحرکات:

دہشت گردی کے اسباب ومحرکات کا پتہ چلانا دراصل نفسیات کے ماہرین کا کام ہے۔ مختلف ممالک میں دہشت گردی کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، البتہ چند اسباب مشترک بھی ہیں، چنانچہ مندرجہ بالا ممالک کی سرکاری دہشت گردی کے چند اسباب یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

١ - مذہبی تنگ نظری اور عدم رواداری۔

٢ - اپنے مذہب اور تہذیب میں دوسروں کو ضم کرنے کی کوشش۔

٣- ملکی توسیع پسندی اور ہوسنا کی۔

٤ - دوسرے ممالک کے قدرتی وسائل پر غاصبانہ نظر۔

٥ - بہ طور خاص امریکہ اور برطانیہ کا پوری دنیا پر اپنی اجارہ داری، استعماریت اور برتری قائم کرنے کی کوشش۔

جبکہ انفرادی یا غیر سرکاری دہشت گردی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

٦ -حق وانصاف سے انحراف۔

٧ - مذہبی تعلیمات کی غلط تفہیم وتشریح اور غلط رہنمائی۔

٨ - احساس محرومی۔

٩ - قانونی راستہ سے حقوق حاصل کرنے اور ناانصافیوں کو دور کرنے میں رکاوٹ۔

١٠ - معاشی محرومی، یعنی کسی خاص قوم کو پسماندہ بنا دینے کی دانستہ کوشش۔

۱۱-سیاسی محرومی۔
۱۲-قومی ناانصافی، یعنی استحقاق کے باوجود کسی خاص قوم کو مراعات دینے سے گریز۔
۱۳-فرقہ وارانہ زیادتی، جیسے ۱۹۸۴ء کا سکھ مخالف فساد اور ملک میں مسلم مخالف فسادات اور نسل کشی کا وقفہ وقفہ سے جاری رہنا۔

دہشت گردی کا تدارک:

ہمیں اسلامی ہدایات کی روشنی میں ان اسباب و خصائل رذیلہ کے تدارک کی کوشش کرنی چاہئے، اور اس پیغام امن کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے: اسلام کی دعوت۔

یعنی یہ واضح کیا جائے کہ اسلام ہی نجات دہندہ اور مکمل مذہب ہے، دنیا میں وقفہ وقفہ سے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے، سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ انسانیت کو ایک اللہ کا فرمانبردار بنایا جائے، جس پیغام اور دین کو لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، وہ محمد عربی ﷺ پر مکمل ہوا، جس دین کی بنیاد سیدنا آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی، اس عمارت کی تکمیل آخری نبی سیدنا محمد ﷺ کے ہاتھوں ہوئی، اس کو حضور ﷺ نے خاتم النبیین کی مثال دیتے ہوئے بیان بھی فرمایا ہے، لہذا دین اسلام پچھلے تمام ادیان کا مجموعہ ہے، اور قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ، جامع ایڈیشن اور قیامت تک تبدیل نہ ہونے والا جدید نصاب ہے، اسی پر ایمان لانے میں آخرت کی کامیابی منحصر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وأنزلنا إليک الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه، فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم﴾(سورۂ مائدہ:۴۸)۔

(ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے، جو اپنے سے اگلی

کتابوں کی تصدیق کرنے والی اوران کی محافظ ہے، اس لئے آپ ان کے آپسی معاملات میں اللہ کی اسی اتاری ہوئی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کیجئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے)۔

آج خاص طور پر یہود ونصاری مسلمانوں کے خلاف دہشت پھیلا رہے ہیں، اس لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حکمت ومصلحت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے:

﴿یا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئاً، ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله، فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون﴾ (سورۂ آل عمران: ۶۴)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں، تو اگر وہ منہ پھیر لیں، تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں)۔

دوسرا کام صبر اور اللہ سے مدد کی درخواست ہے، یعنی حکمت عملی، فراست اور منصوبہ بند طریقہ اختیار کرتے ہوئے حق وصداقت پر جمے رہنا اور حالات کا پامردی اور حوصلہ مندی سے مقابلہ کیا جائے، اور اللہ سے بہتر نتیجہ کی امید رکھی جائے، جیسا کہ سیدنا موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿إستعينوا بالله واصبروا، إن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده، والعاقبة للمتقين، قالوا أوذينا من قبل أن تأتينا ومن بعد ماجئتنا ، قال عسىٰ ربكم أن يهلك عدوكم ويستخلفكم فى الأرض فينظر كيف تعملون﴾ (سورۂ أعراف: ۱۲۸، ۱۲۹)۔

(موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالی کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالی کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی، موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا، پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا)۔

دہشت پسندی کا ایک اہم سبب احساس محرومی و مایوسی ہے، اسلام اس منفی احساس کو ختم کرنے اور اللہ سے بہتر امید رکھنے کی تلقین کرتا ہے:

﴿لا تايئسوا من روح الله، إنه لا يايئس من روح الله إلا القوم الكافرون﴾(سورۂ یوسف:۸۷)۔

(اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں)۔

دہشت پسندی کی ایک اہم وجہ دنیا کی ہوسناکی بھی ہے کہ انسان دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے، اور اسے غیر معمولی اہمیت دیتا ہے، جب کہ اسلام کے مطابق دنیا ایک دھوکہ اور سراب کا سودا ہے:

﴿وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور﴾(سورۂ آل عمران:۱۸۵)۔

(اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے)۔

اس لئے کم از کم مسلمانوں کو تو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی کامیابی پر زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

اس موقعہ پر قرآن عظیم کی لمبی نصیحت نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں:

﴿إعلموا أنما الحياة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر فى الأموال والأولاد، كمثل غيث أعجب الكفار نباته ثم يهيج فتراه مصفراً، ثم يكون حطاماً، وفى الآخرة عذاب شديد و مغفرة من الله و رضوان، وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور، سابقوا إلى مغفرة من ربكم وجنة عرضها كعرض السماء والأرض، أعدت للذين آمنوا بالله ورسله، ذلک فضل الله يوتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم، ما أصاب من مصيبة فى الأرض ولا فى أنفسكم إلا فى كتاب من قبل أن نبرأها، إن ذلک على الله يسير، لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم، والله لا يحب كل مختال فخور﴾(سورۂ حدید: ۲۰-۲۳)۔

(خوب یادرکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل، تماشا، زینت اورآپس میں فخر وغروراور مال واولاد میں ایک دوسرے پر برتری جمانا ہے، جیسے بارش اوراس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہوجاتی ہے، تو زردرنگ میں تم اس کو دیکھتے ہو، پھر وہ بالکل چوراچورا ہوجاتی ہے، اورآخرت میں سخت عذاب، اللہ کی مغفرت اوراس کی خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں، دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اوراس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے، یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پراوراس کے رسولوں پرایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے، اوراللہ بڑے فضل والا ہے، نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے، نہ خاص تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے، تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہوجایا کرو، اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، اور ہر اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتا)۔

دہشت گردی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ انصاف پر قائم نہیں رہا جاتا، جب کوئی بڑا ملک،قوم یااس کا حلیف ظلم کرتا ہے، اورمظلوم انصاف حاصل کرنا چاہتا ہے،تو انصاف کا مطالبہ کرنے والوں کی آواز دہشت گردی معلوم ہونے لگتی ہے، لیکن جب کسی بڑے ملک پر ظلم ہوتا ہے،تو وہ اپنے حلیفوں اور دوسروں سے بے جا حمایت حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے، انصاف کے معاملہ میں اس طرح کا دوہرا معیار اختیار کرنے کے اسلام قطعاً خلاف ہے:

﴿یا أیہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للّٰہ ، ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین، إن یکن غنیاً أو فقیراً فاللّٰہ أولی بہما﴾ (سورۂ نساء:۱۳۵)۔

(اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودئ مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ تمہارے اپنے خلاف ہو، یا اپنے ماں باپ کے، یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص امیر ہو یا فقیر، دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿یا أیہا الذین آمنوا کونوا قوامین للّٰہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا، إعدلوا ہو أقرب للتقوی، واتقوا اللّٰہ إن اللہ خبیر بما تعملون﴾(سورۂ مائدہ:۸)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو، جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالی تمہارے اعمال سے باخبر ہے)۔

دہشت گردی کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر اپنا مذہب

اورتہذیب مسلط کرنے کی کوشش کرتی ہے،جبکہ اسلام مذہب کے معاملہ میں کسی جبر اور تسلط کو پسند نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿**لا إكراه في الدين، قد تبين الرشد من الغي، فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقی، لا انفصام لها، والله سميع عليم**﴾(سورۂ بقرہ:۲۵۶)۔

(دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے، اس لئے جوشخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے، اس نے بڑے مضبوط حلقہ کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا، اور اللہ تعالی سننے والا جاننے والا ہے)۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿**فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر، إنا اعتدنا للظالمين ناراً أحاط بهم سرادقها**﴾(سورۂ کہف:۲۹)۔

(جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، ظالموں کے لئے ہم نے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی)۔

دہشت گردی کے رجحان میں اضافہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی جان کے احترام کا تصور دلوں سے نکل گیا ہے، اس لئے کسی فرد یا قوم کو ایذا پہنچانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالی نے سارے ہی انسان کو یکساں بزرگی عطا کی ہے۔

﴿**ولقد کرمنا بنی آدم**﴾(سورۂ بنی اسرائیل:۶۹)(یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت عطا کی)۔

اللہ تعالی نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے، اور

ایک انسان کو زندہ رکھنے اور قتل سے بچانے کی کوشش کو پوری انسانیت کو قتل سے بچانے کے مماثل قرار دیا ہے:

﴿من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً﴾(سورۂ مائدہ:۳۲)۔

(جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو، یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کی زندگی بچالی)۔

دہشت گردی کے پس پردہ غاصبانہ ذہنیت بھی کارفرما ہوتی ہے، حدیث میں فرمایا گیا: ''جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین ناحق غصب کرلے تو اسے قیامت کے دن سات تہہ زمین میں دھنسایا جائے گا:''من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين'' (بخاری۵/۷۶، مسلم:۱۶۱۲)۔

۷-دفاع کی شرعی حیثیت:

اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال اور عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ حدیث سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ایسے موقعہ پر دفاع کرنے والا اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو اس کا مرتبہ شہید کے برابر ہوگا:

''من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد''(ترمذی:۱/۲۶۱)۔

(جو شخص اپنے مال کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور

جوشخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دفاع کرنے والا مجاہد کے درجہ میں ہے، دوسری احادیث میں دفاع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا ذکر ہے، مسلم کی حدیث میں دفاع کرنے کا حکم ہے:

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: "فلا تعطه مالک"، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: "قاتله"، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: "فأنت شهيد"، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: "هو في النار""(مسلم: کتاب الایمان؛ باب الدلیل علی أن من قصد)۔

(ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص میرا مال چھیننا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنا مال نہ دو، اس نے کہا: اگر وہ مجھ سے لڑنا شروع کر دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے لڑو، اس نے کہا: اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہوگے، اس نے پوچھا: اگر میں اسے قتل کر دوں تو اس کا کیا ہوگا؟ فرمایا: وہ جہنمی ہوگا)۔

اس کے برخلاف قرآن نے سیدنا آدمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے کہ ہابیل نے قابیل کا دفاع نہیں کیا، بلکہ اپنی جان اپنے بھائی کے حوالہ کر دی:

﴿لئن بسطت إليّ يدک لتقتلني، ما أنا بباسط يدي إليک لأقتلک، إني أخاف الله رب العالمين، إني أريد أن تبوء بإثمي وإثمک فتکون من أصحاب النار، وذلک جزاء الظالمين، فطوعت له نفسه قتل أخيه فقتله فأصبح من الخاسرين﴾ (سورۂ مائدہ: ۲۸-۳۰)۔

(گوتم میرے قتل کے لئے دست درازی کرو، لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنا

ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، میں تو چاہتا ہوں کہ تم میرا گناہ بھی اپنے سر پر رکھ لو، اور دوزخیوں میں شامل ہو جاؤ، ظالموں کا یہی بدلہ ہے، تو اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، اور اس نے اسے قتل کر ڈالا، جس سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا)۔

اسی طرح صحیحین کی روایت میں ہے: ''اور لوٹ کھسوٹ کرنے والا جب لوٹ کھسوٹ کرتا ہے، ایسی حالت میں کہ لوگ خوف و دہشت کے مارے مایوسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے ہوں، تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا (بخاری و مسلم)۔

علماء نے اس پر بحث کی ہے، بلوغ المرام کے شارح علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (متوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

"وفی الحدیث دلیل علی جواز المقاتلة لمن قصد أخذ مال غیره قلیلاً کان المال أو کثیراً، وهذا قول الجماهیر"(سبل السلام ۳/ ۴۹۳)۔

(ایسے شخص سے لڑائی جائز ہونے پر یہ حدیث دلیل ہے، جو کسی دوسرے کا مال لینے کا ارادہ کرے، خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ جمہور علماء کا قول ہے)۔

آ گے علامہ صنعانی نے دفاع نہ کرنے کے جواز پر بھی بحث کی ہے:

"فهل یجوز له، أی لمن یراد أخذ ماله ظلماً الاستسلام وترک المنع بالقتال؟ الظاهر جوازه ویدل له حدیث: "فکن عبد الله المقتول"فإنه دال علی جواز التسلیم فی النفس، والمال بالأولی، فیحمل قوله هنا: "ولا تعطه" علی أنه نهي لغیر التحریم"(سبل السلام ۳/ ۴۹۳)۔

(کیا ایسے شخص کے لئے جس کا مال زبردستی لینے کا ارادہ کیا جائے کوئی مزاحمت نہ کرنا جائز ہوگا؟ بہ ظاہر اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، حدیث کے لفظ ''تم اللہ کے مقتول بندے بن

جاؤ'' سے اس کی تائید ہوتی ہے، یہ جان کے بارے میں عدم مزاحمت کے جواز کی دلیل ہے، تو مال کے بارے میں بہ درجہ اولی جائز ہوگا، لہذا حدیث کا لفظ'' اس کو اپنا مال نہ دو'' نہی لغیرہ کے درجہ میں شمار کیا جائے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دفاع کرنا بھی جائز ہے اور دفاع نہ کرنا بھی جائز ہے، اور یہ مبتلیٰ بہ کے حالات پر موقوف ہے، اگر دفاع کرنا مسلمانوں کی مصالح کے پیش نظر بہتر ہو، تو ضرور دفاع کرنا چاہئے، اکثر و بیشتر دفاع کرنے کی بنا پر یا دفاع کے لئے مستعد و تیار رہنے کی بنا پر دشمنوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی ہے، لیکن اگر کہیں مسلمان دفاع کرنے کے موقف میں نہ ہوں، اور وہ مصالحت کا طریق کار اپنانے کی کوشش کریں، تو ان کو دفاع نہ کرنے کا گناہ بھی نہ ہونا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دفاع کی حدود کیا ہیں؟ دفاع کی ذمہ داری تو سب سے پہلے خود شہری پر عائد ہوتی ہے، پھر سرکاری انتظامیہ اور عدالت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ جس جگہ وہ اقامت پذیر ہوں، وہاں امن کمیٹی قائم کریں، پھر سرکاری انتظامیہ کی مدد لیں، اگر انتظامیہ نا قابل بھروسہ ہو یا جانب داری برتے، تو ایسی صورت میں عدالت / انسانی حقوق کمیشن / قومی اقلیتی کمیشن وغیرہ سے رجوع ہوں، گجرات کے واقعہ کے بعد اب مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ عدالتوں کے ذریعہ یا آئینی اداروں کے ذریعہ مسلمانوں / اقلیتوں کے تحفظ کے لئے از سرنو لائحہ عمل مرتب کروانے کی کوشش کریں، کیونکہ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے اب تک جو منصوبہ تیار کیا گیا، تقریباً سب ہی نا کام ہو چکا ہے۔

امن وسلامتی کا مذہب اسلام

ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی، شام
اردو ترجمہ: صفدر زبیر ندوی

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه وبعد۔

زیرنظر تحریر میں ان سوالوں کے جوابات پیش کئے گئے ہیں جو موجودہ مفہوم میں دہشت گردی کے بارے میں اسلامی موقف کو واضح کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں، اس کا مقصد حقیقت کا اظہار اور ان اتہامات کی تردید ہے جنہیں مغربی نشریاتی ذرائع نے امریکہ کی قیادت میں پھیلائے ہیں، اور اس مسئلہ کے تعلق سے تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے حکم شرعی کو واضح کرنا ہے تاکہ انصاف پسند حضرات کے سامنے یہ بات کھل کر آ جائے کہ اسلام کسی بھی شکل میں موجودہ دہشت گردی کے مفہوم کو قانوناً اور عملاً کسی طرح تسلیم نہیں کرتا ہے، اور یہ بھی کہ مسلمان جو سچ میں مسلمان ہیں، کوئی دہشت گردانہ کارروائی نہیں کرتے ہیں، اگر بعض مسلمان کبھی کبھار اس قسم کی کارروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں تو اس کے کچھ خارجی اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بعض اجڈ اور آوارہ قسم کے لوگ مجرمانہ کارروائیاں کرتے ہیں، جن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ نشیلی اشیاء کے استعمال کے نتیجہ میں عقل وشعور سے بیگانہ ہوتے ہیں، ان جوابات میں ہم یہ بتائیں گے کہ دہشت گردی کے صحیح علمی مفہوم کو جاننا ضروری ہے، نہ کہ اس مطلب کو جاننا

ضروری ہے جسے امریکہ اور عالمی صہیونیت اور دوسرے مما لک بغیر کسی ٹھوس دلیل کے رواج دینا چاہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ مطلب الٰہی قانون، بین الاقوامی قانون اور وضعی قانون سب سے متعارض ہے۔

۱-اسلامی نقطہ نظر سے ارہاب (دہشت گردی) کی تعریف اور اس کی حقیقت کیا ہے:

ارہاب (دہشت گردی) لغت میں ڈرانا یا دھمکانا ہے اور دبدبہ قائم کرنا اور دہشت پھیلانا ہے، اور یہ دوران جہاد یا قتال اور جنگ کے میدانوں میں درست ہے۔ تا کہ اس کے ذریعہ دشمن پر فتح حاصل کی جا سکے، اور یہ چیز قابل قبول بھی ہے اور عقل کو لگتی ہوئی بھی ہے۔ اس لئے کہ قتال کرنے والا خواہ اس کا عقیدہ یا مذہب کچھ بھی ہو جنگی معرکہ آرائیوں میں فتح کو زبردستی حاصل کرنا چاہتا ہے اور شکست سے خوف کھاتا ہے، اور یہی اس آیت کریمہ کا مطلب ہے:"**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم**" (انفال ر۶۰) یعنی معرکہ کے میدانوں میں قوۃ و طاقت اور غلبہ کا مظاہرہ کرنا ایک فطری، منطقی اور بدیہی امر ہے۔ یہی وہ مفہوم ہے جس کی بنیاد پر معاصر مما لک طاقتور لشکر تیار کر رہے ہیں اور مختلف قسم کی نئی ٹکنالوجی سے لیس اور خطرناک ہتھیار حاصل کر رہے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کو روکیں اور دوسروں کو خوف زدہ کریں، تا کہ وہ ان کے ملک پر زیادتی کرنے اور ان کے حقوق چھیننے کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔

اسلام میں جہاد کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ وہ کسی مسلم حکومت کی قیادت میں اعلانیہ ہو نہ کہ کسی فرد کی قیادت میں۔

اور ارہاب (دہشت گردی) کا موجودہ مفہوم یہ ہے کہ یہ ہر قسم کا ظلم و زیادتی کرنا، یا خوف زدہ کرنا، یا ہلاکت میں ڈالنا ہے، یا ملک کے مصالح کو بغیر کسی حق کے چھیننا، جبکہ عملی یا اعلانیہ جنگ کا کوئی وجود نہ ہو۔

اس وقت ارہاب جس کا مفہوم آج کل مشہور ہے یہ اس جہاد سے الگ ہے جو ایک شرعی اور قانونی جنگ ہے جو ناحق نہیں ہوتا ہے اور جہاد کے ساتھ حق کا پایا جانا لازم ہے، جبکہ ارہاب سرے سے حق ہے ہی نہیں۔

لیکن بعض مما لک اور خاص طور سے بڑے مما لک دہشت گردی کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں خواہ وہ حق ہو یا ناحق، اور خواہ وہ مقابلہ و دفاع کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں، اور ایسے وقت میں موجودہ طاقتور مما لک کے نزدیک اِرہاب کا مفہوم اس مفہوم سے مختلف ہو جاتا ہے جو اسلام میں منطقی اور عقلی اعتبار سے بھی اور عالمی قانون کے ماہرین کے نزدیک صحیح ہے۔

اسلام، عقل یا عالمی قانون ہر ایک حقوق اور غصب شدہ ملک پر ہونے والی زیادتی کے خلاف جائز دفاع کے لئے ارہاب (دہشت گردی) کو صحیح قرار دیتے ہیں، لہذا ظلم وعدوان کے خلاف مزاحمت مشروع ہوگی، لیکن ناحق ظلم وزیادتی مشروع نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا تعریف سے واضح ہوتا ہے۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عالمی عمومی قانون کے ماہرین کی اصطلاح میں ارہاب ایک پرتشدد عمل ہے، جس کے پیچھے سیاسی جذبہ کارفرما ہو، خواہ اس کے ذرائع کچھ بھی ہوں، اور جس کی وجہ سے کسی متعین طبقہ کے لوگوں میں ڈر اور خوف پھیل جائے، شرط یہ ہے کہ مذکورہ کارروائی کسی ایک ملک یا دوسرے مما لک کے حدود کو پار کر جائے، یہ کارروائی خواہ امن کے زمانہ میں انجام دی گئی ہو یا مسلم جھڑپ کے زمانہ میں (۱)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ارہاب کے بین الاقوامی غیر جانبدارانہ مفہوم میں منظّم ارہاب کی مختلف قسمیں مثلاً: انفرادی، بین الاقوامی، سیاسی، مصلحتی، اقتصادی، اعتقادی یا مذہبی، یہ سب داخل ہیں، اور اس کے ایک سے زائد اسباب ہوتے ہیں لیکن نتیجہ ایک ہوتا ہے، اور وہ نتیجہ کچھ حلقوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا یا تخریب کاری کرنا ہوتا ہے، خواہ یہ اقدامی ہو یا مخالف شکن

دہشت گردی ہو، جبکہ اس کا مقصد نفس یا مال یا وطن یا عزت وحرمت کی طرف سے دفاع کرنا نہ ہو، اس لئے کہ دفاع کرنے والا اپنے عمل میں حق بجانب ہوتا ہے اور اپنے ردعمل میں معذور ہوتا ہے، اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ارہاب اپنے محرکات، منہج، طریقہ کار اور اہداف کے اعتبار سے ایک غیر مشروع عمل ہے، لیکن مقابلہ آرائی کرنا ایک جائز حق ہے کہ اپنے وجود، نفس، وطن، عزت وحرمت، مال ودولت اور دوسرے حقوق کی طرف سے دفاع کرے۔

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عالمی یا ملکی دہشت گردی یعنی تشدد یا ظلم وزیادتی یا مجرمانہ کارروائی کو کوئی شرعی جواز حاصل نہیں ہے، خواہ یہ سیاسی اسباب کی وجہ سے ہو یا جابرانہ نظام کے ساتھ جنگی کارروائی کے مقصد سے ہو، یا اعتقادی یا وطنی محرکات کی بنیاد پر ہو۔

ارہاب کا یہی وہ مفہوم ہے جس کو اسلام بیان کرتا ہے، اور عالمی قانون کے اعتدال پسند ماہرین اور دانشوروں کے نزدیک اپنے اسی مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ اس لئے عالمی نظام یا اقوام متحدہ کا موجودہ چارٹر یہ دونوں ہی نفس اور وطن کی طرف سے دفاع کرنے کے اصول کو مانتے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق اس کے دلائل بہت ہیں، مثلاً جہاد جو کہ ظلم وعدوان کو روکتا ہے، کے ضابطہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: ”**وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین**“ (بقرہ/۱۹۰) یعنی قتال دفاع کرنے کے لئے اور ظلم وزیادتی کرنے کی صورت میں ناجائز ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی ہے: ”**لا یحل لمسلم أن یروّع مسلماً**“ (۲) (کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے) اگر چہ بطور مذاق ہی ہو، جیسے تلوار یا لوہے یا سانپ کے ذریعہ اشارہ کرنا، یا اس کا سامان لے لینا کہ اس کے گم ہوجانے کی وجہ سے وہ گھبرا اٹھے، کیونکہ اس میں اس کو ضرر اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہے، اور

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں (۳)، شارحین حدیث یہی بات کہتے ہیں۔ اور یہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو شامل ہے، اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک انسان ہے جسے اللہ نے معزز بنایا ہے، جس کی اللہ نے تکریم کی ہے، اور اس کے نفس، دین، عقل، عزت وآبرو اور مال کے اندر اس کے حقوق کی حفاظت کی ہے، اور اس لئے کہ اسلام نے انسان کے تمام حقوق کی حفاظت کی ہے، خواہ اس کا دین یا مذہب کچھ بھی ہو، اسی طرح اسلام نے کسی انسان پر ہر قسم کے ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ ظلم خود اپنی ذات میں ایک جرم یا جنایت ہے، جس کو کوئی دین یا کوئی آسمانی مذہب صحیح نہیں سمجھتا ہے۔

۲- یہ حقیقت ہے کہ حکومتیں بعض اوقات اپنے ہی ملک کے رہنے والی تمام جماعتوں کے ساتھ عدل و مساوات کا معاملہ نہیں کرتی ہیں، بلکہ بعض جماعتوں کے حق میں سیاسی اور اقتصادی طور پر ظلم روا رکھا جاتا رہا ہے، اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے جان و مال کے تحفظ میں قصداً کوتاہی برتی جاتی ہے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں کہ جن کے ذریعہ اس گروپ کو جانی و مالی نقصانات پہنچائے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومتوں کے ان غیر عادلانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی کہا جائے گا؟

بلا شبہ موجودہ دہشت گردی کا منشا حکومت کو ہدف بنانا ہوتا ہے، خواہ دہشت گردانہ کارروائی کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر کی جائے یا خود اپنے ہی ملک کے اندر کی جائے، عام طور پر مخالفانہ دہشت گردی کے محرکات کسی حکومت کا دوسری حکومت پر یا خود اپنے باشندوں پر ظلم کرنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں یہ حکومت سیاسی یا اقتصادی ظلم برپا کرنے لگتی ہے جس کا نشانہ اس ملک کی سرزمین میں رہنے والے بعض گروپ بن جاتے ہیں، اور اس کے بعد بعض شر پسند عناصر کو یہ اشارہ دے دیا جاتا ہے کہ وہ ایک متعین گروپ کی عبادت گاہوں، اداروں، تنظیموں اور افراد پر ایک خاص انداز سے ظلم کریں، اور حکومت بھی جان بوجھ کر چشم پوشی

سے کام لیتی ہے اور عمداً ملک کے کچھ باشندوں پر بعض باشندوں کی طرف سے ہونے والی مجرمانہ کارروائیوں پر چپ سادھ لیتی ہے۔ تاکہ انہیں نقصان پہنچایا جائے، یا ان کو ذلیل کیا جائے یا انتقام کے ارادے سے سخت تعصب اور بغض وکینہ سے پر جذبات کے ذریعہ ان کو غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کردیا جائے۔

یہ تمام چیزیں دہشت گردی کے دائرہ میں آتی ہیں، اس لئے کہ یہ سب حکومتوں کا مہلک یا ظالمانہ موقف ہیں، اس کے باوجود مصلحت اور اسلامی منطق یہ نہیں ہے کہ ظلم کا علاج اسی طرح کے ظلم سے کیا جائے، کیونکہ اس کی وجہ سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس کے شعلے پھیلتے چلے جاتے ہیں، اور پھر ضرر اور تکلیف عام ہوجاتی ہے، اور تمام باشندوں کو اس اندھے فتنہ یا کبھی کبھی تھوپے گئے فتنہ کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

۳- اگر کسی جماعت یا گروہ پر ظلم کیا جائے تو کیا اس کے خلاف احتجاج کرنا یا کسی ردعمل کا اظہار کرنا جائز ہے یا واجب؟ اس سوال پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس دوسرے پہلو کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ کیا ظلم کے خلاف کسی مظلوم کا اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی میں شمار کیا جائے گا؟

الف- ظلم کے خلاف ردعمل کا اظہار یا نفس اور حقوق کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے، اگر ردعمل کے اظہار پر قدرت رکھتا ہو، لیکن یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ پہلے صورتحال کا جائزہ لیا جائے، طاقتوں کا موازنہ کیا جائے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا اندازہ کرلیا جائے، اس لئے کہ اس قسم کی کارروائیوں میں حکمت مطلوب ہے، اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے جبکہ جان جانے کا گمان غالب ہو، لیکن اگر غالب گمان یہ ہو کہ دفاع کرنا ظالم کو لگام دیدے گا اور اس کو ایک حد پر روک دے گا تو اس پر اقدامی کارروائی کرنا واجب ہوگا، اور اس کارروائی میں کوئی پس وپیش نہ کرے، اور اگر دفاع کرنے والے کو تکلیف پہنچنے کا یقین ہو یا ضرر لاحق ہونے کا گمان غالب ہو تو بہتر یہ ہے کہ صبر اور انتظار کرے، یہاں تک کہ کوئی مناسب

موقع ہاتھ آ جائے۔

قدرت ہونے کی صورت میں دفاع کرنے کی اجازت کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:"**لا یحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم و کان الله سمیعاً علیماً**" (سورۂ نساء:۱۴۸)۔

ب-ظلم کو روکنا یا نفس، یا انسانی یا دینی شرافت وکرامت کی طرف سے دفاع کرنا حنابلہ کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے، اس لئے کہ یہ ظالم کو روکنا، اس کی تنبیہ کرنا اور اس کو مستقل ظلم کرنے سے باز رکھنا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں دفاع پر قدرت کے وقت مظلوم کی قوت کا احساس دلانا ہے، یہاں تک کہ اگر دفاع کرنے والا مر جائے تو وہ شہید مرے گا، اور ظلم کرنے والا جہنم میں جائے گا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

اسی بنیاد پر دفاع کرنا یا ظلم کو روکنا ارہاب کے مفہوم میں آتا ہی نہیں ہے، جس کا صحیح معنی اسلام میں اور اہل علم ودانش کے نزدیک اور عالمی قانون میں کیا گیا ہے، جیسا کہ ارہاب کے مفہوم کی تعریف میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے، لیکن ظلم اور شر کی پشت پناہی کرنے والے لوگ دفاع کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں، تا کہ ان کا تسلط برقرار رہے، ان کا دائرہ اختیار زیادہ سے زیادہ ہو، دنیا میں تنہا ان ہی کو سطوت و برتری حاصل رہے، اور خود کو بڑا سمجھنے والے ملک کے اقتصادی مصالح کو تحفظ ملے، اور طاقتور ممالک خاص طور سے امریکہ کا کمزور ممالک خاص طور سے اسلامی ممالک واقوام پر کنٹرول ہو، یہ ایک طرح کا غرور اور تکبر ہے، اور اس میں طاقتور کا کمزور پر تسلط حاصل کرنا ہے، اور اللہ تعالی ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

۴-اگر ایک گروہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جسے اس گروہ کے بعض افراد نے انجام دیا ہو تو کیا مظلومین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ظالم گروہ کے ان معصوم افراد سے بدلہ لیں جو اس ظالمانہ کارروائی میں ملوث نہیں تھے؟

اسلامی شریعت میں معصوم افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ خود قاتل سے بھی نہیں، بلکہ معاملہ ملک کے محکمہ قضا کے سپرد کیا جائے گا، تا کہ فتنہ کو بھڑ کنے، اور شر کے جاری رہنے، اور قتل و غارتگری کے پھیل جانے کو روکا جاسکے، اور حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ مظلومین کی حفاظت کرے، ان کی طرف سے دفاع کرے، اور شر پسندوں کو ان پر تسلط حاصل کرنے سے باز رکھے۔

معصوم افراد پر ظلم و زیادتی کرنا عہد جاہلی کی خصلت ہے اور انارکی پھیلانے والی تنظیموں کی عادات میں سے ہے، اسی بنیاد پر اسلام میں قصاص کا قانون ہے، جو عدالت سے صرف قاتل کے قتل کے لئے صادر ہوتا ہے اور وہ مساوات پر مبنی ہوتا ہے، اور قاتل کے بدلہ ایک سے زائد شخص کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عدالت کی کارروائی صرف ظالموں سے متعلق ہوگی، ایسے لوگوں سے نہیں جو ظالم نہ ہوں اور افراد کے لئے شرعا یہ درست نہیں کہ وہ خود ظالم کو قتل کریں تا کہ انارکی کو روکا جاسکے، جب کسی شخص یا گروہ کے خلاف جو جرم ثابت ہو جائے تو اس کے جرم کے بقدر ہی سزا واجب ہوگی، دوسرے افراد کو سزا دینا درست نہیں جنہوں نے ظلم و سرکشی نہ کی ہو۔ اور یہ وہ بلند تہذیبی مظہر ہے جسے اسلام نے دکھایا ہے۔ اور جہاں تک مثل کے ذریعہ معاملہ کے اصول کی بات ہے تو وہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان جاری جنگ کے دوران برتا جاتا ہے۔

۵- جہاں بھی دہشت گردانہ کارروائی ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ اسباب و محرکات ہوتے ہیں، مثلاً کسی گروہ کے حق میں سیاسی یا اقتصادی ظلم پایا جائے یا کوئی گروہ قوت و طاقت کے بل بوتے پر حکومت اور اس کے اقتصادی وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہو تو ان اسباب کے علاج کے تعلق سے اسلام کیا رہنمائی پیش کرتا ہے؟

یہ صحیح ہے کہ ارہاب کے متعدد اسباب ہوتے ہیں، مثلاً سیاسی، اقتصادی، سماجی، نسلی،

مذہبی، طبقاتی یا آزادی سے متعلق اسباب، ارہاب کی جڑیں انہیں اسباب میں پوشیدہ ہیں، اس کا علاج حکمت، اطمینان بخش طریقہ یا تعمیری گفتگو کے ذریعہ یا ایسی کارروائی کرنے والوں کے سربراہوں کے ساتھ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کا فتنہ، سازش یا ظلم کرانے کے پیچھے ہاتھ ہوتا ہے، سنجیدہ ملاقاتوں کے ذریعہ کیا جانا چاہئے، اور یہ جبکہ کسی مثبت نتیجہ تک پہنچنے کی امید ہو، اور ساتھ ساتھ گفتگو کو آگے بڑھانے اور ان امور کو سلجھانے کے لئے نمایاں حیثیت والے اور قدرت رکھنے والے ایک گروہ کو تیار کیا جائے، تاکہ دہشت گردی کا جڑ سے خاتمہ ہو جائے۔

دہشت گردانہ عمل مثلاً تباہ و برباد کرنا، تخریب کاری کرنا، اور قتل وغیرہ کرنا، ان کے ذریعہ ظلم کا علاج کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس جیسی کارروائی مسئلہ کو حل نہیں کرتی ہے بلکہ اس میں درندگی اور بدخلقی کا اضافہ کرتی ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ہمیں کوئی ایسی واضح مثال نہیں ملی جس میں دہشت گرد اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کی وجہ سے کوئی نتیجہ برآمد کر سکے ہوں۔

بلاشبہ آپسی امن پسندی، باہمی گفتگو اور اچھی کوششیں ہی اسلام اور دوسری معتبر تنظیموں میں مشکلات کو حل کرنے اور تنازعات کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

اگر ان تمام پرامن وسائل کے استعمال کے باوجود مایوسی پیدا ہو جائے، اور ظالم لوگ اپنے مقصد کے حصول میں لگے رہیں، اور اہل عقل و دانش اور اعتدال پسند حضرات کی آواز کا کوئی مثبت جواب نہ ملے تو اس وقت ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ظلم کا دفاع اسی طرح کے ظلم کے ذریعہ کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ جان اور جسم اور مقدس مقامات کی طرف سے دفاع کرنا شرعی اعتبار سے بھی اور منطقی اعتبار سے بھی جائز ہو جاتا ہے............۔

۶- اگر کسی جماعت یا فرد کی جان، مال، عزت وکرامت پر ظلم و زیادتی ہو تو اس کی طرف سے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ کیا دفاع یعنی طاقت کا استعمال واجب ہے یا یا مباح یا

مندوب؟ نیز حق دفاع کے حدود کیا ہیں؟

مختلف تنظیمیں اور قوانین، جان یا مال یا عزت وعصمت یا شرافت وکرامت کی طرف سے شخصی دفاع کے حق کو تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح اسلام دفاع کو اور ظلم کا جواب دینے کو اتنی ہی مقدار میں جائز قرار دیتا ہے جتنی کہ غلبہ ظن کے مطابق ظلم کا دفاع کرنے کے لئے لازم ہے، اگر ممکن ہوتو الاخف فالاخف کے اصول کو برتے، لہذا پہلے بات سے اور دوسروں کی مدد کے ذریعہ دفاع شروع کرے، پھر ہاتھ سے پٹائی کے ذریعہ، پھر کوڑے کے ذریعہ، پھر لاٹھی کے ذریعہ، پھر کوئی عضو کاٹ کر، پھر قتل کے ذریعہ دفاع کرے اس قاعدہ شرعیہ پر عمل کرتے ہوئے: ''ضرر کو ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا'' اور جب اخف کے ذریعہ مقصد حاصل ہوسکتا ہوتو اشد پر عمل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح اس قاعدہ پر عمل کیا جائے کہ ضرورت یا حاجت کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے گا، اگر ظلم یا شر سے بھاگ کر یا قلعہ یا گھر یا جماعت میں پناہ لے کر چھٹکارا ممکن ہوتو ایسا کرنا واجب ہوگا، اور ظالم کو قتل کرنا حرام ہوگا، اس لئے کہ مظلوم کو **الأھون فالأھون** کے ذریعہ اپنی جان بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور دفاع کرنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں، الا یہ کہ وہ دفاع شرعی حدود سے تجاوز کرے تو اس وقت تجاوز کرنا جرم سمجھا جائے گا، اور اس کے بارے میں جنائی قانون اور شہری قانون دونوں اعتبار سے پوچھا جائے گا۔

حق دفاع کے حدود یا اس کی شرطیں چار ہیں (۴)۔

۱- یہ کہ ظلم یا جرم کا وقوع ہو۔

۲- یہ کہ ظلم کا وقوع بالفعل ہو نہ کہ تاخیر سے ہو اور اس کی صرف دھمکی دی گئی ہو۔

۳- یہ کہ اشد طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے اسہل طریقہ سے ظلم کا دفاع کرنا ممکن نہ ہو جیسا کہ گزرا۔

۴- یہ کہ اتنی ہی طاقت سے ظلم کا دفاع کیا جائے جتنا کہ اس کے دفاع کرنے کے لئے لازم ہو، یعنی اتنی ہی مقدار میں جتنی کہ ظلم یا زیادتی کو روکنے کے لئے غلبہ ظن کے مطابق لازم ہے، اور الایسر فالایسر کے ذریعہ پھر اشد کے ذریعہ۔

اور جہاں تک اس حق کے واجب اور مباح اور مندوب ہونے کی حیثیت کا تعلق ہے تو وہ دفاع کی نوعیت کے مطابق ہوگی (۵)۔

اگر معاملہ نفس کی طرف سے دفاع کا ہو تو یہ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ) کی رائے میں واجب ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (سورہ بقرہ:۱۹۵)، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله" (سورہ حجرات:۹)۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دفاع کرنے والے پر شہری قانون یا جنائی قانون کسی ناحیہ سے بھی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ بغاوت کرنے والے کا خون رائیگاں ہے۔

امام احمد کی رائے یہ ہے کہ نفس کی طرف دفاع کرنا جائز یا مباح ہے واجب نہیں ہے، اس لئے کہ فتنہ پیدا ہو جانے کی صورت میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنے گھر میں بیٹھے رہو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ نفس کی شعاعیں تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دیں گی، تو اپنے چہرہ کو ڈھک لو"، اور ایک روایت میں ہے: "اگر فتنہ پیدا ہو تو اس میں اللہ کا مقتول بندہ بنو، قاتل مت بنو" (۶)۔

اگر معاملہ عزت کی طرف سے دفاع کا ہوتو فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت یا مرد پر دفاع کرنا واجب ہے اگر ایسا کرنا ممکن ہو، اس لئے کہ دفاعی عمل کو چھوڑ دینے سے ظالم کو طاقت ملے گی، اور ظالم کو قتل کرنا جائز ہے، اگر وہ قتل کر دیا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہوگا جبکہ قتل کے ذریعہ سے ہی اس کا دفاع کرنا ممکن ہو۔ اور مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں دفاع کرنے والے سے نہ جنائی قانون کے تحت اور نہ شہری قانون کے تحت کوئی پوچھ گچھ ہوگی، لہذا اس سے نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ اس کے لئے کوئی دیت ہوگی، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو اپنے اہل وعیال کی خاطر قتل کیا جائے تو وہ شہید ہوگا'' (۷)۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات

حواشی:

۱-الارہاب الدولی-دراسۃ قانونیۃ ناقدۃ: ڈاکٹر محمد عزیز شکری، ص/ ۲۰۴، طبع دار العلوم للملایین ۱۹۹۱ء۔

۲-حدیث حسن ہے، اس کی روایت امام احمد، ابوداؤد، اور طبرانی نے متعدد صحابہ کے واسطے سے کی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ان میں سے ایک آدمی سو گیا، کسی صحابی کے پاس رسی تھی، اس سے ان کو جکڑ دیا گیا، تو وہ صحابی اس کی وجہ سے خوف زدہ ہو گئے، پھر اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا۔

۳-فیض القدیر ۶/ ۴۴۷۔

۴-التشریع الجنائی الاسلامی: استاذ عبد القادر عودۃ، ۱/ ۵۷۸، مقالہ نگار کی کتاب نظریۃ الضرورہ الشرعیۃ، ص/ ۱۳۶۔

۵-نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ، ص/ ۱۳۶-۱۴۰۔

۶-اس حدیث کی روایت ابن ابی خیثمہ اور دارقطنی نے عبداللہ بن جناب بن الارت سے کی ہے۔

۷-اس حدیث کی روایت ابوداؤد اور ترمذی نے کی ہے، اور ترمذی نے اسے سعید بن زیدؓ کے واسطہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

عالمی امن کا اسلامی نظریہ

مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

موجودہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے خاص طور پر ۱۱ر ستمبر کے حملوں کے بعد دہشت گردی (Terrorism)، تشدد (Violence)، بنیاد پرستی (Fandamantalism)، انتہا پسندی وغیرہ کو خوب موضوع بنایا ہے، لطف یہ ہے کہ شر پسند عناصر اور مذہب بیزار لوگ دہشت گردی کے ڈانڈے مذہب سے خصوصاً اسلام سے ملاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری دنیا کی قومیں مسلمانوں کو دہشت گرد، تشدد پسند نہ صرف خیال کرتی ہیں بلکہ اسلام کا مترادف ''دہشت گردی''، ''بنیاد پرستی''، ''انتہا پسندی'' اور ''تشدد'' ہی سمجھتی ہیں، دہشت گردی (Terrorism) کیا ہے؟ اسلامی تعلیمات اس کے متعلق کیا ہیں؟ آئندہ سطور میں اس کا ایک طالب علمانہ جائزہ پیش ہے:

دہشت گردی (Terrorism) کیا ہے؟

''دہشت گردی'' فارسی کا لفظ ہے، اس کے لئے عربی میں ''ارہاب'' اور انگریزی میں (Terrorism) کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے، لیکن یہ کیا چیز ہے؟ یہ سوال ابھی تک چیستاں ہے، اقوام متحدہ نے اپنے اجلاس مؤرخہ ۱۸ر ستمبر ۱۹۷۲ء سے لے کر ۷ر دسمبر ۱۹۸۷ء تک پندرہ

سال دہشت گردی کی تعریف میں گزارے مگر'' ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا''، یعنی دہشت گردی کی تعریف اور اس کے سیاسی انطباق پر اب تک اتفاق نہ ہو سکا، انڈین نیشنل سیکورٹی گارڈ ایکٹ ۱۹۸۶ میں دہشت گردی کی تعریف یہ کی گئی ہے:

دہشت گرد ایسا شخص ہے جو کسی قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مرعوب و معطل کرنے کی غرض سے یا عوام یا ان کے طبقہ میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے بم، ڈائنامائیٹ، یا آتش گیر اشیاء، یا پھٹ پڑنے والی اشیاء گولی چلانے والے ہتھیار یا دوسرے قاتلانہ ہتھیار، زہریلی گیس یا دیگر خطرناک وتباہ کن مادہ کا اس طرح استعمال کرتا ہے جو کسی کے زخمی ہونے یا مال واسباب کی تباہی یا قوم کی زندگی کی ضروریات کی ترسیل کے نظام کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ ہے (Mr. D.P. Sharma: Countering Terrorism)-

F.B.I. کی تحقیق کے مطابق دہشت گردی کی تعریف یہ ہے:

''إنه استعمال أو التهديد باستعمال غير مشروع للعنف ضد أشخاص أو ممتلكات لتخويف أو إجبار حكومة أو المدنيين كلهم أو بعضهم لتحقيق أهداف سياسية أو اجتماعية'' (الارہاب تعریفہ ومسبباتہ: ڈاکٹر جعفر ادریس، ص ٦)۔

''یعنی کچھ سیاسی واجتماعی مقاصد کے حصول کے پیش نظر پورے سماج کو یا کچھ لوگوں پر یا کسی حکومت پر دباؤ ڈالنے یا دہشت پیدا کرنے کے لئے کچھ افراد یا اموال وجائداد کے خلاف غیر قانونی تشدد کا استعمال یا استعمال کی دھمکی کا نام دہشت گردی ہے''۔

امریکن کانگریس کے نزدیک دہشت گردی یہ ہے:

''إانه عنف واقع عن قصد وترو وبدوافع سياسية تستهدف به منظمات وطنية صغيرة أو عملاء سريون جماعة غير محاربة يقصد منه فى الغالب التأثير على مستمعين أو مشاهدين'' (الارہاب تعریفہ ومسبباتہ ص ٦)۔

انسائیکلوپیڈیا(ENCARTA) کے مطابق:

"إنه استعمال العنف أو التهديد باستعمال العنف من احداث جومن الذعر بين أناس معينين يستهدف العنف الإرهابی مجموعات وثنية أو دينية أو حكومات أو أحزاب سياسية أوشركات أو مؤسسات إعلامية"(الارہاب تعریفہ ومسبباتہ/ص٦)۔

تنقید و تبصرہ:

جب ہم دہشت گردی کی مذکورہ تعریفات پرنظر ڈالتے ہیں تو اس کا مفہوم انتہائی ناقص بلکہ جانبدارانہ نظر آتا ہے، دہشت گردی کی آج تک متفق علیہ تعریف نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں عوامی وسرکاری اور انفرادی واجتماعی دہشت گردی کے درمیان امتیاز کی بات کی جاتی ہے، دوسرے مختلف ممالک واقوام اپنے متضاد اغراض ومقاصد کے تحت ایک دوسرے کے خلاف دہشت گردی کا الزام رکھتے ہیں، چونکہ دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کے سارے افعال مجرمانہ نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس میں تشدد (Violence) اور تشدد کی دھمکی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ دہشت گردی اور تشدد کی زد براہ راست نہتے اور بے قصور، غیر محفوظ عوام پر پڑتی ہے، اس لئے دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کا مفہوم ''ارہاب'' سے ادا نہیں ہوتا بلکہ لفظ ''عدوان'' کی صفت سے مقید کرنا ضروری ہے، موجودہ میڈیا نے جس چیز کو دہشت گردی سے تعبیر کیا ہے اس کی فطرت میں غالب عنصر ظلم وتعدی کا ہے، اور اس کی فطرت تقریباً وہ ہے جس کو قدیم علماء سیاست ''استبداد'' سے تعبیر کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"وفی اصطلاح السياسيين الاستبداد هو تصرف فرد أو جمع فی حقوق قوم بلا تبعة وقد تطرق مزيدات على هذا المعنى فيستعملون فی مقام

كلمة استبداد كلمات استعباد واعتساف وتسلط وتحكم وفى مقابلتها كلمات ''شرع مصون'' ، ''وحقوق محترمة''،''وحياة طيبة''(طبائع الاستبدادص١٠، الرحالہ۔ک)۔

نیز جب ہم اس سے آگے بڑھ کر دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کے فکرہ اور ابتدائی تخیل پر نظر کرتے ہیں تو بھی مذکورہ بالا تصور کی تائید ہوتی ہے، حکمائے صہیون کے پروٹوکولز میں دہشت گردی کا تصوراسی ظالمانہ و مجرمانہ نوعیت کا بڑی صفائی سے موجود ہے (ملاحظہ ہو: پروٹوکول اول)۔

''يجب أن يلاحظ أن ذوى الطبائع الفاسدة من الناس أكثر من ذوى الطبائع النبيلة وإذن فخير النتائج فى حكم العالم ما ينتزع بالعنف والإرهاب، لا بالمناقشات الأكاديمية......وما أندر من لا ينتزعون إلى إهدار مصالح غيرهم توصلا إلى أغراضهم الشخصية''(الخطر اليهودى (ترجمہ پروٹوکولات حکمائے صہیون)ص/١٠٣، عباس محمود العقاد)۔

یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ شریف اور سلیم الطبع انسانوں کے مقابلے میں شر پسند عناصر اور فاسد فطرت والے لوگ نسبۃً زیادہ ہیں، اس لئے دنیا پر حکمرانی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے بہترین نتائج وہ ہوں گے جو تشدد اور دہشت گردی کے نتیجہ میں وجود میں آئیں، ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے ذاتی مفاد اور شخصی اغراض کی خاطر دوسروں کے مفاد اور مصالح کو پامال کر سکتے ہیں، اس روشنی میں اگر دہشت گردی کو دیکھیں تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

١- دہشت گردی کا خمیر ظلم سے اٹھتا ہے اور تشدد (violence) کو اپنا ذریعہ بناتا ہے۔

۲-دہشت گردی میں انسان کے بنیادی حقوق پر دست درازی اور تمدن کی تخریب ہوتی ہے۔

۳-دہشت گردی کا نشانہ براہ راست عوام ہوتے ہیں۔

۴-دہشت گردی کے اغراض ومقاصد سیاسی، شخصی، قومی یا تعصبی ہوتے ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ موجودہ بالمعنی المعروف دہشت گردی جس کا عربی ترجمہ ''إرهاب'' ہے اس کا تعلق قطعی طور سے قرآن کی تعبیر ''ترهبون به عدو الله '' سے دور دور تک نہیں ہے۔

اسلامی اعتبار سے ہر وہ عمل جو مبنی بر ظلم ہو، مجرمانہ نوعیت کا ہو، اس کے نتیجہ میں فساد و بدامنی پیدا ہوتی ہو یہ دہشت گردی ہے، خواہ یہ افراد کی جانب سے ہو یا حکومت کی جانب سے ہو اور خواہ کسی طبقہ اور کسی مذہب کی جانب سے ہو، قرآن نے اسے فساد، فتنہ اور محاربۃ اللہ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، چنانچہ مشرکین مکہ کی دہشت گردی کو قرآن نے ''ألفتنة أكبر من القتل'' کہا ہے۔

دہشت گردی کے اسلامی تصور کو واضح کرنے کے لئے قرآن کی تعبیر فتنہ اور فساد کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

قرآن میں فتنه کا مفهوم:

فتنہ کے اصل معنی آزمائش اور کھرے کھوٹے کی پہچان کرنے کے ہیں، اگر اس لفظ کا فاعل اللہ ہو اور اس کی نسبت خدا کی طرف سے ہو تو آزمائش کے معنی ہیں، اور اگر اس کی نسبت انسانوں کی طرف ہو تو قرآن نے درج ذیل معنی میں فتنہ کو استعمال کیا ہے:

۱-کمزوروں پر ظلم، ان کے جائز حقوق سلب کرنا، در بدر کرنا، تکلیفیں پہنچانا، ارشاد ہے:

الف-''ثم إن ربک للذین هاجروا من بعد مافتنوا ''(سورۂ نحل:۱۱۰)۔

ب-"وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل" (سورۂ بقرہ:۲۱۷)۔

۲-جبر واستبداد کے ساتھ حق کو دبانا اور قبول حق سے لوگوں کو روکنا، مثلاً:

"فما آمن لموسی إلا ذرية من قومه على خوف من فرعون وملائهم أن يفتنهم" (یونس:۱۸۳)۔

۳-لوگوں کو گمراہ کرنا اور حق کے خلاف خدع وفریب وطمع کی کوششیں کرنا:

"وإن كادوا ليفتنونک عن الذی أوحينا إليک لتفتری علينا غيره" (سورۂ بنی اسرائیل:۷۳)۔

۴-غیر حق کے لئے جنگ کرنا اور ناجائز اغراض کے لئے قتل وخونریزی کرنا:

"ولو دخلت عليهم من أقطارها ثم سئلوا الفتنة لآتوها وما تلبثوا بها إلا يسيراً" (سورۂ احزاب:۱۴)۔

"كلما ردوا إلى الفتنة أركسو فيها" (سورۂ نساء:۹۱)۔

۵-پیروان حق پر باطل پرستوں کا غلبہ اور ظلم وزیادتی:

"إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير" (سورۂ انفال:۷۳)۔

فساد کا مفهوم:

ہر وہ فعل جو عدل وصلاح کے خلاف ہو فساد ہے، قرآن میں عموماً اس کا اطلاق اجتماعی اخلاق اور نظام تمدن وسیاست کے بگاڑ پر کیا گیا ہے، مثلاً قرآن فرعون، عاد وثمود کو فساد کا مجرم قرار دیتا ہے:

"الذين طغوا في البلاد فأكثروا فيها الفساد" (سورۂ فجر:۱۱-۱۲)۔

قرآن میں وہ جرائم جو مذکورہ لوگ اختیار کئے ہوئے تھے اس تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں، مثلاً فرعون کے جرائم یوں ہیں:

الف-تکبر وسرکشی، رعایا کے درمیان نسلی امتیاز برتنا، کمزوروں کو ناحق قتل کرنا اور ان پر ظلم کرنا:

"إن فرعون علا في الأرض وجعل أهلها شيعاً يستضعف طائفة منهم يذبح أبنائهم ويستحي نسائهم إنه كان من المفسدين"(سورۂ قصص:۴)۔

ب-قبول حق سے لوگوں کو باز رکھنا، اور عبرتناک سزا کی دھمکی دینا:

"آمنتم له قبل أن آذن لكم إنه لكبيركم الذى علمكم السحر فلأقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ولأصلبنكم في جذوع النخل ولتعلمن أينا أشد عذاباً وأبقى"(سورۂ طہ:۷۱)۔

ج-کمزوروں کو اپنا غلام بنالینا:

"وتلك نعمة تمنها عليّ أن عبدت بنى إسرائيل"(سورۂ شعراء:۲۲)۔

د-طاقت کے بل پر خدائی کا دعوی استکبار وغرور:

"وقال فرعون يا أيها الملأ ما علمت لكم من إله غيري"......"واستكبر هو وجنوده في الأرض بغير الحق وظنوا أنهم إلينا لا يرجعون"(القصص:۳۹،۳۸)۔

ھ-رعایا کو اتنا ذلیل وپست بنانا کہ وہ غلامانہ اطاعت پر قناعت کرلیں:

"فاستخف قومه فأطاعوه"(سورۂ زخرف:۵۴)۔

و-ناجائز وغلط قانون کی بنیاد پر حکومت:

"فاتبعوا أمر فرعون وما أمر فرعون برشيد"(سورۂ ہود:۹۷)۔

اسی طرح سے قرآن نے عاد وثمود کے بھیانک ترین دینی، اخلاقی، معاملاتی، سماجی، معاشی جرائم کو بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: قرآن کی آیات (الشعراء:۱۳۰، سجدہ:۱۵)، ثمود کے

مفسدانہ اعمال کے لئے ملاحظہ ہو: (الشعراء:۱۵۱ تا ۱۵۲، النحل: ۴۸، ۴۹ وغیرہ)۔

اسی طرح بادشاہوں کی ملک گیری اور ظالمانہ اقتدار سے جو تباہی ہوتی ہے اس کو بھی قرآن فساد کہتا ہے:

"وإذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة" (النمل:۳۴)۔

وہ طرز حکومت جس میں حاکمانہ طاقت کو ظلم وستم کے لئے استعمال کیا جائے وہ بھی فساد ہے:

"وإذا تولى سعى فى الأرض ليفسد فيها ويهلک الحرث والنسل" (البقرہ:۲۰۵)۔

قرآن کی تعبیر فتنہ وفساد کی اس مختصر تشریح سے یہ بات مبرہن ہو جاتی ہے کہ ہر وہ عمل جو اخلاقی، سماجی، معاشی، سیاسی، ظلم وتعدی پر مبنی ہو، حقوق انسانی پر دست درازی اور پامالی کا ذریعہ ہو، جبر وتشدد اور خونریزی کا ذریعہ ہو، کمزوروں کو طاقتوروں کا غلام بنانے پر مبنی ہو، ناحق قتل وخونریزی کا باعث ہو، اس عمل کی نسبت خواہ افراد کی طرف سے ہو، جماعت کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف سے ہو، یہ سب فتنہ اور فساد ہے۔

مذکورہ بالا مفسدانہ اعمال سے تمدن انسانی میں بگاڑ، اور لوگوں میں خوف وذلت پیدا ہوتی ہے، لہذا یہ مجرمانہ اعمال موجودہ تعبیر کے لحاظ سے دہشت گردی ہیں جن کی جامع ترین تعبیر فتنہ وفساد ہے۔

قرآن کی تعبیر "ترهبون به عدو الله" کا مطلب:

قرآن کریم کی سورۂ انفال کی آیت: **"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله"** میں لفظ ارہاب کی تعبیر استعمال کی ہے، جو آج کل دہشت گردی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے، لیکن دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کا قرآن کی

اس تعبیر سے ادنیٰ سا بھی کوئی تعلق نہیں، اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اپنی حفاظت اور شر پسند عناصر اعداء اللہ سے اپنی مدافعت اور دینی وسماجی اور انسانی حقوق کی حفاظت کے واسطے اپنی پوزیشن کو اتنا مضبوط بناؤ کہ انسانیت کے دشمن اور اللہ کے دشمن کسی شر انگیزی کی ہمت نہ کر سکیں، یعنی زیادہ سے زیادہ نتیجہ دولفظوں میں یہ کہ ''جنگی تیاری'' یا ''دفاعی پوزیشن'' کو مضبوط رکھو، دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کا اثبات یا تعلق اس تعبیر سے تو درکنار، ظلم وتعدی کے خلاف قانونی حدود میں جنگ کی تعیین بھی نہیں معلوم ہوتی، بلکہ اشارہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے خلاف بغیر جنگ کے کام چل جائے تو بھی بہتر ہے، علامہ آلوسی نے خوب نکتہ پیدا کیا ہے: **''وفي الآية إشارة إلى عدم تعيين القتال، لأنه قد يكون لضرب الجزية ونحوها''** (روح المعانی ۲۶/۱۰)۔

اگر قرآن کا یہ حکم موجودہ دہشت گردی ہے تو پھر دنیا میں کسی ملک کے پاس فوج اور اسلحہ، جنگی قوت اور دفاعی پوزیشن بلکہ دنیا کے کسی بھی گھر، ایک بندوق تک رکھنا زمانے کی منطق کے مطابق حرام ہونا چاہئے، اللہ نے تو پھول کو بھی کانٹوں سے گھیر دیا ہے، اپنی حفاظت تو انسان کیا جانوروں کی بھی فطرت ہے، اگر اسی فطری تیاری کا نام دہشت گردی ہے تو پھر دنیا میں ہر انسان دہشت گرد ہے۔

دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات:

دہشت گردی کا مزاج اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، اسلام امن وسلامتی اور سکون کا مذہب ہے، کوئی بھی ایسا عمل جو فتنہ اور فساد یا قتل وخونریزی کا ذریعہ ہو بنص قطعی حرام ہے، بلاوجہ کسی بھی انسان کی جان ومال یا آبرو پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ترین جرم ہے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

''من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً''(المائدہ/۳۲)۔

(اگر کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ قتل کیا یا بغیر زمین میں فساد کی وجہ سے قتل کیا تو گویا کے اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا)۔

علامہ ابن العربی ''أو فساد فی الأرض''کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''اختلف فيه، فقيل هو الكفر، وقيل هو إخافة السبيل (وأيضا)يقول: الفساد فی الأرض هو الإذاية للغير''(أحکام القرآن لابن العربی ۲/ ۹۲) یہاں اخافۃ السبیل کی تعبیر قابل غور ہے، اسی طرح زمین میں فتنہ اور فساد برپا کرنے والوں سے متعلق اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

''إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فی الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض'' (المائدہ/ ۳۳) یہ آیت صرف رہزنوں کے لئے ہی خاص نہیں ہے بلکہ محاربۃ اللہ، فتنہ وفساد، ڈکیتی ولوٹ مار، اخافۃ السبل، امن کو غارت کرنا سب اسی مفہوم میں شامل ہیں (حتی کہ ایک دوسرے مقام پر ایک بدترین معاشی جرم سود کو بھی قرآن اسی محاربۃ اللہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اگرچہ مذکورہ آیت میں سزائیں سود سے متعلق نہیں ہیں)۔

خلاصہ یہ کہ دہشت گردی (بالمعنی المعروف) جس میں ظلم وتعدی، تشدد وعدوان، انسانی حقوق پر دست درازی ہوتی ہے وہ قطعاً ناجائز ہے، اس کے مرتکبین دنیا وآخرت میں سزا کے مستوجب ہیں، اسلامی تعلیمات کے اندر تو جنگ برائے جنگ یا جہاد برائے شوق شمشیر زنی کا تصور تک نہیں ہے۔

ظلم کے خلاف احتجاج اور آواز اٹھانا:

اسلام اپنے متبعین کو نہ ظلم کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ظلم پر خاموش رہنے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اگر کسی پر ناحق ظلم کیا جائے تو قرآن میں یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اس پر آواز اٹھائے اور احتجاج کرے، اپنے جائز حقوق کا مطالبہ اور دفاع کرے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**"(النساء)، مفسرین نے اس آیت کے مختلف معنی بیان کئے ہیں، مثلاً ظالم کے لئے بددعا کرنا، ظالم کو اس کے ظلم سے خبردار کرنا، ظلم کا انتقام لینا وغیرہ۔ علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں: "**لا يحب الله الجهر، قال ابن عباس وقتادة إلا أن يدعو على ظالمه، وعن مجاهد رواية إلا أن يخبر بظلم ظالمه له وقال الحسن والسدى إلا أن ينتصر من ظالمه**"(احکام القرآن للجصاص ۲/۲۹۱)۔

امام رازی اس مسئلہ کو اور وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"**المظلوم ماذا يفعل ؟ فيه وجوه، الأول : قال قتادة وابن عباس لا يحب الله رفع الصوت بما يسوء غيره إلا المظلوم فإن له أن يرفع صوته بالدعاء على من ظلمه،الثانى: قال مجاهد إلا أن يخبر بظلم ظالمه له، الثالث: لا يجوز إظهار الأحوال المستورة المكتومة......لكن من ظلم فيجوز إظهار ظلمه بأن يذكر أنه سرق أو غصب، وهذا قول الأصم، الرابع: قال الحسن إلا أن ينتصر من ظالمه**"(التفسیر الکبیر ۱۱/۹۱، القرطبی ۶/۱)۔

ترجمہ: مظلوم شخص کیا کرے؟ اس کے بارے میں چند اقوال ہیں:

الف- حضرت قتادہ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایسی بات کا برملا اظہار کرنا جس سے

دوسرے کو تکلیف ہو اللہ کو پسند نہیں ہے، ہاں مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے ظالم کے خلاف بددعا کرے۔

ب- علامہ مجاہد فرماتے ہیں کہ مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو اس کے ظلم سے آگاہ کرے اور متنبہ کردے۔

ج- تیسرا قول یہ ہے کہ پوشیدہ امور کو ظاہر کرنا درست نہیں، ہاں مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا تذکرہ کرے، بایں طور کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ فلاں نے میرا مال چوری کیا ہے یا غصب کیا ہے۔

د- چوتھا قول حضرت حسن بصری کا ہے کہ مظلوم کے لئے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے۔

سید رشید رضا لکھتے ہیں:

"لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الخ أى لكن من ظلمه ظالم فجهر بالشكوى من ظلمه شارحاً ظلامته للحكام أو غير الحكام ممن ترجى نجدته ومساعدته على إزالة الظلم فلا جرح عليه في هذا الجهر" (المنار ۶/۵)

(لیکن اگر ظالم شخص کسی پر ظلم کرے اور حکام کے سامنے یا ان لوگوں کے سامنے جن سے ظلم کے خلاف مدد وتعاون کی امید ہو، ظلم کی تفصیل بتاتے ہوئے ظالم کی شکایت زور آواز میں کرے تو مظلوم پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

مفسرین کی مذکورہ بالا آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے خلاف چرچا کرنا، احتجاج کرنا، ظالم کے لئے بددعا کرنا اور اس کو ظلم سے متنبہ کرنا جائز ہے، لیکن واضح رہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے میں بھی اعتدال ملحوظ رہے، حد اعتدال سے بڑھنا جائز نہیں ہے (التفسیر الکبیر للرازی ۱۱/۹۱)۔ اسی طرح سے احادیث میں بھی یہ اجازت دی گئی ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث اصول کا

درجہ رکھتی ہے:"**إن لصاحب الحق مقالا**"یعنی صاحب حق کو کہنے کی اجازت ہے۔

بہر کیف مذکورہ آیت سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں:

۱-ظلم خواہ عوام کی طرف سے ہو یا حکام کی طرف سے اس پر آواز اٹھانا اور احتجاج کرنا جائز ہے۔

۲-ظالم کے لئے بددعا کرنا بھی جائز ہے۔

۳-ظالم کے ظلم کا چرچا یا اس کو متنبہ کرنا جائز ہے، موجودہ زمانہ میں احتجاجی جلسہ، اخباروں میں مذمت کے بیانات، احتجاجی جلوس، وغیرہ بشرطیکہ حد اعتدال کے اندر ہوں جائز ہے۔

۴-ظالم سے ظلم کا انتقام لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ کسی مفسدہ کا ذریعہ نہ ہو بلکہ ظلم کو ختم کرنے کا ذریعہ ہو۔

۵-مظلوموں کو اپنے حقوق کی بازیابی کی کوشش کرنا مطالبہ کے ذریعہ سے اور احتجاجی جلسوں کے ذریعہ سے جائز ہے۔

۶-ظلم کے خلاف ہر جگہ نرمی اور عفو و درگذر کافی نہیں ہوتا بلکہ اس ناسور کو ختم کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ ظالم اس کے بغیر نہ مانے اور درپئے آزار ہو تو اسلام اپنی مدافعت کے لئے قتل وقتال کی بھی اجازت دیتا ہے (دیکھئے: اعلاء السنن: علامہ ظفر احمد عثانی ۱۲/ ۶۶۷)۔

۷-اسلام ناجائز طور پر کسی بھی غیر ظالم پر ظلم کرنے، اس کی جان و مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے، یا دھمکی دینے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

خودکش فدائی حملے اور شرعی نقطہ نظر:

موجودہ نظام جنگ میں اپنی مدافعت اور ظلم کی مخالفت کا ایک طریقہ "فدائی حملے" ہیں

جو کہ اقلیتوں پر برسر اقتدار طاقتوں کے مظالم کے ردعمل کا نتیجہ ہے، اس حملے کے ذریعہ ایک شخص دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی موت کو اس کا ذریعہ بناتا ہے، اس کے متعلق شرعی نقطہ نظر کی وضاحت کرنے سے پہلے چند امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

الف-اسلام نے انسانی جان کو محترم بنایا ہے، ظلماً کسی کی جان لینا، کسی پر حملہ کرنا، ہلاک کرنا اور قتل وخونریزی ناجائز وحرام ہے۔

ب-ہر شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا امین ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اللہ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

ج-حدیث میں صراحت کے ساتھ خودکشی کی ممانعت ہے، جس کی وجہ سے فقہاء بالاجماع خودکشی کو حرام کہتے ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم فدائی حملوں کے متعلق شرعی حکم اور اس کے بارے میں فقہاء کی آراء بیان کرتے ہیں:

اس مسئلہ کی دو نوعیتیں ہیں:

۱-کوئی شخص جنگ میں دشمنوں پر فدائی حملہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کی جان جاتی ہے۔

۲-کوئی شخص ظالموں کے ہاتھ قید ہو گیا اور اب اس کو ان کے شدید ترین ظلم، عذاب دینے کا اندیشہ ہے، اس کے بچنے کے لئے وہ خودکشی کرتا ہے۔

مسئلہ کی نوعیت اول سے متعلق چند نصوص مندرجہ ذیل ہیں:

۱-سیرت نگار یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان کی

شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو حضور ﷺ نے ''استماتۃ'' پر صحابہ کرام سے بیعت کی جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی تو تھا کہ اپنی جان دینے پر دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو حوالہ کرنا۔

۲-سیرت صحابہ میں حضرت براء بن مالک کا مشہور واقعہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسیلمہ کی فوج قلع بند ہو کر مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر رہی تھی اور مسلمانوں کا شدید ترین جانی نقصان ہو رہا تھا تو صحابی رسول حضرت براء بن مالک انصاری نے اپنے ساتھیوں سے عرض کیا کہ مجھے ایک ڈھال پر اٹھا کر اندر پھینک دو، اگر میں زندہ بچ گیا تو دروازہ کھول دوں گا، چنانچہ صحابہ کرام نے ان کو ڈھال پر بٹھا کر نیزوں پر اٹھایا اور اندر پھینک دیا جس کی وجہ سے انہوں نے اندر جنگ کر کے شدید ترین زخمی ہونے کے بعد دروازہ کے قریب جا کر دروازہ کھول دیا (صور من حیاۃ الصحابہ، صحیح مسلم)۔

۳-حضرت عوف بن حارث بن عفراء نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ''**ما یضحک الرب من عبدہ؟**'' اللہ اپنے بندہ کی کونسی ادا سے خوش ہوتا ہے؟ ''قال: **غمسۃ یدہ فی العدو حاسرا (أی لادرع لہ ولا مغفر)**''۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس ارشاد نبوی کو سننے کے بعد ان صحابی نے زرہ کو اتار پھینکا اور تلوار لے کر دشمنوں میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہوئے (السیرۃ الحلبیہ ۲/۱۱۴)۔

۴-امام محمدؒ اپنی مشہور کتاب ''السیر الکبیر'' میں فدائی حملوں سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص تنہا دشمنوں کے ایک ہزار کے گروہ پر حملہ کرے تو اگر اس کو یہ امید ہو کہ وہ کامیاب ہو جائے گا یا کم از کم ان کو نقصان پہنچا دے گا تو اس کا یہ عمل جائز ہے، اور اگر اسے یہ امید نہ ہو کہ اس کے عمل سے دشمن کو کچھ بھی نقصان پہونچے گا تو حملہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ بے فائدہ

اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے، نیز اگر یہ امید نہیں ہے کہ دشمن کو نقصان ہوگا تاہم اس کی موت کے ذریعہ مسلمانوں میں جرأت وہمت پیدا ہوجائے گی تب بھی اس میں انشاء اللہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

”ولو أن رجلاً حمل على ألف رجل وحده فان كان يطمع أن يظفر بهم أو ينكأ فيهم فلا بأس بذلک لأنه يقصد بفعله النيل من العدو“۔ نیز اس کے بعد فرماتے ہیں: ”وقد فعل ذلک بين يدی رسول الله ﷺ غير واحد من الأصحاب يوم أحد ولم ينكر ذلک عليهم رسول الله ﷺ، وبشر بعضهم بالشهادة حين استأذنه في ذلک، وإن كان لم يطمع فی نكاية فإنه يكره له هذا الصنيع، لأنه يتلف نفسه من غير منفعة للمسلمين ولا نكاية فيه للمشركين“ نیز اس کے بعد آگے فرماتے ہیں: ”وإن كان لا يطمع فی نكاية ولكنه يجری بذلک المسلمين عليهم حتى يظهر بفعله النكاية فی العدو فلا بأس بذلک إنشاء الله تعالى ، لأنه لو كان على طمع من النكاية جاز له الإقدام فكذلک إذا كان يطمع فی النكاية فيهم بفعل غيره“ (کتاب السیر الکبیر ۴/ ۱۹۲، ردالمحتار ۳/ ۲۴۳)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ دشمن پر ایسا حملہ جس کے نتیجہ میں جان چلی جائے (فدائی حملہ) جائز ہے، لیکن مذکورہ بالا عبارت سے ہی اس کے جواز کے چند شرائط مستفاد ہوتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱- حملہ کرنے والے کا مقصد خودکشی نہ ہو۔

۲- یہ گمان ہو کہ اپنے حملہ کے ذریعہ یا تو کامیاب ہوجائے گا یا کم ازکم دشمن کا نقصان ہوگا یا مسلمانوں میں ہمت وجرأت پیدا ہوگی۔

۳-حملہ کے نتائج کا اندازہ یا تو خود حملہ کرنے والا لگائے گا یا امیر لشکر اس کا اندازہ کرے گا۔

۴-حملہ کرنے کا مقصد دین کی سربلندی اور إعلاء کلمۃ اللہ ہو، نفسانی اغراض، فخر وتکبر، عصبیت وقومی جذبہ نہ ہو۔

۵-مسلمانوں کا نفع اور ان کی مصلحت مقصود ہو۔

۶-رضائے الٰہی مقصود ہو۔

۷-کسی پر ظلم وتعدی از خود مقصود نہ ہو۔

اگر ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ہے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور اس طرح سے یہ حملہ خودکشی نہیں شمار ہوگا بلکہ وہ عند اللہ شہید ہوگا۔

مسئلہ کا دوسرا جز یہ ہے کہ دشمن کی قید میں یا گرفتار ہونے کے بعد کوئی شخص ان کی اذیتوں سے بچنے کے لئے خودکشی کرتا ہے (مثلاً سلفاز وغیرہ استعمال کرتا ہے) تو اس کا شرعاً حکم کیا ہوگا؟ مسئلہ کا یہ پہلو اس زمانے میں غور وفکر کا محتاج ہے، جہاں پر تعذیب وآلام کے بھیانک ترین طریقے جن کو سن رونگٹے کھڑے ہوجائیں ایجاد ہوگئے ہیں، بلکہ بسا اوقات اس تعذیب کے ذریعہ ایسی معلومات اخذ کی جاتی ہیں جو کہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہیں، یقیناً فقہاء نے تعذیب وآلام کو مصلحت قرار نہیں دیا ہے، یہ موضوع اہل علم کی توجہ کا محتاج ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ”**وإن خشی الأسر علی نفسه، فالأولی أن یقاتل حتی یقتل، فلا یسلم نفسه لأنه یفوز بالثواب والدرجة الرفیعة ویسلم من تحکم الکفار فیه بالتعذیب والاستخدام والفتنة**“۔

اس کی روشنی میں راقم طالب علمانہ عرض کرتا ہے کہ اجتماعی مصالح کو بچانے کی خاطر

اوراس تعذیب سے بچنے کے لئے خودکشی (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے خودکشی یہ نہ ہو) مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہونی چاہئے:

الف-خودکشی کی نیت وقصد نہ ہو،اور نہ ہی تعذیب کے خوف سے ہو۔

ب-مصالح عامہ کونقصان پہنچنے کا غالب گمان ہو۔

ج-اپنے اوپر یہ غالب گمان ہو کہ تعذیب کی تاب نہ لاکر ایسی معلومات فراہم کردے گا جو عام مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوں گی (بشرطیکہ اس کے پاس ایسی معلومات ہوں)۔

د-حتی الامکان ایسی شکل اختیار کرے کہ اپنے فعل سے موت نہ ہو۔

دفاعی احکام شریعت کی روشنی میں:

اگر کوئی ظالم کسی کی جان، یا آبرو پر ناجائز حملہ کرتا ہے تو شریعت اس کو مدافعت کا حکم دیتی ہے، اگر اپنا دفاع کرنے میں یہ شخص مارا جائے تو شہید کہلاتا ہے۔حدیث ہے:

"عن سعید بن زید رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید، ومن دون قتل أهله فهو شهید۔ قال هذا حدیث حسن صحیح" (ترمذی: کتاب الدیات،رقم الحدیث:۱۴۲۱)۔

(حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کی مدافعت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کے دفاع میں مارا

جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے اہل وعیال کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

جہاں تک دفاع کے فقہی احکام اور اس کے طریقہ کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دفاع کا حکم: دفاع کے حکم سے متعلق جب ہم کتب فقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم حسب ذیل تقسیم کر سکتے ہیں:

الف- دفاع عن النفس۔

ب- دفاع عن العرض۔

ج- دفاع عن المال۔

اسی طرح دفاع عن الغیر کی بھی یہی شکلیں ہوں گی، ان کے احکام مختلف ہیں۔

دفاع عن النفس:

اپنی جان کا دفاع کرنے کے بارے میں جمہور فقہاء وجوب کے قائل ہیں، خواہ حملہ آور کافر ہو یا مسلمان ہو یا جانور رہو، امام شافعیؒ وجوب دفاع کے لئے حملہ آور کے کافر یا جانور ہونے کی شرط لگاتے ہیں، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دفاع کرنا واجب نہیں ہے۔

"إذا هوجم الانسان بقصد الاعتداء على نفسه أو عضو من أعضاء سواء أكان من إنسان آخر أم بهيمة فيجب على المعتدى عليه أن يدفع عن نفسه فى رأي أبي حنيفة والمالكية والشافعية إلا أن الشافعية قيد وجوب دفع الصائل في هذه الحالة بما إذا كان الصائل كافراً أو بهيمة لأن الاستسلام للكافر ذل فى الدين والبهيمة تذبح لاستبقاء لإنسان وأما إذا كان الصائل مسلماً فالأظهر عند الشافعية أنه يجوز الاستسلام له بل يسن لخبر أبى داؤد:

كن خير ابن آدم......وقال الحنابلة: إن دفع الصائل على النفس جائز لا واجب الخ"(الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۵/۷۵۵)۔

(اگر کسی انسان کی جان یا کسی عضو پر ظلم کی نیت سے حملہ کیا جائے تو حملہ آور انسان ہو یا جانور ہو بہر کیف مظلوم پر امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اپنی جان کا دفاع واجب ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ حملہ آور کافر یا جانور ہو کیونکہ کافر کے سامنے خودسپردگی ذلت ہے، ہاں اگر حملہ آور مسلمان ہے تو شافعیہ کے نزدیک راجح ہے کہ اس سے مقابلہ نہ کرے بلکہ خودسپردگی جائز ہے، بلکہ ابوداؤد کی روایت "کن خیر ابن آدم" (آدم کے بہتر بیٹے کی طرح ہوجاؤ) کی وجہ سے مسنون ہے، حنابلہ کے نزدیک دفاع عن النفس جائز ہے واجب نہیں)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "**ويجب دفع من شهر سيفاً على المسلمين ولو بقتله إن لم يكن دفع ضرره إلا به**"(ردالمحتار علی الدرالمختار ۵/۳۵۱)۔

(جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے اس سے دفاع واجب ہے اگرچہ اس کو قتل کرنا پڑے، اگر اس کے ضرر کو دور کرنے کا کوئی راستہ نہ ہو)۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنا دفاع ترک کردے تو گنہگار ہوگا۔

"**قوله فقتله المشهور عليه أى أو غيره دفعا عنه زيلعي وفي الكفاية، لو ترك المشهور عليه قتله يأثم**"(ردالمحتار ۵/۳۵۱)۔

مولانا تھانویؒ کا فتوی:

"اگر حکام کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے

مقابلہ مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ تمہاری مصیبت دور ہو، اگر کسی جگہ ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ مانیں اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ پر مضبوط ہو جانا ہر حال میں فرض ہے، "**وهذا من باب القتال حيث تفرض عينا إذا هجم العدو لامن باب الإكراه**" (حیاۃ المسلمین رص ۱۷۹)۔

دفاع عن العرض:

اگر کوئی فاسق وظالم شخص کسی عورت کی آبرو کو پامال کرنا چاہے تو باتفاق علماء اس پر اپنی عزت وآبرو کی حفاظت واجب ہے، حتی کہ اس ظالم شخص کو قتل کرنا بھی جائز ہے، اور اس شکل میں اس مظلوم پر کوئی جرم نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ظالم کو دیکھتا ہے کہ وہ کسی عورت کی آبرو پر حملہ کر رہا ہے تو دیکھنے والے شخص پر دفاع واجب ہے، اگر قتل کرنے کی نوبت آجائے تو قتل بھی جائز ہے، بشرطیکہ دیکھنے والا شخص اس پر قادر ہو اور اسے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔

"**إذا أراد فاسق الإعتداء على شرف إمرأة فيجب عليها باتفاق العلماء أن تدفع عن نفسها إن أمكنها الدفع، لأن التمكين منها للرجل حرام وفى ترك الدفاع تمكين منها للمعتدى ولها قتل الرجل المكره وكذلک يجب على الرجل إذا رأى غيره يحاول الإعتداء ولم يخف على نفسه**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۷۹، منتہی الإرادات للفتوحی ۵/۱۶۲)۔

(اگر کوئی فاسق شخص کسی عورت کی عزت و ناموس پر ظلم کا ارادہ کرے تو باتفاق علماء عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے، اگر اس کے لئے ممکن ہو، کیونکہ مرد کو قابو دے دینا حرام ہے اور دفاع کو چھوڑنے میں ظالم کو اپنے پر قابو دینا ہے، اس عورت کے لئے ایسے ظالم کو قتل

کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کی عزت و ناموس پر دست درازی دیکھتا ہے تو اس پر بھی اس عورت کی جانب سے دفاع کرنا واجب ہے خواہ ظالم کو قتل ہی کرنا پڑے بشرطیکہ ایسے شخص کے لئے دفاع کرنا ممکن ہو اور اسے اپنی جان کا اندیشہ نہ ہو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت اور دفاع عورت پر واجب ہے، اگر وہ مجرم کو قتل کر دے تو نہ صرف یہ کہ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں بلکہ اس کو اس کی اجازت ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ خود عورت ایسا کوئی اقدام کرتی ہے جس سے خود عورت کی موت واقع ہو جاتی ہے تو کیا اس کو خودکشی کہا جائے گا، یہ میرے خیال سے علماء کے لئے غور و فکر کا محتاج ہے، خاص طور سے موجودہ زمانہ میں جبکہ فسادات کے موقع پر ایک عورت سے نہایت وحشیانہ طریقہ پر دسیوں ظالم زنا بالجبر کرتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جو اپنی عزت بچانے کے لئے ریل گاڑی سے کود کر خودکشی کرتی ہے درج ذیل فتوی ارشاد فرمایا تھا:

''عفیف عورتوں کو ایسے وقت میں حیا و عفت کا اکثر اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وقوع ہلاکت کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی، اس لئے ایسی حرکت بہ طریق اضطرار کے ہوتی ہے، نیز ہلاکت یقینی بھی نہیں ہوتی ہے، بہت سے ایسے لوگ اس طرح کود کر بچ گئے ہیں، البتہ چوٹ ضرور لگی ہے، سو ایسے غلبہ کے وقت حق تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ معذور ہوں گی، اس لئے اس کو خودکشی نہ کہا جائے گا۔ **وقريباً من هذا أجاب أستاذى مولانا محمد يعقوب حين سئل عن النسوة اللاتى ألقين أنفسهم فى البئر حين خفن على عفتهن فى الزمان المعروف بالعذر**'' (غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام رص ۳۴ (مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری)۔

لہذا موجودہ زمانہ کا خیال رکھتے ہوئے یہی زیادہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عمل کو خودکشی نہ کہا جائے، حضرت تھانویؒ نے جو علت بیان کی ہے وہ نہایت اہم ہے اور اس زمانے میں غور و فکر کی محتاج ہے۔

دفاع عن المال:

اگر کوئی ظالم شخص مال چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو مال کا دفاع باتفاق فقہاء جائز ہے واجب نہیں، اگر مجبوراً قتال تک نوبت پہنچ گئی اور ظالم مارا گیا تو دفاع کرنے والے پر قصاص نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس نے شرائط مدافعت کالحاظ رکھا ہو (شرائط دفاع آگے مذکور ہیں)۔

"**قرر جمهور الفقهاء أن الدفاع عن المال جائز لا واجب سواء أكان المال قليلاً أم كثيراً إذا كان الإعتداء بغير حق ولا قصاص على المدافع إن التزم الدفع بالأسهل فالأسهل**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۷۶۳)۔

البتہ شافعیہ نے مال کی تفصیل بیان کی ہے:

الف-وہ مال جو غیر ذی روح ہو اس کا دفاع واجب نہیں ہے، ب-اموال ذی روح (جانور مویشی وغیرہ) کا دفاع واجب ہے، بشرطیکہ اپنی جان وآبرو کے نقصان کا خوف نہ ہو، ج-وہ مال جس سے حق غیر متعلق ہے جیسے کہ رہن و اجارہ وغیرہ اس کا دفاع بھی واجب ہے (ایضاً ۵/ ۷۶۳)۔

جو شخص کسی کے حرم میں چوری کی نیت سے مال لینے کے لئے داخل ہوتا ہے امام مالک اس کو "محارب" کے حکم میں مانتے ہیں۔ "**من دخل على رجل في حريمه على أخذ ماله فهو عندى بمنزلة المحارب يحكم فيه كما يحكم في المحارب**" (المدونۃ الکبری ۶/ ۳۰۴)۔ لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے مال کے دفاع کا بھی حق دیا گیا ہے، لیکن اس دفاع کی حیثیت جان وآبرو کے دفاع کے مقابلے میں کم ہے۔

حق مدافعت اور اس کے حدود:

اسلام نے اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی اجازت دی ہے، حتی کہ قتل وقتال

تک کی اجازت ہے، لیکن شریعت نے یہ اجازت مطلقاً بلا قید نہیں دی کہ جہاں ذرا خطرہ بھی محسوس ہو فوراً دفاعی پوزیشن اختیار کر کے قتل وقتال شروع کر دے، چنانچہ فقہاء اس ذیل میں چار شرطیں بیان کرتے ہیں:

۱-جس حملہ سے دفاع کر رہا ہے وہ شرعاً ظلم وعدوان کی حد میں آتا ہو، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ایسا مجرمانہ حملہ جس پر شریعت نے کوئی سزا مقرر کی ہو۔

۲-حملہ کا بالفعل وقوع ہو، ایسا نہ ہو کہ صرف دھمکی کی بنیاد پر ہی دفاعی طرز عمل اختیار کر کے قتل وقتال شروع کر دیا جائے۔

۳-حملہ کا دفاع کرتے ہوئے حتی الامکان اسہل فالاسہل طریقہ اختیار کیا جائے (تفصیل آگے آئے گی)، مثلاً اگر صرف شور مچانے سے ہی حملہ آور بھاگ جائے تو اس کو مارنا جائز نہیں۔

۴-دفاع کے علاوہ اور کوئی راہ ممکن ہی نہ ہو، یعنی دفاعی قتل وقتال وجنگ مجبوراً اختیار کی جاسکتی ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۷۵۴)۔

مدافعت کے شرعی اصول:

اگر کسی پر کوئی ظالم حملہ آور ہوتا ہے تو شریعت نے مدافعت کا طریقہ بتایا ہے، اس کا اصول اور طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

الف-ازخود قتل وقتال شروع نہ کرے، حدیث ہے:

”عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: جاء رجل إلی رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالی؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلنی؟ قال: قاتله، قال:أرأيت إن قتلنی؟ قال: فأنت شهيد،

قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو فی النار"(مسلم: کتاب الإیمان، رقم الحدیث:۲۵)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص آ کر میرا مال چھیننے کی کوشش کرے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو اپنا مال نہ دو، اس نے کہا: اگر وہ قتال کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی قتال کرو، اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ ﷺ نے کہا: تم شہید ہو گے، اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا)۔

قاضی عیاض اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "**وأمره بقتاله دليل على جواز قتاله وإن طلب المال على وجوبه بكل حال**"(اکمال المعلم ۱/ ۴۴۴)۔ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ملتی ہے:

"**عن أبی المخارق عن أبيهؓ قال: جاء رجل إلى النبی ﷺ فقال: الرجل يأتينی فيريد مالي؟ قال: ذكره بالله، قال: فإن لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولک من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولی أحد من المسلمين؟ قال: فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نآى السلطان عنی؟ قال: قاتل دون مالک حتى تكون من شهداء الآخرة أو تمنع مالک**"(فتح الملہم ۱/ ۲۸۳)۔

(حضرت ابن مخارقؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ایک ظالم شخص آ کر میرا مال لیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اللہ کی یاد دلاؤ، اس نے عرض کیا: اگر وہ پھر بھی نہ مانے؟ آپ نے فرمایا: اپنے قریب کے مسلمانوں سے اس کے خلاف مدد طلب کرو، اس نے عرض کیا: اگر میرے قریب کوئی (مددگار) مسلمان نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سلطان وقت سے مدد طلب کرو، اس نے عرض کیا: اگر سلطان بھی مجھ سے دور ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے مال کی مدافعت میں

جنگ کرو، یہاں تک کہ یا تو تم شہید ہو جاؤ یا اپنے مال کو بچا لو)۔

یہ احادیث اگر چہ مال کے بارے میں ہیں، لیکن فقہاء نے ان احادیث سے جو اصولی طریقہ مستنبط کیا ہے وہ یہ ہے:

"**ويبتدئ المدافع بالأخف فالأخف إن أمكن، فإن أمكن دفع المعتدى بكلام واستغاثة بالناس حرم عليه الضرب، وإن أمكن الدفع بضرب اليد حرم استخدام السوط، وإن أمكن الدفع بالسوط حرم استعمال العصا، وإن أمكن الدفع بقطع عضو حرم القتل، وإن لم يمكن الدفع إلا بالقتل أبيح للمدافع القتل لأنه من ضرورات الدفع**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۱۰۶، نہایۃ المحتاج ۸/۳۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۵۱۷، شرح الزرکشی علی متن الخرقی ۴/۱۱۵، کذا فی البدائع وغیرہا)۔

(دفاع کرنے والا حتی الامکان آسان سے آسان تر طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرے، اگر صرف زبان سے یا استغاثہ کے ذریعہ دفاع ممکن ہو تو مارنا حرام ہے، اگر ہاتھ کے ذریعہ سے دفاع ممکن ہو تو کوڑا استعمال کرنا حرام ہے، اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہو تو لاٹھی کا استعمال حرام ہے، اگر کسی عضو کو کاٹنے پر اکتفا کے ذریعہ دفاع ممکن ہو تو قتل ممنوع ہے، اور اگر مجبوراً قتل تک نوبت پہنچ جائے تو قتال بھی جائز ہے کیونکہ یہ ایک دفاعی ضرورت ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حملہ آور ظالم کا دفاع کرنے میں اس ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر اس کا خیال نہیں رکھتا ہے مثلاً ظالم صرف شور مچانے پر بھاگ سکتا تھا اس نے قتل کر دیا تو ضامن ہوگا، لیکن فقہاء نے اس اصول سے مندرجہ ذیل شکلیں مستثنیٰ قرار دی ہیں:

۱- حملہ آور کو بھگانے کے لئے دفاع کرنے والے کے پاس صرف تلوار کے علاوہ اور کچھ نہیں اس نے مجبوراً اس سے دفاع کیا جس سے ظالم قتل ہو گیا۔

۲- دونوں میں باہم لڑائی شروع ہو جائے اور معاملہ سخت ہو جائے، کنٹرول سے باہر

ہوتو ترتیب کی رعایت وخیال رکھنا ضروری نہیں ہے۔

۳- دفاع کرنے والے کو اندازہ ہو کہ حملہ آور بغیر قتل کئے نہیں بھاگ سکتا ہے یا یہ اندیشہ ہو کہ ظالم درپۓ قتل ہے، تو بغیر رعایت ترتیب قتال جائز ہے۔

۴- حملہ آور ایسا ہو کہ شرعاً اس کا خون ہدر ہو جیسے کہ مرتد، حربی، یا زانی محصن وغیرہ، تو بھی ترتیب ضروری نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۱۰۷)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے دفاع کو کیا حیثیت دی ہے اور اس کے حدود کیا ہیں، ظاہر ہے کہ دفاع کرنے والے کے اندر دفاع کرنے کی صلاحیت واستطاعت کا ہونا بھی ضروری ہے، آج کل حکومتوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور دفاع کرنے میں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اس سے زیادہ بڑے شر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت تھانویؒ کا فتوی:

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی ملاحظہ ہو: ''استطاعت (قدرت) سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مدافعت (دفع کرنا) بظن غالب عادۃً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مدافعت کی استطاعت کے لئے پہلی استطاعت، استطاعت لغویہ (محض کسی کام پر قدرت ہونا) کافی نہیں بلکہ استطاعت شرعیہ (جس کی تفصیل حضرتؒ نے اوپر بیان کی ہے) شرط ہے، اگر کامیابی کی توقع غالب نہ ہو تو ایسے افعال (مقابلہ کرنا) جائز نہیں اور نہ ان میں اجر ہے'' (مذہب وسیاست ص ۱۱۵)۔

عالمی امن وسلامتی-اسلامی نقطہ نظر سے

مولانا ابدر احمد مجیبی
پھلواری شریف، پٹنہ

اسلام رحمت ورافت اور امن و سلامتی کا دین ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جس نے انسانیت کوسکون و اطمینان کی دولت بخشی ہے اور جنگ و جدال سے اس کونجات دلایا ہے۔ اس نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کی تباہی اور اس کے قتل کے برابر بتایا ہے بلکہ بلاضرورت کسی جاندار چیز کو ہلاک کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سبھی پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے سماجی اور معاشرتی معاملات میں ہمدردی اور خیر خواہی کی تاکید کی ہے۔ ظلم وستم کو ہر طرح سے حرام قرار دیا ہے۔ ظلم کے خاتمہ کے لئے بدلہ لینے کی اجازت تو دی ہے لیکن اسی کے بقدر۔ اس سے تجاوز کرنے کی شدید ممانعت کردی ہے۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و دعوت کا حکم دیا ہے لیکن کسی پر جبر وزبردستی کرنے پر روک لگادی ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے اسلام کی ایسی روشن، پاکیزہ اور تابناک تعلیمات آتی ہیں جن کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتداء سے ہی دشمنان اسلام کا ایک گروہ برابر اسلام مخالف سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے اور اسلام کے روشن اور تابناک چہرے کو داغدار اور بھیانک صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی پاکیزہ اور عدل ومساوات پر مبنی تعلیمات اس گروہ کے ذاتی مفادات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اور ان تعلیمات کی کشش سے

وہ خوفزدہ ہے۔ آج بھی اس کی مخالفت جاری ہے۔ زرد صحافت اور میڈیا کے پروپگنڈے سے اسلامی تعلیمات کو غبار آلود کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑا جارہا ہے۔ ساری دنیا میں کھلے عام بے شرمی سے اسلام کو دہشت گردی کا مذہب قرار دیا جارہا ہے۔ اس کے متبعین اور پیروکاروں کو دہشت گرد کا خطاب دیا جارہا ہے۔ بعض لوگ اسلام کی دو قسمیں کررہے ہیں۔ ایک نرم اسلام اور دوسرا دہشت گرد اسلام۔ اس شدید پروپگنڈے کے اثر سے حقیقت سے ناواقف لوگ بھی متاثر ہورہے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا ہورہی ہے۔ اس لئے اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس الزام کی حقیقت معلوم کی جائے۔ چنانچہ مجھے بے حد خوشی ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اس طرف توجہ کی۔ اور اس موضوع پر سمینار منعقد کرارہی ہے۔ انشاء اللہ اس کا یہ سمینار اس ضرورت کی تکمیل کی طرف ایک اہم پیش رفت ثابت ہوگا۔

۱- دہشت گردی کو انگریزی میں Terrorism کہا جاتا ہے۔ انگریزی لغت میں اس کا معنی ''تخویف پسندی'' ہے۔ اسی سے Terrorist ہے جس کے معنی ہیں: ''تخویف پسند، جو دہشت انگیز طریقوں سے مرعوب یا مغلوب کرتا ہو یا ان طریقوں کا حامی ہو''۔

عربی میں اس مفہوم کے لئے لفظ ''إرهاب'' استعمال ہوتا ہے۔ ''رهب'' اور ''إرهاب'' کے الفاظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مختار الصحاح اور لسان العرب میں ہے:

''رهب : خاف، أرهب و استرهب : أخافه'' (مختار ص ۲۲۷، لسان ۲/ ۱۷۴۸)۔

رهب کے معنی ڈرنا اور أرهب اور استرهب کے معنی ڈرانا ہیں۔ صاحب مفردات القرآن فرماتے ہیں:

"الرهبة والرهب ۔ مخافة مع تحرز واضطراب" رہبہ اور رہب کے معنی ایسے خوف کے ہیں جس میں احتیاط اور اضطراب شامل ہو (المفردات رص ۲۰۹)۔

جدید عربی لغت الرائد (۱/۸۸) میں ہے:

"الإرهاب : رعب تحدثه أعمال عنف كالقتل وإلقاء المتفجرات أو التخريب"۔

"الإرهابي: من يلجأ إلى الإرهاب بالقتل أو إلقاء المتفجرات أو التخريب لإقامة سلطة أو تقويض أخرى"۔

دہشت گردی: تشدد کے اعمال جیسے تخریب کاری، بم اندازی اور قتل سے پیدا ہونے والا خوف ہے۔

دہشت گرد: کسی حکومت کے قیام یا کسی حکومت کے خاتمہ کے مقصد سے تخریب کاری، بم اندازی یا قتل کے ذریعہ دہشت پھیلانے میں مصروف شخص ہے۔

انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں دہشت گردی کی یہ تعریف کی گئی ہے:

A Systemetic use of terror or unpredictable violence against governments, publics or individuals to attain a political objective.

''کسی سیاسی مقصد کے حصول کے لئے حکومتوں، عوام یا افراد کے خلاف دہشت یا غیر متوقع تشدد کا منظّم استعمال کرنا ہے''۔

عربی لغت ''الرائد'' میں إرهاب اور إرهابيون کا جومفہوم بیان کیا گیا ہے اور انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں دہشت گردی کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں رائج دہشت گردی کے حقیقی مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ کیونکہ اس میں اس سلسلے کی بعض اہم چیزیں ذکر نہیں کی گئی ہیں۔

دہشت گردی کا حقیقی مفہوم کسی خاص سیاسی مقصد کے پیش نظر قتل وغارت گری کرنا اور فتنہ وفساد پیدا کرنا ہے جس سے کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت یا کسی خاص طبقہ کو شدید خوف وہراس میں مبتلا کیا جائے۔ یہ خوف وخطرہ عقیدہ ودین کے تعلق سے بھی ہوسکتا ہے، جان ومال کے تعلق سے بھی اورعزت وآبرو یا ملک ووطن کے تعلق سے بھی۔ خواہ یہ عمل انفرادی طور سے انجام دیا جائے یا اجتماعی طور سے۔ یعنی اس کے انجام دینے والے کچھ افراد ہوں یا پوری حکومت اس میں ملوث ہو۔ یہ سب دہشت گردی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے دہشت گردی کی جوتعریف کی گئی ہے اور بہت حد تک صحیح معلوم ہوتی ہے، وہ درج ذیل ہے:

”الإرهاب: هو العدوان الذى يمارسه أفراد أو جماعات أو دول بغيا على الإنسان دينه ودمه وعقله و ماله و عرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و مايتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد يقع تنفيذاً لمشروع إجرامي فردي أو جماعي ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر، ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر فكل هذا من صور الفساد فى الأرض التى نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها“ (العالم الإسلامی، شمارہ: ۱۷۶۱)۔

(دہشت گردی ظلم وستم کی ایسی کارروائی ہے جس کو کسی انسان کے دین، جان، عقل، مال اور عزت وآبرو پر حملہ کرنے کے لئے افراد یا جماعتیں یا حکومتیں انجام دیتی ہیں۔ یہ کارروائی خوفزدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی، ناحق قتل، خونریزی، راہ کو پرخطر بنانے اور رہزنی جیسی

صورتوں کوشامل ہے۔اس میں تشدداور دھمکی کے وہ تمام افعال داخل ہیں جوکسی فرد یا جماعت کے مجرمانہ منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں۔اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان خوفناک ماحول پیدا کردیا جائے، ایذا رسانی کے ذریعہ ان کوخوف واندیشہ میں مبتلا کردیا جائے یا ان کی زندگی، آزادی، سلامتی اور ان کے حالات کو خطرے سے دوچار کردیا جائے۔ دہشت گردی کی مختلف قسموں میں سے یہ بھی ہے کہ فضا کو خراب کردیا جائے، پبلک یا پرائیوٹ منفعت کی چیزوں یا املاک میں سے کسی کو برباد کردیا جائے یا ملکی اور قدرتی وسائل کو خطرے سے دوچار کردیا جائے۔ یہ تمام افعال زمین میں فساد پیدا کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے)۔

اس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ دہشت گردی فساد فی الارض کی ہی ایک بدترین صورت ہے۔ چونکہ اللہ تعالی نے زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس پر سخت سزا متعین فرمائی ہے اس لئے دہشت گردی جو حقیقت میں فساد فی الارض ہی ہے قطعاً غیر اسلامی فعل ہے۔ یہ اسلامی قانون کے اعتبار سے حرام اور سخت ترین سزا کی مستوجب ہے۔قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس کی حرمت اور اس پر سخت ترین سزا کا ثبوت ملتا ہے۔ چند آیات پیش ہیں:

۱-"**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلک لهم خزي فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم**"(سورۂ مائدہ:۳۳)۔

(یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو قتل کردیا جائے یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو زمین سے دور کردیا جائے، یہ ان کے لئے دنیا

میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے)۔

اس آیت کریمہ میں محاربہ اور فساد فی الارض کی سزا متعین کی گئی ہے۔ محاربہ حرب (جنگ) سے مشتق ہے اور سلم (امن وسلامتی) کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے محاربہ کے معنی ہوئے بدامنی پھیلانا اور سلامتی کو ختم کرنا۔ یہ سزا ان لوگوں کے لئے مقرر کی گئی ہے جو اپنی پوری طاقت وقوت سے حملہ آور ہو کر امن عامہ کو برباد کریں، حکومت کے قوانین کی علانیہ خلاف ورزی کریں اور عوام کے جان ومال وآبرو پر دست درازی کریں۔ ان کی دو سزا متعین کی گئی ہے: ایک اخروی اور دوسری دنیوی۔ اخروی سزا کو عذاب عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے اور دنیوی سزا کے چار طریقے بتائے گئے ہیں:

۱-قتل: یعنی ان فسادیوں کو قتل کر دیا جائے، ۲-سولی: ان کو سولی پر چڑھا دیا جائے، ۳-ان کے ہاتھ پاؤں مختلف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، ۴-ان کو قید کر دیا جائے۔ ان چاروں طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کا حکومت کو اختیار ہے۔ غرض شریعت اسلامی میں فساد فی الارض کی اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ اور چونکہ دہشت گردی اسی فساد فی الارض کی ہی ایک قسم ہے اس لئے اس کی بھی یہی سزا ہوگی۔

۲-"**ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا یحب المفسدین**"(سورۂ قصص:۷۷)۔

(اور زمین میں فساد برپا نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے)۔

۳-"**ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها**"(سورۂ اعراف:۵۶)۔

(زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد)۔

۴-"**إنما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیر**

الحق أولئک لهم عذاب أليم"(سورۂ شوری:۴۲)۔

(ملامت ان ہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

۵-"**وإذا تولى سعى فى الأرض ليفسد فيها ويهلک الحرث والنسل والله لا يحب الفساد**"(سورۂ بقرہ:۲۰۶)۔

(اور جب وہ پیچھے جاتا ہے تو پوری کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کردے اور کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کردے اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا)۔

درج بالا چاروں آیات میں تمام قسم کی فساد انگیزی سے روکا جارہا ہے۔ جس میں قتل وغارت گری، اموال کا لوٹ کھسوٹ، عزت وآبرو کی پامالی، مکانات اور دکانوں کو آگ لگادینا، باغوں کو اکھاڑ دینا، کھیتی کو تباہ کردینا، کارخانوں کو برباد کردینا اور ہر قسم کی تخریبی کارروائی شامل ہے جس سے ملک کی معاشی واقتصادی خوشحالی متاثر ہو۔ دہشت گردی میں یہی سب چیزیں نشانہ بنتی ہیں اور ان سب چیزوں کا نقصان ہوتا ہے۔

ان سب آیات سے دہشت گردی کے حرام ہونے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کا مکمل ثبوت مل جاتا ہے۔ اس لئے کسی فرد یا جماعت یا حکومت کے لئے یہ قطعی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لئے دہشت گردی کو اپنا طریقہ کار بنائے، اس کے ذریعہ کسی بے گناہ طبقہ یا عوام اور رعایا کو شدید جانی ومالی تکلیف واذیت میں مبتلا کرے، اس کی عزت وآبرو کو پامال کرے اور دین وعقیدہ اور وطن کے بارے میں اس کے دل میں خوف وخدشہ پیدا کرے۔

۲- کسی حکومت کا اپنی رعایا میں سے کسی خاص طبقہ کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنا،

اس کی جان و مال کی حفاظت نہ کرنا، بلکہ جان و مال کی تباہی کی کوشش کرنا، ایسے حالات پیدا کر دینا جس سے اس طبقہ کی نسل کشی ہوتی رہے۔ معاشی، نسلی، دینی ہر اعتبار سے اس کا استحصال کرنا یہ بھی دہشت گردی ہے اور یہ ریاستی دہشت گردی ہے۔ یہ انفرادی دہشت گردی سے زیادہ سنگین اور زیادہ خراب نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ اسی ظلم وستم اور ناانصافی کے نتیجہ میں انفرادی دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ اور پھر وہ سلسلہ چل پڑتا ہے جو پورے ملک اور اس کے نظام کے لئے تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ جب ملک کے تمام طبقوں کے ساتھ انصاف ومساوات کا سلوک کیا جائے اور ان کو ان کے حقوق دے دیئے جائیں لیکن کسی ایک طبقہ کے ساتھ شدید ظلم وستم کا سلوک روا رکھا جائے اور ان کے حقوق غصب کر لئے جائیں تو وہ طبقہ یقیناً کچھ عرصہ کے بعد اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا اور پہلے تو مناسب انداز میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرے گا لیکن جب اس کو اس میں ناکامی ہوگی تو وہ مایوس ہوکر دہشت گردی کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

اس وقت دنیا میں جہاں جہاں دہشت گردی کی تباہی نظر آتی ہے ان میں سے اکثر جگہوں میں اس کی اصل وجہ یہی سرکاری دہشت گردی ہے۔ اس کی وجہ سے سماجی و معاشی ناانصافی اور ظلم وستم سے عاجز آ کر کوئی ایک طبقہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنے اور دوسروں کے جان و مال کو بے دریغ ضائع و برباد کر رہا ہے۔ اور یہ کوئی آج کی نئی بات نہیں ہے بلکہ قبل سے ایسا ہوتا آ رہا ہے اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱-سویت یونین کے قیام کے بعد وہاں کی جابر حکومتوں نے اپنے عوام خصوصاً مسلم عوام کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اور ملکی حصار میں قید کر کے دنیا سے ان کا تعلق ختم کر دیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آخر سویت یونین کے زوال کے بعد اس حصار سے عوام کو نجات ملی۔ متعدد ممالک آزاد ہوئے اور دنیا سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ یہ اسی

ریاستی دہشت گردی کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

۲-چیچنیا میں روسی حکومت نے جس طرح چیچنیائی مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان کی حقوق تلفی ہورہی ہے۔ منظّم طور سے ان کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ ان کو مکمل طور سے مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ بھی سرکاری دہشت گردی کی نمایاں مثال ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہاں کی عوام نے علم بغاوت بلند کر رکھا ہے۔ حکومت اور عوام میں شدید مزاحمت جاری ہے۔

۳-مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس سرزمین فسلطین میں جس طرح امریکہ اور برطانیہ کے اشارے اور ان کی خفیہ کوششوں سے مسلمانوں کی حکومت کو ختم کر کے ایک سخت متعصب یہودی وصہیونی حکومت قائم کردی گئی اور وہاں کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا گیا ہے۔ روزانہ مسلمانوں کا قتل ہورہا ہے۔ یہ بھی سرکاری دہشت گردی کی ایک مکمل مثال ہے۔ اس کے ردعمل میں وہاں کے رہنے والے اصل باشندوں نے سرکاری دہشت گردی کا جواب جماعتی دہشت گردی سے دینا شروع کردیا ہے۔

۳- کسی طبقہ کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور ظلم وستم کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جن کی وجہ سے ان کے ردعمل اور احتجاج کے حکم میں بھی فرق ہوگا۔ اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

۱-اگر ناانصافی اور حق تلفی اس طرح ہورہی ہے کہ زندگی کی بعض ایسی سہولیات سے ان کو محروم کیا جارہا ہے جس سے معاشرہ کے دوسرے افراد فیضیاب ہورہے ہیں۔ مثلاً ملازمت میں تعصب برتنا، معاشی استحصال کرنا، زیادہ ٹیکس لگا دینا، بجلی پانی سے محروم کردینا وغیرہ تو ایسی صورت میں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے احتجاج کرنا جائز ہے۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے۔ ''**الضرر یزال**'' یعنی لاحق ہونے والے ضرر اور تکلیف

ومشقت کو دور کیا جائے گا۔

۲- اگر ناانصافی وحقوق سلبی کا تعلق جان و مال اور عزت وآبرو سے ہے تو ایسی صورت میں احتجاج کرنا اور اپنے حقوق کے لئے لڑنا واجب ہے۔ کیونکہ انسان پر اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ اور ان کی حفاظت میں جو جان دے دے اس کو شریعت نے شہید کا درجہ دیا ہے۔

"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**" (بقرہ: ۱۹۴)۔

(جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے)۔

"**عن سعيد بن زيد**ؓ **قال قال رسول الله** ﷺ: **من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد**" (نسائی کتاب المحاربۃ ۲/۱۷۲)۔

(حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے ہلاک ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے ختم ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے)۔

۳- اگر ناانصافی اور ظلم وستم کا تعلق دین اور مذہب سے ہے کہ اسلامی احکام کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی جارہی ہے دین وشریعت پر حملہ کیا جارہا ہے، مساجد وعبادت گاہیں توڑی جارہی ہیں، اسلامی تعلیمات پر عمل کو دشوار بنایا جارہا ہے تو اس کے خلاف احتجاج کرنا اور اس کے دفاع میں اٹھ کھڑا ہونا شریعت میں فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ خواہ اس کے لئے حکومت وقت سے نبرد آزمائی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

"**أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير، الذين**

أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً ولينصرن الله من ينصره إن الله لقوی عزیز"(سورۂ حج:۳۹،۴۰)۔

(جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، بلا شبہ اللہ تعالی ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اور اگر اللہ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو منہدم کر دی جاتیں خانقاہیں، کنیسے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالی کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے اور اللہ تعالی ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بلا شبہ اللہ تعالی قوت والا زور آور ہے)۔

"**مالكم لا تقاتلون في سيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا أخرجنا من هذه القرية الظالم أهلها**"(سورۂ نساء:۷۵)۔

(تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد، عورتیں اور بچے، جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں)۔

ان آیتوں میں جہاد کی فرضیت کا تذکرہ ہے۔ جہاد کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ ان لوگوں پر ظلم کیا گیا ہے اس لئے یہ لوگ جہاد کر کے بدلہ لیں گے۔ اور دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قتال و جہاد کا حکم کوئی نیا نہیں ہے۔ انبیاء سابقین کے زمانے سے چل رہا ہے۔ اگر اللہ تعالی اس کے ذریعہ اہل حق کے ہاتھوں اہل باطل کو کمزور نہ کرتا تو یہ ساری عبادتگاہیں جو مختلف مذاہب کی ہیں باقی نہ رہتیں بلکہ اہل باطل کے ہاتھوں ڈھادی جاتیں۔ جہاد کے ذریعہ ہی اہل حق نے باطل پرستوں کے حملوں کا دفاع کیا اور دین اور اس کے شعائر باقی رہے۔ اس لئے جب دین و شریعت

پر حملہ ہوتو اس کا دفاع فرض ہو جاتا ہے۔

ایسا مظلوم طبقہ جو ظلم وستم کا نشانہ بنا ہوا ہے اور سیاسی معاشی، تہذیبی اور دینی ہر اعتبار سے اس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ اگر اپنے اوپر کئے جانے والے مظالم کے خلاف یہ مظلوم طبقہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور احتجاج پر آمادہ ہو جاتا ہے تو یہ اس کا فطری حق ہے۔ اس کو دہشت گردی سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ درج ذیل آیات کریمہ سے اس کی اجازت ملتی ہے:

"والذین إذا أصابهم البغی هم ینتصرون وجزاء سیئة سیئة مثلها" (سورۂ شوریٰ/۴۰)۔

(اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے)۔

"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین" (سورۂ نحل/۱۲۶)۔

(اور اگر بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے)۔

ان دونوں آیات سے اپنے اوپر کئے گئے ظلم وستم کا بدلہ لینے اور اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی پوری اجازت ملتی ہے۔ اگر اس طرح کی زیادتیوں پر احتجاج نہ کیا جائے اور ظالم حکومت کے خلاف تحریک نہ چلائی جائے تو مظلوم طبقہ ظالم حکومت کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے ختم ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے انسانی حقوق کے حصول کے لئے پوری طاقت وقوت سے جدوجہد کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حکومت وقت کے خلاف اس سے کچھ زیادتی ہو جاتی ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام نے قاعدہ **"الضرورات تبیح المحظورات"** کے تحت یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی حملہ آور ہو اور

وہ مظلوم شخص اپنے دفاع میں اس سے مقابلہ کرے۔ اور اس مقابلہ میں حملہ آور کی موت ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے دفاع کیا ہے۔

''**ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله**''(الاشباہ والنظائر)۔

(حملہ آور کو روکنے کی اجازت ہے اگر چہ نتیجہ اس کے قتل تک پہنچ جائے)۔

۴۔ مظلوم طبقہ کو ظالم گروہ یا ظالم حکومت سے بدلہ یا انتقام لیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقوق سلبی اور ظلم وتعدی کے ردعمل میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کی جانوں اور ان کے اموال کو تباہ و برباد نہ کیا جائے اور نہ ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے کیونکہ اپنے سلب شدہ حقوق کی بازیافت اور اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کی مدافعت کی شریعت نے اجازت دی ہے بلکہ یہ شریعت میں مطلوب بھی ہے لیکن بے گناہ لوگوں پر ظلم وتعدی کرنے سے سختی سے منع بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ جنگ میں عورتوں، بچوں اور ضعیف بوڑھوں کو قتل کرنے پر پابندی لگادی ہے۔

''**عن ابن عمرؓ قال:وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله ﷺ فنهی رسول الله ﷺ عن قتل النساء ولصبيان**''(بخاری: کتاب الجہاد ۱/ ۴۲۳)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا)۔

اسلامی فوج کو روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی اس میں یہ بھی فرمایا:

''**لا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا امرأة**''(ابوداؤد: کتاب الجہاد؛ باب دعاء المشرکین ۱/ ۳۵۹)۔

(بے حد بوڑھے شخص کو قتل نہ کرو، نہ کسی بچہ کو نہ کسی چھوٹے کو اور نہ کسی عورت کو)۔

"عن رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ قال: کنا مع رسول الله ﷺ فی غزوة فرأی الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلاً فقال: انظر علی ما اجتمع هؤلاء، فجاء فقال: علی امرأة قتیل، فقال: ما کانت هذه لتقاتل، قال: وعلی المقدمة خالد بن الولید رضی الله عنه فبعث رجلاً فقال: قل لخالد: لا تقتلن امرأة ولا عسیفا"

(ابوداؤد: کتاب الجہاد؛ باب فی قتل النساء ۲/۶)۔

(حضرت رباح بن ربیعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کسی چیز پر جمع دیکھا تو ایک شخص کو بھیجا کہ دیکھو یہ لوگ کس چیز پر بھیڑ لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آ کر کہا کہ ایک مقتول عورت پر بھیڑ لگی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قتال میں شریک تو نہیں تھی۔ مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن الولیدؓ تھے، آپ ﷺ نے ایک آدمی بھیج کر ان کو کہلایا کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو)۔

امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

"ولا ینبغی أن یقتل النساء من أهل الحرب ولا الصبیان ولا المجانین ولا الشیخ الفانی لقوله تعالی: وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم(سورۃ بقرہ:۱۹۰)**وهؤلاء لا یقاتلون وحین استعظم رسول الله ﷺ قتل النساء أشار إلی هذا بقوله: هاه، ماکانت هذه تقاتل، أدرک خالداً وقل له: لا تقتلن ذریة ولا عسیفاً"**(شرح السیر الکبیر ۴/۱۴۱۵)۔

(اہل حرب کی عورتوں، بچوں، مجنون اور بے حد بوڑھے کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جنگ نہیں کر رہے ہیں اور جس وقت حضور ﷺ نے عورتوں کے قتل کو

بڑی غلطی قرار دی اس کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا: آہ! یہ تو جنگ نہیں کرتیں۔ خالد سے جا کر کہو کہ بچوں کو اور مزدور کو قتل نہ کریں)۔

۵ – فقہ اسلامی کا مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ میں کسی عورت کو، کسی بچہ کو، کسی از کار رفتہ بوڑھے کو، کسی اپاہج کو اور کسی نابینا کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قتل کی اباحت لڑائی سے ہوتی ہے اور لڑائی ان لوگوں سے نہیں ہو سکتی۔ ہدایہ میں ہے:

"ولا يقتلوا امرأة ولا صبياً ولا شيخاً فانياً ولا مقعداً ولا أعمى لأن المبيح للقتل هو الحراب ولا يتحقق منهم" (ہدایہ: کتاب السیر ۲/ ۵۶۲)۔

دهشت گردی کی حقیقت

اور اسلام میں اس کا حل

محمد علی تسخیری، ایران
ترجمہ: حسیب الرحمٰن ندوی

اسلامی اور انسانی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف پر ایک نظر:

پچھلے بیس سالوں میں دہشت گردی کے تعلق سے بہت سی تحقیقات منظر عام پر آئیں، بعض نے ان کی تعداد نو سو تک قرار دیا ہے، خصوصی میگزین و ماہنامے شائع ہوئے، بلکہ علمی مراکز و معاہد تک کا قیام وجود میں آیا، دہشت گردی سے لڑنے کے لئے طرح طرح کی اسٹریٹجی اور طریقہ کار پیش کئے گئے، دہشت گردی سے لڑنے کے لئے اتنی فوجوں کو تربیت دی گئی جن کی تعداد خود دہشت گردوں سے متجاوز ہے، بلکہ شاید دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر خود دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا، اس کینسر کے علاج کے لئے بے شمار سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں (الارہاب الدولی: ڈاکٹر محمد عزیز شکری رص ۱۱)، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سب کے باوجود دہشت گردی کا مفہوم مبہم کا مبہم رہا، اس کے متعلق اٹھنے والے سوالات بلا جواب رہ گئے، گویا وہ خود امر مقصود ہے جو دہشت گردی کی مخالفت و مزاحمت کے دعویدار ان کو سخت ترین دہشت گردی کے ارتکاب وغرور وتکبر کے مظاہرے، قوموں کی نسل کشی، ان کے حقوق کی پامالی، ان کی دولت کے سرچشموں کی بربادی اور ان کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

محقق شمید نے دہشت گردی کی ۱۰۹ تعریفوں کا ذکر کیا ہے، اور پھر اس نے خود اس کی تعریف یوں کی ہے:

دہشت گردی کشمکش و تنازع کا ایک اسلوب ہے جس میں رمزی شکار تشدد کے فعال ہدف کے طور پر کام کرتے ہیں، یہ سرگرم و فعال شکار کی جماعت اپنی خصوصیات کے ساتھ کسی دوسرے گروپ یا جماعت کی خصوصیات میں اشتراک کا رشتہ رکھتی ہے جو اس کو قربانی کے لئے منتخب کرنے میں بنیاد و اساس کا کام کرتی ہے، سنجیدہ تشدد یا دھمکی کے استعمال سے اس جماعت یا طبقہ کے دوسرے افراد مستقل خوف و دہشت کی حالت میں رہتے ہیں، اور یہ جماعت جس کے افراد کے احساس امن کو بالقصد پارہ پارہ کیا جاتا ہے وہی اس مستقل خوف و دہشت کا ہدف بنتی ہے، جس کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی قربانی کو اکثر مشاہدین کی نگاہ میں غیر طبیعی عمل سمجھا جاتا ہے، کبھی تو اس عمل میں قساوت و شدت کی وجہ سے، کبھی وقت کی نامناسبت کی وجہ سے (مثلاً امن وصلح کے زمانے میں) اور کبھی مکان کی نامناسبت کی وجہ سے (جیسے میدان جنگ کے علاوہ ہو)، یا روایتی جنگ میں رائج و مقبول قواعد کی عدم پابندی کی وجہ سے (الارہاب السیاسی رص ۱-۲)۔ اسی طرح وہ اس کی طویل تعریف کرتا ہے جس کا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

جبکہ جنکنیز نے دہشت گردی کی تعریف یہ کی ہے کہ: دہشت گردی وہ عمل ہے جسے برے اشخاص انجام دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ عجیب و غریب تعریف ہے، اب کون اچھے برے اور خیر و شر کی تحدید کرے گا؟ کیا وہ وہی مغرور و متکبر طاقتور نہیں ہیں جو انسانیت کی قسمتوں سے کھیلتے ہیں جن میں سرفہرست آج امریکہ ہے؟

استاذ شریف بسیونی نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ:

دہشت گردی عالمی سطح پر ممنوع تشدد کے استعمال کا طریقہ ہے، جس پر اعتقادی و مذہبی

بواعث واسباب آمادہ کرتے ہیں اور جس کا مقصد متعین معاشرہ کے کسی معین طبقہ کے اندر رعب ودہشت کو پیدا کرنا ہوتا ہے، تاکہ کرسی تک پہنچا جاسکے، یا کسی مطالبہ یا ظلم کی دادرسی کا پروپگنڈا مقصود ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کے انجام دینے والے خود اپنے لئے کرتے ہیں یا کسی ملک کی نیابت میں (حول الارہاب الدولی ص۱۶)۔

اگرچہ بسیونی ایک معروف قانون داں ہیں، اور ۱۹۸۸ء میں ویانا میں منعقد علاقائی ماہرین کے اجتماعات میں اس تعریف کو قبول بھی کیا گیا ہے، لیکن اس تعریف میں بعض قابل مؤاخذہ جھول ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس میں انفرادی دہشت گردی پر ترکیز کی گئی ہے اور یہ تعریف جامع نہیں ہے۔

جناب شکری صاحب نے اس اصطلاح کی ملکی قوانین جیسے سوری اور فرانسیسی قوانین میں تطبیقات کا مطالعہ کیا ہے، اور اسی طرح بین الاقوامی قانون کی سطح پر اس کو دیکھا ہے تو ان کے خیال میں یہ تعریف نامکمل ہے (الارہاب الدولی، باب اول)۔

پانچویں اسلامی چوٹی کانفرنس کی قرارداد نمبر ۲۰/۵ س (ق أ) نے اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کی رائے کی تائید کی ہے، تاکہ بین الاقوامی دہشت گردی کے موضوع پر بحث کی جائے، اور اس کے اور قوموں کی اس مزاحمت کے درمیان فرق وتمیز کو واضح کیا جائے جو اپنے قومی مصالح اور اپنی زمین کی آزادی کے لئے کرتی ہیں، یہ کانفرنس جنیوا میں منعقد ہوئی اور اللہ تعالی نے اس میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی، اس اجتماع میں مندرجہ ذیل اعتبارات کو ذہن میں رکھنا ہمارے لئے ضروری تھا:

سب سے پہلے اسلامی مصادر ومراجع کی مراجعت کرنا تاکہ بڑے انقلابی مقاصد کا استحضار ہوسکے، اور ان اصول ومبادی کی معرفت حاصل ہو جن کو اسلام اعمال ومقاصد کے انسانی ہونے کی بنیاد قرار دیتا ہے، اور پھر انہیں کو بنیاد بنا کر حالات ومسائل پر حکم لگایا جاسکے۔

دوسرے یہ کہ اس حقیقی وشفاف فطرت انسانی کا استقرار کیا جائے جو محدود و تنگ مفاد و مصلحت کے تقاضوں سے پاک ہو، تا کہ انسانی اصول و مبادی کو متعین کر کے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر عمومی انسانی معیار کے طور پر پیش کیا جا سکے، تا کہ ہمارے مطالبہ کے نتائج بین الاقوامی سطح کے مختلف میدانوں پر محیط اور ایک عمومی فریم ورک کی تشکیل کے لائق اور مفید ہوں۔

تیسرے یہ کہ ان اسلامی اور انسانی اصول و مبادی سے ایک ایسی عمومی تعریف مستنبط کریں جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، جامع ان تمام مفردات کا ہو جو دہشت گردی کے ضمن میں حقیقی ہیں، اور مانع ان تمام احوال و واقعات کے لئے ہو جو خود دہشت گردی کا سبب ہیں، اور اعلی اصول و مبادی انہیں دہشت گردی کے نام سے تعبیر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

چوتھے یہ کہ ہمیں ان تمام واقعات کا جائزہ لینا ہے جو کہ قومی و بین الاقوامی سطح پر بطور دہشت گردی کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں، تا کہ ان نتائج کی روشنی میں ان کی تحقیق و تمحیص کی جائے اور پھر بڑی دقت و دیدہ ریزی کے بعد اس پر مناسب حکم لگایا جا سکے، تا کہ کوئی التباس یا ابہام باقی نہ رہ جائے اور ہر عمل کو امن کی حقیقی صفت سے متصف کیا جا سکے۔

اس مقدمہ کی روشنی میں، ہم اپنی بات کو چند نکات میں ملخص کریں گے:

پہلا نکتہ:

یہ کہنا زائد از ضرورت ہے کہ بین الاقوامی بلاک، یا ہر ملک یہاں تک کہ ہر جماعت کے کچھ دشمن اور مخالفین ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خاتمہ کے لئے کوشاں رہتا ہے، جب کشمکش عروج پر ہوتی ہے تو ہر فریق دوسرے کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس پر طرح طرح کی تہمت طرازیاں کرتا ہے جیسے انارکی پسند، جرم پسند، قانون مخالف، باغی، غیر انسانی اور دہشت گردی وغیرہ جیسے القاب سے نوازتا ہے۔

بلکہ بسا اوقات ایک فریق اس قسم کے دعوے صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے حقوق سلب کرنے کے منصوبوں کی تنفیذ کرسکے۔ اور بہانہ اس تہمت کا یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور قومی و وطنی مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔

اس کام کو انجام دینے کے لئے ہر فریق اپنے بین الاقوامی اثر ورسوخ کو استعمال کرتا ہے تا کہ دوسری طاقتوں کو اپنی جانب کھینچ سکے یا تو عملی طور پر یا بین الاقوامی پلیٹ فارم اور اداروں کے ذریعہ اپنی تائید کی شکل میں، اس شکل میں مسئلہ ایک عمومی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جیت ہوتی ہے دباؤ کی، اثر ورسوخ کی اور متاثر کردینے کی قدرت وصلاحیت کی، اور منطق سلیم کا استعمال نہیں ہوتا۔

یہیں سے احساسات کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دہشت گردی مسترد جیسے نعروں کے تحت ان مفاد پرستانہ منصوبوں کی تنفیذ کے لئے جذبات کا ناجائز استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ دہشت گردی اگر اس کے اسباب واغراض سے قطع نظر کرلیں تو انسانی طور پر قابل مذمت عمل ہے، اور کوئی بھی سلیم الفطرت انسان انسان کی عزت وآبرو، آزادی وخودمختاری، امن وامان اور نوکری ومعاش کو خطرہ میں ڈالنے کو پسند نہیں کرسکتا، یہ ایک ایسا فطری احساس ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ:

اگر ہم لفظ دہشت گردی کے لفظی مدلول کا تتبع کرتے ہیں اور انسانی زندگی پر اس کے مدلولات کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ دہشت گردی مختلف سطحوں پر ہوسکتی ہے، دہشت گردی کی ایک قسم وہ ہے جو امن وسلامتی، عزت وآبرو اور جان ومال کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے، ایک قسم تہذیبی وثقافتی دہشت گردی کی ہے جو انسانی تشخص کو تار تار کردیتی ہے، اور ضیاع ولامقصودیت

کی طرف لے جاتی ہے، دوسری طرف میڈیائی دہشت گردی ہے جو آزاد اور صاف ستھری فضا میں انسان کے تنفس کی آزادی کو سلب کرلیتی ہے، اسی طرح ہم بہت سی دہشت گردیوں جیسے معاشی دہشت گردی، علمی دہشت گردی، سفارتی دہشت گردی اور فوجی دہشت گردی وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں۔

دہشت گردی کے عمل کو انجام دینے والے کے لحاظ سے اس کی عملی تقسیم موجود ہے، اور اس تقسیم کو قابل اعتبار سمجھنا ضروری ہے، میری مراد اس سے دہشت گردی کی سرکاری اور غیر سرکاری تقسیم ہے، سرکاری دہشت گردی جو کہ زیادہ خطرناک دہشت گردی ہے، ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی تائید کسی ایسے ادارے یا حکومت کی طرف سے ہورہی ہو جس کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کرلیا گیا ہو، خواہ اس دہشت گردی کو انجام دینے والے اس ملک کی فوج ہو یا افراد ہوں، ہوسکتا ہے یہ دہشت گردی مذکورہ حکومت کے مفاد میں انجام دی جارہی ہو، اس کے مقابلے میں غیر سرکاری دہشت گردی آتی ہے۔

تیسرا نکتہ:

کسی بھی عمل یا سلوک میں ہم دو مؤثر عنصر پر ترکیز کرسکتے ہیں:

اول: کام کرنے والوں کے دواعی و اسباب۔

دوم: خود اس عمل یا کام کی انسانوں کے نزدیک مقبولیت۔

یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم نہیں ہیں، کبھی کام کرنے والے کے شخصی اسباب اس کی نگاہ میں انسانی ہوتے ہیں حالانکہ عمومی سطح پر ہوسکتا ہے وہ انسانی نہ سمجھے جاتے ہوں، اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ عامل کا مقصد کوئی انسانیت پسندانہ نہیں ہوتا، اور شاید اس کی نگاہ و تصور میں وہ غیر انسانی ہی ہو لیکن عام نقطۂ نظر سے وہ انسانی تصور کیا جاتا ہے۔

یہیں سے کام کے تعلق سے زاویہ ہائے نظر مختلف ہوجاتے ہیں اور اس پر حسن و قبح کا

حکم لگتا ہے (مسلم علماء اصول نے عقلی تحسین و تقبیح کے سلسلے میں بڑی قیمتی تحقیقات چھوڑ ی ہیں جن سے یہاں تعرض کی گنجائش نہیں ہے) جو یہاں بیان کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں عناصر میں سے کوئی ایک تنہا کسی عمل کو قابل قبول یا قابل ردقرار دینے کے لئے یا اس پر منفی یا مثبت حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ مطلوب کے حصول کے لئے دونوں عناصر میں مثبت ہونے کی ضمانت لازمی ہے۔

لہذا ہمیں اپنی اس بحث میں معروضیت کی ضمانت کے لئے اس معیار کا جاننا ضروری ہے جو کسی بھی عمل کو مقبول اور انسانی قرار دیتا ہے، اور یہ دو زاویہ نظر یعنی اسلامی اور عمومی بشری زاویہ ہائے نظر سے دیکھا جائے گا۔

اسلامی زاویہ نظر سے دیکھنے کے لئے ہمیں ان تمام بنیادوں، مفاہیم اور احکام کا مطالعہ کرنا ہوگا جو کسی بھی طرح دہشت گردی کے لغوی، لسانی معنوں سے تعلق رکھتے ہیں، تاکہ قابل مذمت دہشت گردی یعنی اسلامی اعتبار سے ناقابل قبول دہشت گردی بایں طور کہ وہ کمال انسانی کی اس راہ وطریقہ کے منافی ہو جس کو اللہ رب العزت نے نظریہ فطرت کے تحت بشریت کے لئے متعین کیا ہے اور وحی کے ذریعہ اس کی منصوبہ بندی کی ہے، ایک عمومی تعریف دی جاسکے۔

جب اسلامی تعلیمات کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں تو اس میدان میں اسلام ہمیں بہت سا مواد فراہم کرتا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ علماء اسلام نے موضوع سے مرتبط مختلف حالات پر بحثیں کی ہیں۔

اب دیکھئے: بغی کے احکام ہیں یعنی مسلح جماعت کا کسی قانونی اور انصاف پسند حکومت کے خلاف بغاوت، معاشرہ میں خوف و دہشت کا پھیلانا اور ایسے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کی کوشش جو امت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیتے ہوں۔

جنگ کے احکام اور اسکی اخلاقیات ہیں (دیکھئے: ہمارا مقالہ "أحکام الحرب والأسری...... بین الرحمۃ والمصلحۃ")۔

حرابہ کے احکام ہیں (حرابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ شہر یا خارج شہر لوگوں کو مرد ہوں یا عورت، کمزور ہوں یا قوی، ڈرانے کے لئے خشکی میں ہو یا تری میں، دن کی روشنی میں ہو یا رات کی تاریکی میں ہتھیار اٹھانے کا نام حرابہ ہے) اور یہ تعریف اللہ کے اس قول سے مستنبط کی گئی ہے، "**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أوتقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلک لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم**" (مائدہ/ ۳۳)۔

ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اس آیت نے موضوع اور ہدف دونوں کا ذکر کر دیا ہے، اور وہ معاشرہ کے ساتھ جنگ اور زمین میں فساد کی برپائی ہے، اسی طرح اس آیت نے اس دردناک عذاب کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ان لوگوں کو ملے گا، یہ ساری چیزیں موضوع کے تعلق سے اسلام کے اہتمام پر دلالت کرتی ہیں۔

چوری اور قتل کے احکام بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

اسی طرح اسلامی لٹریچر میں فتک (حملہ کرنا)، غیلہ (اچانک حملہ کرنا) اور ائتمار (سازش کرنا) کے قبیل کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں جن کا تعلق اس لفظ سے ہے۔

اسی طرح دوسری نصوص آخری حد تک عہد و پیان کے احترام کے تعلق سے ملتی ہیں کہ عہد و پیان کی رعایت اس وقت تک واجب ہے جب تک فریق ثانی اس کی دفعات کا پابند ہے۔

مزید برآں اسلام کے اخلاقی نظام کے اپنے تقاضے ہیں، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا وضعی قوانین میں کوئی معنی نہیں، لیکن اس نظام میں اپنی حقیقت و اصالت رکھتے ہیں، جھوٹ ایک بری چیز ہے اور کبائر کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح چغل خوری ہے، اس طرح ہم دیکھتے

ہیں کہ اسلام بڑی سنجیدگی کے ساتھ ہر قسم کی صحتمند انسانی آزادی کی حفاظت، فرد و معاشرہ کی عزت و آبرو، اس کی قوت اور اس کی خاندانی وحدتوں کے دفاع کے لئے کام کرتا ہے، اس پر ہونے والی کسی قسم کی زیادتی کو گناہ عظیم تصور کرتا ہے، اور اس پر اس قدر سخت ترین سزائیں دیتا ہے جو بعض حالات میں سزائے موت تک جا پہنچتی ہیں۔

اسلام شخصی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور معصوموں پر زیادتی کو بڑا جرم اعتبار کرتا ہے، وہ کمزوروں، مسکینوں اور بے سروسامانوں کی حفاظت پر بہت زور دیتا ہے، اور شاید انہیں کی حمایت و حفاظت کے لئے جہاد کو واجب قرار دیا ہے، قرآن کریم میں ہے: "**وما لکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء**......" (نساء/۷۵)۔ مسلمانوں سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ مظلوم کا ساتھ دیں یہاں تک کہ اسے انصاف مل جائے۔

حضرت علیؑ اپنے دونوں لڑکوں کو وصیت فرماتے ہیں کہ تم دونوں ظالموں کے حریف اور مظلوموں کے مددگار رہنا۔ انہوں نے ہی فرمایا کہ ذلیل میری نگاہ میں بہت ہی عزیز و معزز ہے تا آنکہ میں اس کا حق دلوا دوں، اور طاقتور ہمارے نزدیک کمزور ہے تا آنکہ اس سے حق لے لوں۔

اور شاید قرآن کریم میں نعمت امن کا تذکرہ اللہ کے اس قول میں "**وآمنهم من خوف**" اس اہمیت کی سب سے بہترین دلیل ہے جو اسلام امن و امان کو دیتا ہے، ان چیزوں کو بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے، جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ عامل کی نیت میں انسانیت کا وجود اور اس کی مقبولیت عام کے تعیین کا اولین معیار دین ہے۔

ہم دوسرے پہلو یعنی اس کے عام انسانی پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس مقام پر ہم اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں جن کا اعتبار تمام بشریت نے کیا ہے، جس میں اس کے سرکاری محکمے، قومی تنظیمیں، اور اس کے حس و وجدان سبھی شامل ہیں، ان کو ہم عامل کی نیت میں انسانیت یا

غیر انسانیت اور اس کے قبول عام یا عدم مقبولیت کی تحدید کے لئے دوسرا معیار تصور کرتے ہیں گر چہ ہمارا خیال ہے کہ یہ دونوں معیار اکثر اوقات ایک دوسرے سے پیوست رہتے ہیں۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھانے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آج تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ مندرجہ ذیل امور میں عدم انسانیت کی صفت پائی جاتی ہے، مثال کے طور پر:

فحش کاری اور خاندانی روابط کا خاتمہ۔

منشیات اور عقلیت پسند شخصیت و تشخص کا خاتمہ۔

سامراج اور قوموں کی ذلت اور ان کی دولتوں کی لوٹ مار۔

عنصریت اور انسانی اخوت کا خاتمہ۔

معترف حقوق کی پامالی اور بدعہدی۔

آباد علاقوں پر بمباری، کیمیکل، بایولوجیکل اور ایٹم بم وغیرہ کا استعمال، شہری ہوابازی، ریلوے لائن، سیاحتی اور تجارتی جہازوں پر حملہ اور اس قسم کے دوسرے اعمال جو جنگ میں ساری انسانیت کے نزدیک قابل مذمت ہیں۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جن کے انسان دشمن ہونے میں کسی دو شخص کو اختلاف نہیں ہوسکتا، لہذا یہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں ہماری اس تعریف میں مقبول معیار کا کام کریں گی، اسی طرح کوئی بھی عمل جو ان کے خاتمے اور ان کی مزاحمت کے لئے انجام پائے گا وہ انسانی عمل تصور کیا جائے گا، اگر دوسری انسانی قدروں کی پامالی نہ ہو رہی ہو تو اس عمل کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہئے۔

چوتھا نکتہ:

دہشت گردی کی اختیار کردہ تعریف:

گذشتہ مباحث کے بعد ہم اس مقام پر ہیں کہ قابل مذمت دہشت گردانہ عمل کی ایک جامع تعریف پیش کر سکیں، اس پر متفق ہوں اور اس کی بنیاد پر اپنا موقف اختیار کریں۔

مجوزہ تعریف پیش کرنے سے پہلے ہم یہ یاد کرادیں کہ اس تعریف میں مندرجہ ذیل عناصر کی رعایت ہمارے لئے ضروری ہے:

۱-سراسیمگی پھیلانا اور امن کی تمام مختلف قسموں کو پارہ پارہ کر دینا۔

۲-غیر انسانی نیت اور غیر انسانی حقیقی سبب۔

۳-کام کی نوعیت اور اس کے مقصد کی عمومی عدم مقبولیت۔

۴-وسیلہ ومقصد کی ہم آہنگی۔

اس لئے ہماری تعریف اس طرح ہونی چاہئے کہ:

دهشت گردی:

ہر وہ عمل ہے جو مقصد اور وسیلہ دونوں اعتبار سے انسانی و دینی اقدار کے منافی ہو، اور امن کی کسی بھی قسم کے لئے خطرہ بن سکتا ہو۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل نکتوں کو بیان کرتے ہیں:

۱-بین الاقوامی کے بجائے ہم نے بشری وانسانی کی اصطلاح استعمال کی ہے تا کہ عام انسانی فیصلہ کو یقینی بنانے کے لئے رسمی وغیر رسمی دونوں اجماع حاصل کر سکیں۔

۲-وسیلہ وہدف دونوں عناصر کا لحاظ رکھا ہے۔

۳-ارہاب کی قسموں کی طرف (کسی بھی قسم کے امن) کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔

۴-دینی وانسانی دونوں معیاروں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے تا کہ سب سے پہلے ہم اپنے

ایمان سے ہم آہنگ ہوں، پھر اس قیاس ومعیار کو عام کریں۔

۵-اس طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی عمل تشدد کا ہونا دہشت گردی کی مصداقیت کے لئے شرط نہیں ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں ہم ان صفات کی تحقیق کر سکتے ہیں جو اِس یا اُس عمل پر منطبق کی جاتی ہیں، اور اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ اس صفت کا اطلاق درست نہیں ہوگا:

الف-قومی مزاحمتی سرگرمیوں پر جو صرف سامراج، غاصبین اور زبردستی قبضہ کر بیٹھنے والوں کے خلاف کی جاتی ہیں۔

ب-ہتھیار وقوت کے ذریعہ تھوپی گئی جماعت کی مزاحمت پر۔

ج-آمرانہ حکومتوں اور آمریت کی تمام قسموں کو رد کرنے اور اس کے اداروں پر ضربیں لگانے پر۔

د-نسلی امتیازات کی مزاحمت اور اس کے قلعوں کے انہدام پر۔

ھ-کسی بھی قسم کی زیادتی کے بالمثل جواب پر اگر دوسرا چارہ کار نہ ہو۔

اس طرح اس کا انطباق اس کسی بھی ڈیموکریٹک عمل پر نہیں ہوگا جس کے ساتھ دہشت گردی شامل نہ ہو، خواہ اس کا مقصد انسانی نہ ہو۔

اسی طرح اس کا انطباق اس انفرادی تخریب کاری پر بھی نہیں ہوگا جس سے کوئی اجتماعی تاثیر مرتب نہ ہوتی ہو۔

یہ اور اس قسم کے اعمال اگر چہ کسی جہت سے قابل مذمت ہو سکتے ہیں لیکن اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ دہشت گردانہ اعمال نہیں ہوں گے۔

جبکہ اس کی تعریف کا اطلاق ہوگا:

الف-بری، بحری اور فضائی ہر قسم کی رہزنی کے اعمال پر۔

ب-تمام سامراجی کارروائیوں بشمول جنگ اورفوجی حملوں پر۔

ج-قوموں کے خلاف تمام مستبدانہ کارروائیوں اور آمریت پسندی کی قسم کی حمایت چہ جائیکہ قوموں پر اس کے تھوپنے پر۔

د-ان تمام عسکری وفوجی اسالیب پر جو انسانی عرف کے خلاف ہیں، جیسے کیمیکل، ایٹمی اور بایولوجیکل ہتھیاروں کا استعمال، آبادعلاقوں پر بمباری، گھروں کواڑانا اورامن پسند شہریوں کو دربدر کرناوغیرہ۔

ھ-جغرافیائی، ثقافتی اورمیڈیائی ماحول کوملوث کرنے پر، اورغالباً فکری دہشت گردی تو سب سے زیادہ خطرناک قسم کی دہشت گردی ہے۔

و- ہراس عمل پر جوقومی یابین الاقوامی معاشیات کومتزلزل کرتا ہو،غریبوں اورمحروموں کونقصان پہنچاتا ہو، اقتصادی واجتماعی تفاوت وفرق کی جڑیں مضبوط کرتا ہو، اورقوموں کوقرضوں کی بیڑیوں میں جکڑ دیتا ہو۔

ز- ہراس سازشی عمل پر جوقدموں کی آزادی وخودمختاری کے ارادوں کا گلاگھونٹ دیتا ہو، اوران پرناپاک تحالف تھوپ دیتا ہو۔

اسی طرح تعریف مذکور کی مدلولات کی مثالیں پیش کرسکتے ہیں۔

پانچواں نکتہ:

گرچہ دہشت گردی کے خلاف اوراس کی مزاحمت کے لئے بہت سی کانفرنسیں منعقد کی گئیں، اور بہت سی کوششیں کی گئیں، لیکن اکثر وبیشتر جن امور کی وجہ سے وہ ناکام ہوئی ہیں ان میں سے یہ ہیں کہ:

یہ کوششیں انسانی بنیادوں اور بین الاقوامی سطح پرنہیں ہوئی ہیں، بلکہ سب سے پہلے

انہوں نے محدود مقاصد کے حصول کو اپنا ہدف بنایا۔

ان کوششوں میں ان حالات وظروف کا علاج نہیں ڈھونڈا گیا جو دہشت گردی کو وجود میں لاتے ہیں اور نہ اس کے حقیقی علل واسباب کو تلاش کیا گیا، پرلطف بات یہ ہے کہ امریکہ جو کہ خود بین الاقوامی دہشت گردی کا جنم داتا ہے اور جس نے قوموں کو ستانے اور ان پر قابض ہو جانے، آمریت پسند نظامہائے حکومت کی تائید وسر پرستی، زمینوں وملکوں پر غاصبانہ قبضہ، آباد علاقوں پرظلم وزیادتی کا سرچشمہ ہے، وہی امریکہ دہشت گردی مخالف کانفرنسیں وسمینار کروارہا ہے، اور اس کے نزدیک دہشت گردی سے مراد ہر وہ عمل ہے جو امریکا کے متکبرانہ مصلحتوں اور مفاد کے خلاف ہے۔

اس لئے آج جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ بڑی طاقتیں قوت وجبر کے ذریعہ یا پروپگنڈہ ومیڈیا کے ذریعہ دہشت گردی کی خودساختہ تعریف ومفہوم کو ملکوں اور قوموں پرتھوپ رہی ہیں، دہشت گردی کی یہ ایسی تعریف ہے جو بڑی طاقتوں اور ان کے مفاد ومصالح کے پیش نظر کاٹ چھانٹ کر وضع کی گئی ہے، اور پھر ان طاقتوں نے خود ہی یہ حق بھی حاصل کرلیا ہے کہ اپنی فہم کو عملی طور پر ساری دنیا میں نافذ کردیں، گویا کہ ساری زمین ان کی ملکیت ہے، پتہ نہیں انہیں یہ دونوں حق کس نے دے دیا؟ کہ اپنی وضع کردہ تعریف کو دوسروں پرتھوپ دیں، اور اپنی فہم کو سبھوں پر منطبق کردیں، بلکہ یہ بڑی طاقتیں بیک وقت مدعی، قاضی اور منفذ (تنفیذی اداروں) کا رول ادا کرنے لگی ہیں، اور اس میں اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی محکموں و اداروں کو بھی نظر انداز کرجاتی ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعات اور امت مسلمہ کے خلاف یورش:

کسی بھی عاقل یا دین دار کو یہ کہنے میں ہرگز تردد نہ ہوگا کہ ۱۱رستمبر کے واقعات قابل

مذمت اور دہشت گردانہ عمل تھے، اور اس سے انسانیت کو بہت بڑے نقصان اور خسارے کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس نے ایک بڑی طاقت کو اپنے جہنمی اور آمرانہ منصوبہ کی تکمیل کا موقع فراہم کردیا، جس نے ساری انسانی قدروں، اور بین الاقوامی معاہدوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا، تاکہ ساری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرسکے، بلکہ اس نے تو اس زیادتی کے لئے ایک فلسفہ بھی گڑھ لیا اور اسے اخلاقی قرار دیا۔

اس طرح ہمارے سامنے وہ امریکی اسٹریٹجی آ گئی جو نویں دہائی میں ایک طرف مکمل اسلام کے ظہور اور دوسری طرف روسی اتحاد کے خاتمہ کے بعد وضع کی گئی تھی، جس نے جدید عالمی نظام کی تنہا قیادت کے ساتھ مسلح اسلام یا سیاسی اسلام نامی وہم سے جنگ کو اپنے بڑے مقاصد میں رکھا گیا، ہاں ہم نے اس اسٹریٹجی کو اور اس کی تیز رفتاری کو خاص طور پر امت اسلامیہ کے خلاف یقینی طور پر دیکھ لیا ہے، اس میں ایک دوررس منصوبہ کی تاکید تھی جس کے بعض پہلوؤں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں:

اول: اسلامی تہذیب کی قدروں اور اس کے مفاہیم میں تشکیک پیدا کی گئی، اس کی بہت سی مثالیں ہیں جو مغرب ہمارے سامنے لایا ہے، جیسے کہ ایک اطالوی اہل کار کی زبانی مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب پر فضیلت کا بیان، صفات الٰہی کے تعلق سے مسیحی عقیدہ کی اسلامی عقیدہ پر ترجیح وفضیلت، جہاد کے خلاف ہنگامہ، عورتوں کے حقوق سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر پر حملہ وغیرہ۔

دوم: اسلام اور جو کچھ بھی اسلامی ہو اس سے مغربی دشمنی اور کینہ پروری میں اضافہ، اسلامی مساجد ومراکز پر حملے، مسلم اقلیتوں پر تنگی، تہمت کی انگلیاں ان حکومتوں تک پر اٹھانا جو ان کو دوست سمجھتی ہیں، اور پھر یہاں تک کہ قانونی ہجرت پر بھی پابندی عائد کرنا، حالانکہ یورپ کو آج بھی ہجرت کی ضرورت ہے۔

سوم: بعض اسلامی قوموں پر وحشیانہ حملہ صرف اس الزام کے تحت کہ وہ دہشت گردوں کو پناہ دیتی ہیں، یہی زخموں سے چور افغانستان کے ساتھ پیش آیا اور آج بھی بعض اسلامی قومیں معرض خطر میں ہیں۔

چہارم: بعض اسلامی ملکوں کو شر کا محور قرار دینا، اور اب تو ہر آن اس ملک کے لئے خطرہ منڈلا رہا ہے، اسی طرح کسی نیم سرکاری ادارے نے تو کسی ملک کو ایٹم بم تک سے مارنے کی بھی دھمکی دے ڈالی۔

پنجم: اسلامی مالیاتی اداروں اور دعوتی و خیراتی تنظیموں پر ضرب لگانے کے لئے زبردست جاسوسی و میڈیائی حملوں کی منصوبہ بندی کی گئی، اور ان اداروں کو بند کرنے کے لئے ملکوں پر دباؤ ڈالا گیا۔

ششم: اسی طرح اسلامی تعلیمی اداروں پر ضرب لگانے اور ان سے ان کی آزادی چھین لینے کا منصوبہ بنایا گیا، مزید برآں مغرب نے بڑی بے شرمی کے ساتھ اسلامی ملکوں میں مداخلت کرنا شروع کیا کہ وہ اپنے نصاب تعلیم میں مغربی تصور کے مطابق تبدیلی لائیں۔

ہفتم: بعض ایسے اقدامات کئے جارہے ہیں جو بین الاقوامی اسلامی اداروں کے کردار کو بے اثر بنادیں گے۔

ہشتم: ان واقعات سے پہلے اس مہم یا کارروائی کو تیز تر کرنا جس کو مغرب نے خود یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ شروع کیا تھا تاکہ اخلاقی برائیوں، بے حیائی، عریانیت واباحت پسندی، مقدسات کی بے حرمتی، عربی زبان کی کمزوری، علاقائی لہجوں کی ترویج و ہمت افزائی، عربی رسم الخط کی مخالفت (جیسا کہ وسط ایشیا میں ہوا)، لادینیت کی اشاعت، اسلامی ملکوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینا، اجتہاد کے عنصر کی مخالفت، موجودہ زمانے کے لئے اسلام کی صلاحیت میں تشکیک اور مغربی تہذیب کے قیم و اقدار کی تطبیق اور دوسری بہت سی چیزوں کو عام کیا اور

پھیلایا جا سکے۔

نہم: اور سب سے اہم پہلو پریشان کن فائلوں کو بند کرنے کی کوشش تھی، جن میں سرفہرست فلسطین کا مسئلہ ہے، امریکہ نے شیرون کو ہری جھنڈی دکھادی تا کہ وہ اس کا تصفیہ ہی کردے، اس نے بھی خوف کے حالات کا فائدہ اٹھایا اور فلسطینیوں کے خلاف اپنی کارروائیوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دوسرے مرحلہ کا جز قرار دیا، اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جن سے انسانیت شرمندہ ہے، امریکا نے کھل کر اور بڑی بے شرمی کے ساتھ اس کی مدد کی، مزاحمت کی عزت افزائی اور ان سارے نعروں کی مغربی تاریخ کو مغرب یکسر بھلا بیٹھا جو وہ آزادی، ڈیموکریسی، حقوق انسانی، بین الاقوامی معیار وغیرہ کے نام پر بلند کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ اقوام متحدہ جنین کے خیموں میں ہونے والے صہیونی جرائم کی تحقیق قرارداد کے صادر ہونے کے باوجود نہ کرسکا، حالانکہ وہ واضح اور ثابت شدہ حقائق تھے اور بین الاقوامی شخصیتوں کی شہادتیں ان پر ثبت تھیں۔

دہشت گردی کے جو مظاہر ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان میں اکثر کے بہت سے اسباب ہیں:

الف- جہالت، اندھی عصبیت کی روح، اور دنیا کے تعلق سے ظلمت پسندانہ نقطہ نظر۔

ب- بھوک، درماندگی، پسماندگی اور محرومی، فقر تو قریب تھا کہ کفر ہوجاتا۔

ج- ظلم واستبداد، جبر واکراہ، سختی وتشدد، انسانی حقوق کی پامالی، اور اس کی جائز آزادی کا سلب ہوجانا۔

د- اخلاقی موانع کا فقدان، اقدار کی پستی، اندھی بھوکی لالچی حیوانی جذبات وروح کا پھیلاؤ۔

تو جب تک ان اسباب کے خاتمہ کے لئے عالمی سطح پر مخلصانہ منصوبہ بندی نہیں کی

جائے گی یا اس کی شدت تاثیر میں کمی نہیں لائی جائے گی یہ اسباب مسلسل دہشت گردی پیدا کرتے رہیں گے۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جس بڑی طاقت کی تاریخ جنگوں، بربادیوں اور دہشت گردی سے بھری پڑی ہے وہی آج دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے آگے ہے حالانکہ وہ دہشت گردی کے خلاف اپنی تھوپی ہوئی جنگ میں بھی بدترین قسم کی دہشت گردی کا ارتکاب کئے جارہی ہیں اور صہیونی دہشت گردانہ نظام جیسی فاشسٹ اور دہشت گرد نظاموں کی مدد کرتی ہے۔

انہیں امور کے پیش نظر ہم نے دوسری میٹنگوں میں اسلامی اور عالمی سطح پر ایک کام کرنے کی دعوت دی ہے اور وہ ہے: بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مجوزہ موقف۔

دہشت گردی بشمول اس کی تمام شکلوں، اس کے مضامین ومشمولات اور اس کے سرچشموں کی روک تھام کی حکمت عملی کے اقدام کے طور پر ہم اس بات کی ضرورت سمجھتے ہیں کہ اقوام متحدہ اس منصوبہ کے لئے تیار ہو اور اس کو قبول کرے، بشرطیکہ نئے وسائل وطریقہ وضع کئے جائیں جو بڑی طاقتوں کو اس منصوبہ کو اپنے مخصوص مفاد کی خاطر استعمال سے روک سکے، اور اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر اپنے متکبرانہ مقاصد کے تحت چلانے میں مانع ہو، صرف اسی شکل میں اقوام متحدہ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ اور روئے زمین پر عادلانہ امن وامان قائم کرنے کے سلسلے میں عالمی مرجعیت حاصل ہوسکتی ہے، میرے خیال میں اس مہم کے مقدمات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کے درمیان حقوق وواجبات میں مساوات وبرابری، اس کی قراردادوں پر کچھ مخصوص ممالک کی بالادستی پر روک، خصوصا نامنصفانہ طریقہ عمل میں جس کے ذریعہ مجلس امن (سیکوریٹی کونسل) اپنے فیصلے دیا کرتی ہے، اسی طریقہ کی وجہ سے دنیا کی ایک سے زیادہ علاقوں میں مسلسل دہشت گردی جاری ہے اور خاص طور پر فلسطین میں، اس لئے کہ

صہیونی دہشت گردی پر لگام لگانے کے لئے سیکورٹی کونسل کو دسیوں بار کسی قرار داد کے پاس کرنے سے امریکہ نے روکا ہے۔

۲-ایسا بین الاقوامی قانون وضع کیا جائے جو بڑی قوتوں کو آمریت پسندانہ،نسل پرستانہ نظامہائے حکومت اور دہشت گرد تنظیموں اور جماعتوں کی مسلسل مدد سے روک سکے۔

فلسطینی قوم اور اس کی پڑوس اقوام سے ظلم کو دور کیا جائے جو کہ یہودیوں کی جانب سے مسلسل زیادتیوں اور دہشت گردی کے شکار بنے ہوئے ہیں۔

۴-غریبی جہالت، اندھا تعصب، بیماری اور پسماندگی کے سارے مظاہر کا خاتمہ، اور اسی طرح جدید تمدن کی بیماریوں، ذرائع ابلاغ وفن جو شدت پسندی،نسل پرستی، اور عالمی سطح پر روحانیت اور اخلاقی اقدار کو کمزور کرنے پر ابھارتے ہیں،سبھوں پر پابندی لگائی جائے، اس لئے کہ یہی چیزیں دہشت گردانہ انداز فکر کے پنپنے کے لئے فطری زمینیں بنتی ہیں۔

اس کے مقابلے میں سب سے پہلے کام شروع کیا جانا چاہئے:

ا-مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان گفت وشنید کو عام کرنے پر۔

ب-اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ڈیموکریسی کی ہمت افزائی پر۔

ج-دنیا میں ترقیاتی پروگرام کی تنفیذ میں مدد پر۔

د-بین الاقوامی تنظیموں کی تقویت اور اس میں سے بالا دستی کے عناصر کے خاتمہ پر۔

ھ-روحانی واخلاقی اقدار کو بلند رکھنے اور اس میں دین کے رول کو پختہ کرنے اور معاشرتی عمارت کی تعمیر میں خاندانی کرداروں کے احترام پر۔

و-معلومات کو انسانیت کی خدمت کے لئے مسخر کرنے پر۔

ز-فن کو انسانی بنانے اور بلند مقاصد کے لئے اس کے استعمال پر۔

۵- تمام وسائل کے ذریعہ بڑی مغربی طاقتوں کو حالات وواقعات کے غلط استعمال، ان کو

تہذیبی کشمکش اور ادیان و مذاہب کی جنگ قرار دینے اور قوموں کے حساب پر بعض حکومتوں کے ساتھ اپنے حسابات کا تصفیہ کرنے سے روکنا۔

٦- افغانستان اور عراق کے باشندوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں کو کم کرنا، ان کو روٹی، کپڑا، مکان اور علاج و معالجہ وغیرہ اسباب زندگی مہیا کرنا، امریکی افواج کے مکمل انسحاب و انخلاء کے لئے اور حکومت کے اہل وطن کے ہاتھوں میں واپس لانے کی کوشش کرنا۔

٧- مختلف تہذیبوں، مذہبوں اور ادیان کے پیروکاروں میں سے دانشور طبقہ کے درمیان گفت وشنید جاری رکھنا، اس کو تیز بتر کرنا، تاکہ ایک عالمی رائے عامہ ہموار ہو، اور دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان امن وامان اور پیغام محبت و آشتی کو عام کر سکے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس امن وسلامتی کے ہم اور ساری انسانیت متلاشی ہے، وہ منصفانہ امن ہے جس میں ہر ایک کے لئے برابر کے مواقع ہیں، ہر حقدار کو اس کا حق ملتا ہے، مظلوم کو انصاف اور ظالم کو سزا ملتی ہے، اس لئے کہ منصفانہ امن ہی شدت پسندی اور دہشت گردی کی جڑوں کو اکھاڑ پھینک سکتا ہے، اب جہاں زبردستی تھوپے گئے امن اور غیر عادلانہ امن کا تعلق ہے تو اس سے مشکلات میں پختگی آتی ہے، اور آتش زیر خاک کے طور پر اس مشکلات کو باقی رکھتا ہے، کیونکہ اس شکل میں مجرم اور اس کا شکار دونوں ایک ہی مرتبہ پر ہوتے ہیں، حقوق ضائع ہوتے ہیں، اور حکومت ہی امر واقع کی سیاست ہوتی ہے، لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندانہ سرگرمیاں پھر عود کرتی ہیں بلکہ شاید پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ، یہی وہ چیز ہے جو غیر منصفانہ امن وسلام کو مشکلات کے تسلسل اور سماجی ہلچل کے استمرار کا سبب بنا دیتی ہے، دنیا کے کئی علاقوں میں ہم اسی حالت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

امت کی سطح پر پیش کردہ حل:

امت کی سطح پر پیش کیا جانے والا حل تقریباً بالکل واضح ہے، اور مندرجہ ذیل امور پر مبنی ہے:

۱-مختلف میدانوں (اسلام کی اور اس کے مقاصد کی فہم، موجودہ صورتحال کی فہم، اور موقف کی فہم) میں اپنی امت کی عوام کے اندر شعوری سطح کو بلند کرنا۔

۲-زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی شریعت کی تطبیق کو عام کرنا۔

۳-اسلامی تعلیمات کے مطابق امت کے مختلف گروہوں کے لئے تمام پہلوؤں پر حاوی ایک تربیتی کورس چلانا۔

۴-ہر وہ کام کرنا جو عملی طور پر امت کے موقف کو ایک رکھ سکے، ہم نہیں چاہتے کہ یہ عمل خیالی ہو، اور نہ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ مایوسانہ ہو، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ وہ معین اغراض و مقاصد کی روشنی میں واقعیت پسندانہ معتدل منہج پر قائم ہو۔

۵-اسلامی اداروں کو تقویت پہنچانے، جس کو وجود میں لانا ضروری ہو اس کو وجود میں لانے، اور نئے فعال اور امید افزا طریقوں کے تحت عمل کرنے کی اسے زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔

۶-سیاسی، معاشی، میڈیائی، جغرافیائی، مادی امکانیات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا ایک مکمل منصوبہ وضع کیا جائے، اسی طرح عوامی، علمی، ثقافتی صلاحیتوں کو استعمال کیا جائے اور مقابلہ کے لئے انہیں تیار کیا جائے۔

۷-بعض فروعی یا ثانوی تنازعات کے حل، ان سے اعراض، یا ان کو مؤخر کر دینے کے لئے کام کیا جائے، تاکہ اس سے اہم ترین مقصد کی خدمت ہو سکے، اور سارے کام کو ترجیحی انداز میں کیا جائے۔

۸-مسلم اقلیتوں کو جو دنیا میں مسلمانوں کی تقریباً ایک تہائی تک پہنچتی ہیں۔ مدد پہنچائی جائے کہ سب سے پہلے وہ وجود، دوسرے نمبر پر اپنی وحدت، تیسرے نمبر پر اپنے تشخص کو ثابت کریں، ان کے اور اہل امت کے درمیان رشتوں کو مضبوط کیا جائے۔

۹-اپنے خیراتی اداروں اور امدادی و دعوتی تنظیموں کی مدد پر توجہ دی جائے، ان کو سرعام بے یارو مددگار نہ چھوڑ دیا جائے، اور نہ ہی فروعی مسلکی اور سیاسی دلدلوں میں پھنسایا جائے۔

۱۰-تعلیم کی تازگی اور تعلیمی اداروں کی خودمختاری کی حفاظت کی جائے، خارجی دباؤ کے سامنے نہ جھکا جائے تا کہ وہ بہتر طور پر اپنا مطلوبہ کردار ادا کرسکیں۔

۱۱-اپنے عادلانہ قضیوں کے حق میں دوسری غیر سرکاری بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

۱۲-مصیری مسئلوں میں جن میں سب سے اہم قضیہ فلسطین ہے حکمت اور منصوبہ بندی کے ساتھ کھڑے ہوں، اس سلسلے میں ہمارا مشورہ ہے کہ:

۱-فلسطینی قوم کو جھکانے اور بہادرانہ انتفاضہ کے خاتمہ کے شیرون کے منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے تمام اسلامی کوششوں کو یکجا و متحد کیا جائے، اور فلسطینیوں کی ثابت قدمی، ان کے بہادرانہ انتفاضہ اور شجاعانہ مزاحمت کو تقویت پہنچائی جائے۔

۲-مصیبت زدگان کی امداد اور منہدم عمارتوں کی مرمت کی ایک مہم چلائی جائے اور ہر دولت مند ملک کو اس مہم میں حصہ لینے کا مکلّف بنایا جائے۔

۳-مسئلہ فلسطین کے اسلامی قضیہ ہونے پر تاکید کی جائے اور ساری اسلامی صلاحیتوں کو اس کے لئے تیار کیا جائے۔

۴-صہیونیوں کے جرائم کا پردہ فاش کرنے کے لئے سارے اقدامات کئے جائیں،

قانونی امکانات اور بین الاقوامی اداروں سے استفادہ کیا جائے۔

۵-اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ امریکہ اس مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل میں تن تنہا فیصلہ کرنے کا مجاز ہو، اور نہ امریکی حلوں پر اعتماد کیا جائے۔

۶-غاصب یہودیوں اور ان کے مددگاروں کا دوبارہ مکمل بائیکاٹ کرنے کے لئے سنجیدہ غور وفکر کیا جائے، بلکہ فوری طور پر عوامی بائیکاٹ کو نافذ کر دیا جائے۔

۶-اس میدان میں اور خاص طور پر بین الاقوامی قراردادوں کی تنفیذ کے مطالبہ کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے سیاسی کردار کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنایا جائے۔

۸-بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کی ایک مکمل جامع تعریف وضع کی جائے، اور اس کے اور جائز مزاحمت کے درمیان تفریق کی جائے۔

۹-فلسطینی مزاحمت کو قانونی تحفظ دیا جائے۔

۱۰-جنوبی افریقہ کے ڈربن کانفرنس کے طرز پر غیر سرکاری تنظیموں کے امکانات اور صلاحیتوں سے بھرپور اور سرگرم استفادہ کیا جائے۔

امن عالم اسلام کی حقیقی تصویر

مولانا مبارک حسین ندوی قاسمی
جامعہ نور العلوم، مدھولیا، نول پراسی، نیپال

اسلام امن وسلامتی اور محبت ومودت کا گہوارہ ہے، اس کی تعلیمات انسانیت نوازی اور خیر سگالی سے لبریز ہیں اس کے ہر بن مو سے باہمی اخوت ومساوات کی خوشبو پھوٹتی ہے، جس سے پوری دنیائے آب وگل ہی نہیں بلکہ فضائے آسمانی بھی معطر ہوتی رہتی ہے، اگر صرف قرآنی نصوص کا جائزہ لیا جائے تو اس کی جھلک واشگاف انداز میں سامنے آئے گی، قرآن کریم میں انسانی جان و مال کے تحفظ کی جابجا تاکید فرمائی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد باری تعالی ہے: "**لا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها**" (یعنی زمین میں سدھار کے بعد فساد نہ برپا کرو)، اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین کے نظام میں اصل چیز فساد نہیں ہے جس میں صلاح عارض ہوئی بلکہ اصل چیز صلاح اور امن وسلامتی ہے جس پر فساد وفتنہ محض انسان کی جہالت اور سرکشی سے عارض ہوتا رہتا ہے۔ دوسری جگہ نظام امن کو برباد کرنے والوں کے سلسلہ میں آیا ہے: "**الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما أمر الله به أن یوصل ویفسدون فی الأرض أولئک هم الخاسرون**" (یعنی وہ لوگ جو اللہ سے کئے گئے وعدہ کو توڑتے ہیں، اور اللہ رب العزت نے جن کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے ان سے قطع رحمی کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں وہی ہیں دنیا اور آخرت میں گھاٹے کا سودا کرنے والے)، علامہ

آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی (۱/۲۱۲) میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"إفسادهم باستدعاء هم إلى الكفر والترغيب فيه وحمل الناس عليه أو بإخافتهم السبل وقطعهم الطريق على كل من يريد الهجرة إلى الله" (یعنی ان کے فتنہ وفساد پھیلانے کی نوعیت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کفر کی طرف بلاتے ہیں اور اس کا شوق پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ابھارتے ہیں یا ان کو راستوں پر بیٹھ کر ڈراتے ہیں اور اللہ کی رضا کے جویا افراد کو ہراساں کرتے ہیں)، مزید علامہ مصطفیٰ حصن المنصوری "المقتطف من عيون التفاسير" (۱/۱۰) میں رقمطراز ہیں: "يفسدون اى بأنواع البغي والفساد وإثارة الفتن وإشعال نار الحرب" (یعنی وہ زمین میں جو فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں وہ ظلم وتعدی کی مختلف قسموں کو اختیار کر کے کرتے ہیں، نیز آتش جنگ کو ہوا دیتے ہیں)، انسانی جان ومال کا تحفظ کرنا ہر بنی آدم پر ضروری ہے، یوں ہی ناحق کسی کو قتل کرنا اور کسی کی جان مارنا پورے نوع انسانی کے قتل کے مرادف ہے، قرآن کریم میں ہابیل اور قابیل کے واقعہ قتل کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا تو گویا وہ پورے انسانوں کے قتل کا مستحق ٹھہرا، لیکن اگر حق کے ساتھ کسی کو قتل کیا جائے تو یہ شرعی حق کی وجہ سے جائز ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: "ولا تقتلوا النفس التى حرم الله إلا بالحق" (یعنی قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ)، عموماً لوگوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اس میں دوسرے کے نفس کے قتل کی ممانعت ہے جبکہ نفس آیت سے دوسرے نفوس کی طرح انسان کا خود اپنا نفس بھی داخل ہے، قتل بالحق کے سلسلہ میں صحیحین کی روایت ہے جس کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا يحل دم امرىء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والزانى المحصن، والتارک لدينه المفارق للجماعة" (کسی مسلمان شخص کا خون جو کلمہ توحید پر ایمان رکھتا

ہے حلال نہیں ہے مگر یہ کہ جب تین چیزوں میں سے ایک کا مرتکب ہو: جان کو جان کے بدلے، شادی شدہ زانی، اور مرتد یعنی کسی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا)۔ اسلام میں خون کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے عوض میں پوری دنیا کا ختم ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے: ''**زوال الدنیا أهون عند الله من قتل رجل مسلم**'' (یعنی دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے خون بہانے سے زیادہ آسان ہے)۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور ان تدریجی حقائق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے امن وسلامتی کو معاشرہ کا جزء لاینفک قرار دیا ہے کیونکہ اس کی خمیر انسانیت نوازی اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر اٹھی ہے، بھائی چارہ اور محبت ومودت اس کی سرشت میں ودیعت کی گئی ہے، آپسی تعلقات کو نبھانے، پڑوس اور دوسرے حق داروں کے حقوق کی ادائیگی کی پرزور تاکید فرمائی گئی ہے، خدا کی نگاہ میں وہی شخص معزز ہے جو اپنے مالک اور داتا سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا پاس رکھنے والا ہو، جس قدر انسان اللہ سے ڈرے گا اسی قدر گناہوں سے اجتناب کرے گا۔

آج کل ''دہشت گردی'' کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے لیکن اب تک اس کا صحیح معنی ومفہوم نہ منصۂ شہود پر آیا اور نہ حقیقی انطباق عمل میں آیا، نئی دنیا کا یہ عجیب فلسفہ ہے کہ جس کے ذریعہ تعمیر انسانیت ہو، راہ نجات ہموار ہو، اس کو دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے، لیکن جو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے، اقلیتی طبقہ پر ظلم وستم کو روا رکھنے والا ہے وہ امن پسند ہے، دور حاضر میں قتل وغارتگری کی قسمیں اور موجودہ دور میں قتل وخونریزی کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

۱-بے گناہوں کو قتل کرنا، ۲-ایک جگہ ہوئے ظلم کے بدلہ دوسری جگہ کے افراد کا بدلہ

لینا، ۳- رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے غیر متعلق لوگوں پر ظلم کرنا (دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات رص ۱۸)۔

پہلی قسم کا اسلام روز اول ہی سے مخالف ہے، انسانی جان کے تحفظ کے سلسلہ میں سابق الذکر دلائل قرآنی کافی ہیں، دوسری قسم کا تعلق دہشت گردی اور انتہا پسندی سے ہوگا، کیونکہ آخرت میں کوئی شخص کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، سورہ نجم میں ہے:"لا تزر وازرة وزر أخرى" (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)، تیسری قسم بھی دہشت گردی کے قبیل سے ہے، رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ظلم کرنا، بے گناہوں کا قتل، جہازوں کا اغوا، سفیروں کا قتل اور یرغمال بنانا سب اسی زمرے میں آتا ہے، اسلام کا موقف اس سلسلہ میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ ان جیسی حرکات کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں، تیسری قسم کے ضمن میں خودکش دستوں کا بھی مسئلہ ہے، لہذا اس کی وضاحت ضروری ہے کہ کتب احادیث میں خودکشی کی بہت مذمت وارد ہوئی ہے، اور خودکشی کرنے والے کو جہنمی قرار دیا ہے، خودکشی کا لفظ ذہن میں جیسے آتا ہے تین قسم کے گروہ سامنے آتے ہیں ۱- دہشت گرد تنظیمیں، ۲- حکومت، ۳- تحریک آزادی، دہشت گرد تنظیمیں جو حملے کرتی ہیں ان کے پاس کوئی قانونی جواز نہیں ہوتا، شریعت کی رو سے وہ صحیح نہیں ہیں، حکومتیں کسی جنگ کے موقع پر کسی خطرناک حملے کو روکنے کے لئے خودکش دستوں کا سہارا لیتی ہیں تو یہ جنگی حکمت عملی ہے، جس کی شریعت اجازت دیتی ہے، جنگ یمامہ میں حضرت براء بن عازب کا حملہ جنہوں نے تنہا اہل یمامہ میں گھس کر جان دے دی اس کی بین دلیل ہے، تحریکات آزادی کے افراد جب دشمنوں اور ظالموں سے بہت پریشان ہوجاتے ہیں خودکش افراد تیار کر کے دشمن کی طاقت کا جواب دیتے ہیں، فلسطین کی تازہ صورت حال اس کی واضح مثال ہے، علمائے کرام نے اس کو بھی جنگ کے قوانین وآداب پر منطبق کیا ہے۔

جہاداوردہشت گردی کا فرق:

جہاداوردہشت گردی دومتضاد چیزیں ہیں،دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے، جہاد بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انسانی جان کے احترام، امن وامان کے قیام، ظالم کی سرکوبی اورحق کی حمایت وحفاظت کے لئے ارشاد باری:"**وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله**''وجود میں آتا ہے(حجۃ اللہ البالغہ،ص٦) جبکہ دہشت گردی، فتنہ وفساد، انتقام اور بدعنوانی، انارکی اور بے گناہ، بےقصورانسانوں کے قتل کا ایک مجرمانہ ومجنونانہ فعل ہے۔

اب سوالنامہ کے جوابات ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

١- دہشت کے معنی''خوف وہراس'' کے ہیں،عربی میں''تخویف''اور''ارہاب'' سے یہ لفظ متعارف ہے، انگریزی میں اس کا متبادل لفظ Terror استعمال کیاجاتا ہے، علامہ راغب اصفہانیؒ نے''مفردات الفاظ القرآن'' میں ص٣٦٦ پر ارہاب کے معنی ''**مخافة مع تحرز واضطراب**''یعنی اضطراب وبےچینی کے ساتھ خوف وہراس بیان کیا ہے، جبکہ محمد بن یعقوب مجدالدین الفیروزآبادی نے''القاموس المحیط'' ص٨١٧ پر ارہاب بمعنی **أخافه وتوعده** یعنی ڈرانا اور دھمکانا لکھا ہے، صاحب تاج العروس نے''الازعاج والاخافۃ'' یعنی پریشان کرنا اور ڈرانا سے تعبیر کیا ہے،عیسائی مستشرق الیاس انطوان نے القاموس العصری میں Terrorism سے اس کوادا کیا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے:

A Systematic use of terror, or unpredictable violance against governments, public or individuals to allain a political objective.

(دہشت گردی نام ہے منصوبہ بند طریقہ سے خوف وہراس پھیلانے اور تشدد کے

غیر متوقع طریقہ استعمال کا، جن کا ارتکاب حکومت، عوام یا افراد کے خلاف سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کیا گیا ہو)۔

شیخ محمد بن ہادی المدخلی نے اپنی کتاب "**الارھاب وآثارہ علی الأفراد والأمم**" میں رص ۱۰ پر لکھا ہے: "**الإرهاب كلمة مبنى لها معنى ذو صور متعددة يجمعها الإخافة والترويع للآمنين وقد تجاوز الإخافة والترويع إلى إزهاق الأنفس البريئة وإتلاف الأموال المعصومة أو نهبها وهتك الأعراض المصونة وشق عصا الجماعة**" (دہشت گردی کئی صورت پر مبنی ہے، مجموعی اعتبار سے بے گناہوں کو ڈرانا، دھمکانا ہے، اب تو یہ تعریف متعدی ہوگئی ہے اور مختلف صورتیں پیدا ہوگئی ہیں کہ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا، محفوظ مال کو ضائع کرنا، عزت کو پامال کرنا اور جماعتی وحدت کو پراگندہ کرنا ہے)۔

قرآن کریم میں "رہب" سے مشتق تقریباً چھ الفاظ مختلف جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں جس سے سابق الذکر معنی کو تقویت ملتی ہے، خوف وہراس قائم کرنا ہرگز اسلام کا مطمح نظر نہیں، وہ تو سراپا رحمت وبرکت ہے، سورۂ حشر میں ہے: "**لأنتم أشد رهبة**"، سورۂ قصص میں ہے: "**جناحک من الرهب**"، سورۂ نساء میں ہے: "**يدعوننا رغباً ورهباً**"، سورۂ انفال میں ہے: "**ترهبون به عدو الله وعدوكم**"، سورۂ اعراف میں ہے: "**واسترهبوهم**"، سورۂ بقرہ میں ہے: "**إياى فارهبون**"، مجموعی طور پر ڈرنے اور ڈرانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، دور جدید کے مشہور محقق D.P. Sharma نے دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ "دہشت گرد ایسا شخص ہے جو کسی قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مرعوب ومعطل کرنے کی غرض سے یا عوام یا ان کے کسی طبقہ میں خوف وہراس پیدا کرنے کے لئے بم، ڈائنامائیٹ یا آتش گیر اشیاء یا پھٹ پڑنے والی اشیاء یا گولی چلانے والے ہتھیار یا دوسرے قاتلانہ ہتھیار،

زہریلی گیس یا دیگر خطرناک وتباہ کن مادہ کا استعمال کرتا ہے، جو کسی کی موت، کسی کے زخمی ہونے یا مال واسباب کی تباہی یا قوم کی زندگی کی ضروریات کی ترسیل کے نظام کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ ہے'' (ملاحظہ ہو: اسلام اور دہشت گردی، مصنفہ ڈاکٹر سید عبدالباری، بحوالہ انڈین نیشنل سیکورٹی گارڈ ایکٹ ۱۹۸۶ء)۔

ایک خاتون صحافی نے لکھا ہے کہ پرتشدد واقعات کے بار بار اظہار سے خوف وہراس پیدا کرنا دہشت گردی ہے۔

ان قدیم وجدید تعریف پر غور کرکے عالمی منظرنامہ پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگی کہ کون دہشت گرد ہے اور کون امن پسند، میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی زہرافشانی نے حقائق پر تہہ بہ تہہ پردہ ڈال دیا ہے جس سے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا لہذا چشم بینا کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔

۲- دہشت گردی کی سابق الذکر تعریف کے بموجب حکومتوں کا یہ رویہ دہشت گردی کے قبیل سے ہے، کیونکہ یہ صرف پریشان کرنے اور ہراساں کرنے کے لئے ہوتا ہے، بالخصوص ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں دفعہ ۲۹ کے تحت جو حقوق ہر مذہب کے ماننے والوں کو دیئے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی تو مسلّم ہے، اسی کے ساتھ قانونی بغاوت ہے، لہذا وعدہ کا ایفاء نہ کرنا بہت بڑا ظلم کرنا ہے، دینی ودنیوی دونوں لحاظ سے یہ امر قابل جرم ٹھہرا۔

۳- اگر کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر حقوق کی حصول یابی کے لئے آواز اٹھانا حدیث نبوی ''من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ'' (سنن ترمذی، مسلم شریف) کی رو سے واجب ہے کیونکہ ''فلیغیرہ'' وجوب پر دلالت کرتا ہے، نیز اگر اس پر آواز نہیں اٹھائی گئی تو ظالم گروہ کو مزید حق تلفی کا موقع ملے گا، لہذا اول وہلہ میں اس شر کا استیصال کرنا ضروری ہے کیونکہ فقہ کے اکثر مسائل میں جو وسائل مفضی الی ارتکاب الحرام ہیں ان کی بھی ممانعت ہے، دلیل وقد

عبدالقیس کوحضور اکرم ﷺ کامخصوص قسم کے برتنوں کے استعمال کرنے کی ممانعت ہے، امام نووی نے ریاض الصالحین میں ابوداؤدوترمذی ونسائی کے حوالے سےایک روایت ذکر کی ہے، جو بتصدیق امام نووی صحیح سند سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على أيديه أوشک أن يعمهم الله بعقاب منه**''، اورفرمایا گیا: ''**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد**''، اسی طرح مظلوم کاظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا سابق الذکر دہشت گردی کی تعریف سے خارج ہے کیونکہ یہ عین اسلام ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کامشہور ارشاد ہمارے لئے مینارۂ نور ہے کہ ''**انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً**''، لہذا یہ عمل وجوبی درجہ رکھتاہے، اوردہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۴- مظلوموں کے اس گروہ سے بدلہ لینا سراسر خلاف شرع ہے، کیونکہ قرآنی آیت: ''**لا تزر وازرة وزر أخرى**''(سورۂ نجم/۳۸) اس کی بین دلیل ہے، اورصلیبی جنگوں میں عیسائی فلسطین، شام اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ امن و عافیت سے رہے، کیونکہ ان کابذات خودکوئی جرم نہیں تھا، اسی لئے دوسرے سے بدلہ لینا ازروئے شرع درست نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی کے جواسباب لوگوں کے سامنے آتے ہیں ان کے حل کرنے کے لئے اسلام ہماری یہ رہنمائی کرتاہے کہ ہم اس کی جامعیت اورشمولیت میں نظر رکھتے ہوئے ان مسائل کوحل کریں، کیونکہ اگر یہ معاشی مسئلہ ہےتو اسلامی معاشیات کی روشنی میں انجام پائے گا، ڈاکٹر زیدبن محمد بن ہادی المدخلی اپنی کتاب''الارہاب وآثارہ علی الأفراد والامم'' میں لکھتے ہیں:''**فان العلاج لداء الإرهاب في البلدان الإسلامية أصحاب العقيدة السليمة هو الوحي الإلهى الذي يحمله ويبلغه من يعقل معناه ويحسن تبليغه وإن الأطباء هم**

ولاة الأمر من العلماء الربانيين والحكام الصالحين ثم المجتمع بنوعيه الصغير والكبير الداخلي والخارجي وأما علاج الإرهاب في الدول الكافرة فمصدره الذي ارتضوه لأنفسهم هو القوانين الوضعية التي إن حققت شيئاً من دفع الضرر فلا بد أن يكون ذا عوج ومن ثم يزداد داء الارهاب في بلادهم كثرة وانتشاراً"(دہشت گردی جیسے مرض کے ازالہ کی صرف یہی شکل ہے کہ اگر یہ مرض ممالک اسلامیہ میں ہے تو اس کا علاج صحیح عقیدہ وایمان والے ہیں جو وحی الٰہی کے معانی ومفاہیم کو سمجھتے ہیں اور یہی قوم کے ظاہری وروحانی مرض کے طبیب بھی ہیں، پھر معاشرہ پر ایک نظر کر لی جائے کہ اندرونی اور بیرونی، چھوٹے اور بڑے پیمانہ پر مرض کو کیسے درست کیا جائے، غیر مسلم ممالک میں دہشت گردی کے پنپنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مصنوعی قوانین وضوابط کا اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے، ان قوانین کی وجہ سے کچھ مسائل حل بھی ہوتے ہیں تو اس کی کجی باقی رہتی ہے اور دہشت گردی روبترقی رہتی ہے۔

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کی مدافعت کرنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے: "عن أبي هريرةؓ قال: جاء رجل فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار"(مشکوۃ ۲/۲۰۶)۔

اس حدیث میں مدافعت کے حدود بھی بتائے گئے ہیں، نیز صیغہ امر کے استعمال سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے، مزید حق مدافعت کی تائید کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ہے:

"إذا قاتل أحدكم فليجتنب الوجه فإن الله خلق آدم صورته"(مشکوۃ)۔

اسلام گہوارۂ امن

مولانا محمد ارشد المدنی
جامعۃ الامام ابن تیمیہ، چندن بارہ، مشرقی چمپارن

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی نام ہے بے قصور اور معصوم افراد پر ظلم وستم اور ان کو ہراساں و پریشان کرنے کا، ریاست کے خلاف چھیڑا گیا اس مجرمانہ عمل کا جس کا مقصد کسی خاص آدمی، یا مخصوص فرقے، یا پھر عوام کے دماغ میں خوف بٹھانا ہو، یہ طاقت کے استعمال کا ایک طریقہ ہے جس کا مدعا اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنا ہوتا ہے، اسی طرح کوئی بھی سخت اقدام جب اپنی جائز حد سے بڑھ کر فساد وفتنہ کا باعث ہوجائے اور اس کا کوئی اصلاحی مقصد واضح نہیں تو وہ بھی دہشت گردی کے ذیل میں آئے گا، ایسی چیرہ دستی جو دوسروں کی جان ومال اور عزت وآبرو پر دست درازی کرے دہشت گردی ہے۔

مذہب اسلام ازل سے دہشت گردی اور ہر ظالمانہ حرکت کی سخت مذمت کرتا ہے، اسلام ایک نظریاتی مذہب ہے، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت پر ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کرے، اگر اسلام کا نام لے کر کوئی بھی مسلمان دہشت گردی کو راہ دیتا ہے اور اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ اسلام اور شریعت محمدی ﷺ سے بغاوت سمجھا جائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"من أجل ذلک کتبنا علی بنی

إسرائيل أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً"(المائدہ:۳۲)(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ حکم جاری کردیا کہ جوشخص کسی آدمی کو بغیر کسی مقتول کے بدلے، یا زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کرڈالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کرڈالا، اور جوشخص کسی آدمی کو بچالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا)۔

اللہ تعالی کا ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:"**وقاتلوا فى سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا، إن الله لايحب المعتدين**"(البقرہ:۱۹۰)(اورتم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جوتم سے لڑتے ہیں، مگرزیادتی نہ کروکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اسلام کسی کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کرنے کی اجازت ہرگزنہیں دیتا، اگرکوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرے اور جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ آور ہوجائے تو اسلام نے اس جرم کی ایسی سخت سزا تجویز کی ہے جس سے مظلوم کو پورا پورا انصاف مل سکے، اسلام تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جوتشدد پر آمادہ ہو اسے آزاد چھوڑنا بھی سماج کے لئے مضر سمجھتا ہے۔

اسلام لوگوں کے آپس میں سلوک بالخصوص غیرمسلموں کے ساتھ رویے کے معاملے میں رواداری کی تعلیم وتلقین کرتا ہے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی تعلیمات حددرجہ مروت، بردباری اور فیاضی پر مشتمل ہے، زندگی کے صحیح اور غلط راستوں کی حقیقت عیاں ہونے کے باوجود اعلان کیاجاتا ہے:"**لا إكراه فى الدين**"(البقرہ:۲۵۶)(دین کے معاملے میں کوئی زورزبردستی نہیں ہے)۔

اسلام میں امن وسلامتی اورصلح وآشتی کے خواہاں کفارومشرکین کے ساتھ عام طور پر حسن سلوک کی اجازت واہمیت ہے:"**لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب**

المقسطين''(الممتحنہ/۸)(اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

اسلام دہشت گردی کا روادار نہیں ہے، کیونکہ اسلام ایک خالق کے ذریعہ انسان کی تخلیق، تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد اور اللہ ترسی و پرہیز گاری کو واحد معیار شرافت قرار دے کر عالم انسانیت میں جنگ و جدل کے محرکات کا جواز ختم کر دیتا ہے، اور صلح وامن کی ابدی وآفاقی حقیقت پر تاکیدی نشان لگاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شرک وتوحید کا موازنہ کرتے ہوئے قرآن کریم صاحب ایمان کو امن کا زیادہ حق دار قرار دیتا ہے۔

''**فأی الفریقین أحق بالأمن إن کنتم تعلمون، الذین آمنوا ولم یلبسوا إیمانهم بظلم أولئک لهم الأمن وهم مهتدون**''(الأنعام/۸۱،۸۲)(پھر اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سی جماعت امن کی زیادہ حقدار ہے، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، انہیں کے لئے امن ہے، اور وہی راہ راست پر ہیں)۔

ایمان اور مؤمن کے الفاظ جس مادے سے مشتق ہیں یعنی'' ا،م،ن'' اس کا تلفظ امن ہی ہے، اسی طرح اللہ پر کامل یقین، جو ظلم سے پاک ہو، امن کا باعث اور ضامن ہے۔ چنانچہ امن کی حقیقی قدر اور اس کی پاسداری بھی اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں، اسی صداقت کے پیش نظر قرآن کریم نے بدامنی، فساد اور فتنے کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے۔

''**والفتنة أشد من القتل**''(البقرہ:۱۹۱)۔

دہشت گردی ایک وحشیانہ فعل ہے اور اسلام کے تہذیبی نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام انسان کو صرف اللہ کا خوف دلاتا ہے، لہذا وہ کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں

دے سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنا خوف دلائے اور انہیں خوف زدہ کر کے اپنے اغراض و مقاصد اور مفادات حاصل کرے، معاشرے میں کشیدگی اور کشاکش اسلام کو گوارا نہیں، وہ ہر قسم کی کشمکش اور چپقلش ختم کر کے ایک پر امن ماحول میں افراد کے درمیان الفت ومحبت، اخوت و بھائی چارگی، اور فلاحی کاموں میں اشتراک وتعاون کے مواقع پیدا کرنا چاہتا ہے، تا کہ اللہ تعالی کے بندے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی اور کائنات کی تخلیق کے مقاصد کی تکمیل میں بے روک ٹوک مشغول ہوں۔ دنیا میں اخلاص اور اللہ ترسی کے ساتھ نیک اعمال کر کے آخرت کی کامیابی کا سامان کریں۔

اسلامی جہاد کی شان یہ ہے کہ ظالم اقتدار کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا اس کی بہترین خصوصیت ہے، اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے کی کوشش ایمان کی علامت ہے، اس لئے کہ لوگوں کو برائی سے منع اور اچھائی کی تلقین کرنا امت مسلمہ کا امتیازی کردار اور منصبی فریضہ ہے، یہ جہاد شرک کے خلاف ضمیر کی محاذ آرائی اور باطل کے ساتھ حق کی پنجہ کشی ہے، جس میں طاقت کا استعمال کسی تخریبی سرگرمی کے لئے نہیں، صرف تعمیری مقاصد کے لئے ہوگا، یہ حق پسندی اور حق کوشی، دہشت گردی اور دہشت پسندی کے لئے پیام فنا ہے، خواہ اس کا ارتکاب کوئی فرد کرے، کوئی جماعت کرے، یا کوئی حکومت کرے۔

۲- بلا شک وشبہ حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، کیونکہ دہشت گردی درحقیقت بے قصور اور معصوم افراد پر ظلم وستم اور ان کو ہراساں و پریشان کرنے کا نام ہے، خواہ یہ درندگی وسفا کی افراد کی طرف سے ہو یا گروہوں، جماعتوں اور حکومتوں کی جانب سے، دہشت گردی کے لفظ میں سنگ دلی، بے رحمی، اور ستم شعاری کے مفاہیم مضمر ہیں۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے، کیونکہ مذہب اسلام نے تمام انسانوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ حکومت یا افراد کے ظلم وزیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتے ہیں، اس کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت واضح اشارہ کرتی ہے:

"**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**" (النساء:۱۴۸) (اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص برائی بآواز بلند بیان کرے، سوائے اس آدمی کے جس پر زیادتی ہوئی ہو)۔

اسلام میں مکمل طاقت اور اختیار صرف اللہ ہی کا ہے، انسان کو خاص ضوابط واصول کے ماتحت ایک محدود طاقت عطا کی گئی ہے، جس کی حیثیت ایک امانت کی ہے، لہذا ہر وہ شخص جو اس طاقت کا امین بنتا ہے، وہ ان تمام لوگوں کے سامنے جوابدہ ہے جن کی خاطر اور جن کے نام پر اس نے اس طاقت کو استعمال کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا: "اے لوگو! جب تک میں راہ استقامت پر گامزن رہوں آپ میرے ساتھ تعاون کرتے رہیں، اور جب مجھ سے غلطی ہو تو آپ میری اصلاح کریں، جب تک میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار رہوں آپ بھی میری اطاعت کریں، اور اگر میں اس راستے سے ہٹوں تو آپ بھی میری اطاعت سے دست کش ہو جائیں"۔

اور اگر مسلمانوں کی اچھی خاصی طاقت وقوت ہو تو اس وقت احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير، الذين**

أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله"(الحج/۳۹،۴۰)(جن مومنوں کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی، اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے)۔

ترمذی، نسائی اور طبری وغیرہم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ مکہ سے نکل جانے پر مجبور کردیئے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ اب جنگ ہوگی، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جہاد سے یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی، مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد کم اور مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، اسی لئے اللہ تعالی مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرتا رہا۔ بیعۃ العقبہ کی رات میں اہل مدینہ کی تعداد اسّی (۸۰) سے زیادہ تھی، انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اجازت چاہی کہ منیٰ میں موجود مشرکوں کو قتل کردیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ اور مہاجرین مدینہ میں جمع ہوگئے، اور مہاجرین اور انصار کی مجموعی تعداد سے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی طاقت وجود میں آ گئی، اور مدینہ ان کی چھاؤنی اور مسلمانوں کا دارالاسلام بن گیا، تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کر کے جہاد کو مشروع کردیا۔

مکہ میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم ہوا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا تو ان کا کوئی قصور نہیں تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے اس بات کا اقرار کرلیا تھا کہ ان کا رب صرف اللہ ہے۔ اسی لئے مدینہ آنے کے بعد جب ان کی ایک طاقت وجود میں آ گئی تو اللہ نے انہیں جہاد کی اجازت دے دی، تا کہ ان پر جو ظلم ہوا تھا اس کا بدلہ لے سکیں۔

مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"وما لکم لاتقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا أخرجنا من هذه القریة الظالم أهلها واجعل لنا من لدنک ولیاً، واجعل لنا من لدنک نصیراً" (النساء:۷۵) (اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے ہو، ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو نجات دلانے کے لئے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور تو اپنے پاس سے ہمارا کوئی حمایتی بھیج، اور تو اپنے پاس سے ہمارا کوئی مددگار بھیج)۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لئے ان کے ظلم وستم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا شریعت میں جائز ہے، اور یہ کوئی دہشت گردی نہیں ہے، کیونکہ انسانی جان کے احترام، امن وامان کے قیام، ظلم کی سرکوبی اور حق کی حمایت وحفاظت کے لئے اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں، بلکہ دہشت گردی یہ ہے کہ فتنہ وفساد، نفرت وانتقام، بدعنوانی، وانارکی، اور بے گناہ و بے قصور انسانوں کے قتل کا مجرمانہ ومجنونانہ فعل وعمل انجام دیا جائے۔

۴- مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے، جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں، کیونکہ مذہب اسلام ہر فرد کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ دوسرے کے جرائم اور غلطیوں پر اس کو نہ گرفتار کیا جائے اور نہ قیدی بنایا جائے، قرآن کریم واضح الفاظ میں یہ اصول وقانون بیان کرتا ہے:

"لا تزر وازرة وزر أخری" (الأنعام:۱۶۴) (اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی)۔

اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:"**وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین**"(البقرہ:۱۹۰)(اور اللہ کی راہ میں قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے قتال کرتے ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، لیکن زیادتی نہ کرو، یعنی نہ جنگ کی ابتداء تمہاری طرف سے ہونی چاہئے، اور نہ جن سے جنگ کرنے سے تمہیں منع کیا گیا ہے ان سے جنگ کرو، مثال کے طور پر عورتیں، بوڑھے، پاگل، بچے، گرجوں میں رہنے والے، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہے انہیں قتل نہ کرو، کسی کا مثلہ نہ کرو، حیوانات کو قتل نہ کرو، اور درختوں کو نہ کاٹو، اور اسلام کی دعوت دیئے بغیر اچانک کسی قوم پر حملہ نہ کرو، اس لئے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا(تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن:۱/۱۰۶)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:"**نهی عن قتل النساء والصبیان**"(یعنی نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا)(بخاری: کتاب الجہاد)۔

حدیث مذکورہ کا پس منظر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں دیکھا گیا کہ مخالف کیمپ کی ایک عورت قتل ہوگئی ہے، آپ ﷺ نے اس حرکت کو ناپسند کیا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا(مسلم: کتاب الجہاد والسیر)۔

رسول کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر تقوی کی اور ان مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی نصیحت فرماتے جو جنگ میں شریک اور اس کے ماتحت ہیں، اس کے بعد فرماتے:"**انطلقوا باسم الله وبالله وعلی ملة رسول الله، ولا تقتلوا شیخاً فانیاً، ولا طفلاً، ولا صغیراً، ولا امرأة، ولا تغلوا، وضموا غنائمکم، واصلحوا وأحسنوا إن الله یحب المحسنین**"(ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی

دعاءالمشرکین) (یعنی جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی مدد چاہتے ہوئے، اور اللہ کے رسول کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے، قتل نہ کرو کسی شیخ فانی کو، کسی بچہ کو، کسی کم سن کو، اور کسی عورت کو، خیانت نہ کرو، اپنی غنیمتیں جمع کرو، اپنے معاملات ٹھیک رکھو، اور حسن سلوک کرو، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

یہ اور اس مفہوم کی بہت ساری روایات ہیں جن سے یہ بات متشرح ہوتی ہے کہ اسلام میں بے قصور اور ظلم میں شامل نہ ہونے والوں پر کسی طرح کی زیادتی روانہیں۔

۵- اگر کہیں دہشت گردی کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس کے تدارک کے لئے اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ کسی بھی حکومت میں بسنے والے تمام گروہوں کو ان کے معاشی یا سیاسی حقوق پورے طور پر فراہم کئے جائیں۔ اور کسی بھی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی روا نہ رکھی جائے۔ اسلام ہر نوع کے ظلم و جور کے خلاف ہے، وہ اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتا اور اپنے ماننے والوں کو عدل وانصاف کا پابند بناتا ہے۔ وہ اس کی بنیاد پر پورے معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے۔ لہذا ہر وہ جگہ جہاں سیاسی یا معاشی ناانصافی کی وجہ سے دہشت گردی جنم لیتی ہے وہاں ہر طرح کا عدل وانصاف کا قیام عمل میں لایا جائے تو یہ مرض بآسانی اس ملک سے دور ہوسکتا ہے۔

اور جہاں طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی خواہش کی بنا پر دہشت گردی جنم لیتی ہے تو اس کے تدارک کے سلسلے میں اسلام کی ہدایت ہے کہ دشمن ساز وسامان سے لیس ہے تو حکومت بھی اس کے دفاع کے لئے اپنی تیاری جاری رکھے گی، وہ جنگی لحاظ سے مضبوط ہوگی تو مخالف قومیں جو سامنے ہیں ان پر بھی اور جو پس پردہ ہیں ان پر بھی دھاک بیٹھے گی اور وہ اس پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کرسکیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم ، لا تعلمونهم الله يعلمهم، وما تنفقوا من شيء في سبيل الله يوفّ إليك وأنتم لا تظلمون" (الانفال ر ٦٠) (اور کافروں کے مقابلے کے لئے ہر ممکن طاقت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو، جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کروگے، اور دوسرے دشمنوں کو بھی جو ان کے علاوہ ہیں، جنہیں تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ جانتا ہے، اور تم اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کروگے وہ تمہیں پورا کا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہوگا)۔

٦ - ہر انسان کا یہ فطری حق ہے کہ وہ اپنی جان و مال یا عزت وآبرو کی حفاظت کرے اور کسی طرف سے اس پر حملہ ہو تو اس کا دفاع کرے۔

انسان کا گھر اور خاندان اس کا اپنا ہے۔ اسے اپنی بیوی، بچوں، ماں باپ اور افراد خاندان سے جذباتی لگاؤ وتعلق ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ اپنی جان عزیز سے کہیں زیادہ ان سے محبت و پیار کرتا ہے۔ اس پر ان کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس کا یہ حق ہے کہ انہیں ظلم وزیادتی کا شکار ہونے نہ دے اور ان پر کسی قسم کی دست درازی یا حملہ ہو تو ان کا مکمل دفاع کرے، بعض صورتوں میں اپنا اور اہل خاندان کا دفاع آدمی پر واجب ہو جاتا ہے۔

دفاع کے اس حق کو دنیا کا ہر مہذب قانون تسلیم کرتا ہے، اسلام نے بھی اسے ایک بنیادی حق کے طور پر مانا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کو اپنی جان و مال یا عزت وآبرو اور اپنے خاندان کے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔ ایک مسلمان کی جان اس راہ میں چلی جائے تو وہ شہادت کا مقام حاصل کرے گا۔ رسول کریم ﷺ کے متعدد فرمودات اور ارشادات میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔

حضرت سعید بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد**" (ترمذی: کتاب الدیات، باب ماجاء فی من قتل دون ماله فهو شهيد) (یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

دفاع کے سلسلے میں دو ضروری باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱- دفاع کی ذمہ داری دراصل ریاست کی ہے کہ وہ شہریوں کی جان و مال یا عزت و آبرو کی حفاظت کرے، کسی شہری یا شہریوں کے کسی گروہ کو اپنے دفاع کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جبکہ اچانک حملہ ہوا اور ریاست کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کا موقع نہ مل سکے، یا وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرے، اس لئے ضروری ہے کہ جہاں انسان یہ دیکھے کہ اس کی جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرات لاحق ہیں، پہلے حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائے اور اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو یا حکومت کی طرف سے غفلت برتی جائے تو آدمی دفاع کا پورا حق رکھتا ہے۔

۲- دفاع میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ طاقت کا کم سے کم استعمال ہو۔ اگر حملہ آور صرف ڈرانے، دھمکانے یا شور مچانے سے فرار کی راہ اختیار کرلے تو اسے زخمی کرنے یا قتل کرنے کی کوشش نہیں ہوگی۔ اس کی جان اسی وقت لی جائے گی جب کہ اس کے سوا کوئی دوسری تدبیر کارگر نہ معلوم ہوتی ہو۔

دفاع کا حق ایک تسلیم شدہ حق ہے۔ اس سے سماج کے کمزور ترین فرد کو بھی یہ حوصلہ ملتا

ہے کہ اس کی جان و مال یا عزت وآبرو اور یہودی بچے ظالموں کے رحم وکرم پر نہیں ہیں۔ وقت ضرورت اگر اسے ریاست کی یا قریب کے کسی فرد کی مدد نہ بھی ملے تو وہ خود اپنے بل بوتے پر اپنی جائداد اور اپنے خاندان کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان نازک اور مخدوش حالات میں اپنے اس حق کا استعمال کرتا ہے تو اسلام کی تعلیم پر بھی عمل کرتا ہے اور وقت کے قانون کی بھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اسلام اور عالمی امن

مولانا عبدالرشید قاسمی جونپوری

بلاشبہ اسلام جورب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری پسندیدہ دین ہے کسی طرح کی ظلم و جارحیت کا ہرگز قائل نہیں، لہذا وہ دہشت گردی کی بھی کسی طرح تائید نہیں کرتا جس میں بے گناہوں کے جان و مال کو نشانہ بنایا جاتا ہے، لیکن کچھ ایسے مفسدین پیدا ہوتے رہیں گے جو اپنے کو مصلحین میں بزعم خود شمار ہی نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ ہم ہی مصلح ہیں، باقی دنیا مفسد اور ہم فساد کا سد باب کرنے والے ہیں۔

"**وإذا قيل لهم لا تفسدوا في الأرض قالوا إنما نحن مصلحون ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون**"(سورۂ بقرہ:۱۱-۱۲)۔

امام راغب اصفہانی فساد کی تعریف یہ کرتے ہیں:

"**الفساد خروج الشيء عن الاعتدال ويضاده الصلاح**"(تفسیر قرآن ۱/ ۶۴)

(اعتدال سے کسی چیز کا نکلنا ہی فساد ہے اور یہ اصلاح کی ضد ہے)۔

قرآن کریم نے بزعم خود مصلحین کی نیت کو بھانپ لیا اور دوٹوک لفظوں میں فرمایا کہ ان کو دنیا میں بھی عبرتناک سزا ملے گی اور آخرت میں بھی وہ عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے:

"**إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض**

ذلک لهم خزي في الدنيا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم"(مائدہ:۳۳)۔

(جولوگ اللہ اوراس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں ان کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں، یا سولی دیئے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو ان کی رسوائی دنیا میں ہوئی اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

صاحب جمل فرماتے ہیں کہ "**یسعون فی الأرض فساداً**"، یہ محاربۃ المسلمین کے معنی میں ہے، یعنی جو فساد پھیلانے والے ہیں وہی محارب ہیں، کیونکہ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان "و" واؤ تفسیری ہے اور اس لئے دوسرا فقرہ "**یسعون في الأرض**" پہلے فقرہ "**الذین یحاربون الله ورسوله** "کی تشریح وتفسیر اوراس کی مراد متعین کررہا ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ مراد آیت بالا کی رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے عام اس سے کہ وہ بہادر کافر ہو یا مسلمان، کیونکہ یہ گروہ جب اپنی اصلاح کا نمونہ دکھانے کے لئے نکلتا ہے تو پوری شان وشوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں۔

"**ذهب أکثر المفسرین وعلیه جملة الفقهاء إلی أنها نزلت فی قطاع الطریق**"(اکثر مفسرین اور تمام فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ آیت ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔

عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے، امام رازی فرماتے ہیں:"**یتناول کل من کان موصوفاً بهذه الصفة سواء کان کافراً أو مسلماً** "(ہر وہ شخص جو اس صفت سے متصف ہو خواہ کافر ہو یا مسلمان اس حکم میں شامل ہے)۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:"**ولم یسم بذلک کل عاص لله تعالی إذ**

ليس بهذه المنزلة فى الامتناع وإظهار المغالبة فى أخذ الأموال وقطع الطريق"(اور اللہ کے ہر نافرمان کو محارب نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ مالوں کے لینے اور راستہ کو منقطع کرنے اور لوگوں کو روکنے میں اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا)(تفسیر قرآن ۱/۹۰۰)۔

یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول کے لئے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے، اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ **المعصية اى يعصونه** (معصیت یعنی اس کی نافرمانی کرنا)۔

اب جو کوئی کسی رہگزر یا کسی پر بلا عذر حملہ کرتا ہے وہ پوری طرح **سعى فى الأرض** کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"**سمى قاطع الطريق محاربا بالله لكون المسافر معتمداً على الله تعالى فالذى يزيل أمنه محارب لمن اعتمد عليه فى تحصيل الأمن**"(ڈاکوؤں کو اللہ سے محاربہ کرنے والا اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مسافر نے اللہ پر اعتماد کیا تھا اور محارب اس کے امن کے درپے ہے لہذا محارب اس سے امن کے حصول میں جنگ کر رہا ہے)(تفسیر قرآن ۱/۹۰۰)۔

دہشت گردی کی تعریف:

پس معلوم ہوا کہ انفرادی یا اجتماعی یا حکومتی سطح پر کسی کے امن کو زائل کرنا یا جان و مال اور عزت کو لوٹنا یہ دہشت گردی میں شمار ہوگا، گویا دہشت گردی کی تعریف یہ ہوئی کہ جس نے بھی کسی کی عزت و آبرو اور جان و مال کو خطرہ میں ڈالا وہ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والا اور آج کی اصطلاح میں دہشت گرد ہے۔ کیونکہ محاربہ اور فساد دونوں کے معنی میں قدر اشتراک ہے، اس لئے کہ جو حربی ہوگا وہ عموماً فسادی بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر حربی بلا پروانۂ امن اسلامی

اسٹیٹ میں آئے تو اس کی جان اور مال مباح ہوجاتے ہیں، کیونکہ اس کی طرف سے فساد کا امکان قوی ہوتا ہے(ہدایہ ۲/۵۸۵)۔

۲-حکومت پر دہشت گردی کا اطلاق:

دہشت گردی کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں:

انفرادی دہشت گردی، اجتماعی دہشت گردی، حکومتی دہشت گردی۔

بعض وقت قانونی حقوق کی پامالی اور محرومی کا احساس ردعمل پیدا کرتا ہے، اسی جائز ردعمل کو کچلنے سے تشدد پیدا ہوتا ہے، اگر ان مسائل کو انصاف پسندی، عدل گستری کے ساتھ حل کیا جائے اور حکمت وبصیرت اور افہام وتفہیم کو ملحوظ رکھا جائے تو مسائل تشدد کی راہ اختیار نہ کریں، یہی مسائل کے حل کرنے کا دانشمندانہ طریقہ ہے لیکن مادی وسائل پر کنٹرول، انسانیت دشمن مشیر، اور کارکنان کی غلط پالیسیوں کے بنا پر بعض وقت اصحاب اقتدار کو اس فریب میں مبتلا کردیتا ہے کہ حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ ناروا سلوک کی راہ اختیار کی جائے، اور عموماً یہ صورتحال اس وقت وجود میں آتی ہے جب کسی ملک کے عوام شرعی حقوق کے خواہاں ہوتے ہیں اور ارباب اقتدار اسے دہشت گردی قرار دے کر تشدد کے راستہ پر برق رفتاری سے سفر شروع کردیتے ہیں، پس حکومت اور نوکر شاہی پر دہشت گردی کا اطلاق ہی نہیں ہوگا، بلکہ صف اول سے دہشت گرد قرار دیئے جائیں گے، اس لئے کہ یہ "**الذین یحاربون الله ورسوله** "کے صحیح مصداق ہیں۔ کیونکہ ارباب اقتدار مطالبہ کرنے والوں سے اسی لئے بغض رکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے نام لیوا ہیں اور قانون خداوندی کے نفاذ کے متمنی اور کوشاں رہتے ہیں۔ نیز اس مطالبہ کو کچلنے کے لئے مہلک سے مہلک اسلحہ بلا چوں و چرا استعمال کرتے ہیں، اس قتل و غارت گری میں خود ان کے قوانین ٹوٹ جائیں انہیں اس کی بالکل پرواہ نہیں، لہذا یہ "**یسعون فی الأرض**

فساداً‘‘، میں بھی شمار ہوگا، پس حکومتوں پر بھی دہشت گردی کا اطلاق بالکل صحیح ہے۔

۳-احتجاج اور ردعمل:

”**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**“(نساء:۱۴۸)(اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے مظلوم کے)۔

بلاضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں جائز نہیں، مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد لے جا سکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری اور نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا۔

پس احتجاج اور اظہار ناراضگی کے ثبوت کے لئے آیت بالا بین دلیل ہے جس سے صاف ظاہر ہوا کہ مظلوم کا ظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا درست ہے۔

عملی احتجاج کے جواز پر بھی ایک حدیث سے روشنی پڑتی ہے:

”**جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكوه جاره، قال: اطرح متاعک على الطريق، فطرحه فجعل الناس يمرون ويلعنونه فجاء إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله مالقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ قال: يلعنوني، قال: لعنک الله قبل الناس، فقال: إني لا أعود، فجاء الذى شكاه إلى النبى ﷺ فقال: ارفع متاعک فقد كفيت** “(مجمع الزوائد ۸/۱۷۰)۔

(ایک صاحب دربار رسالت میں پڑوسی کی شکایت لے کر پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا سامان نکال کر راستہ پر رکھ دو، چنانچہ ان صحابی نے ارشاد نبوی کے مطابق ایسا ہی کیا، لوگ وہاں سے گذرتے اور اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے جاتے، وہ پڑوسی حضور ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں لوگوں کی طرف سے بڑی تکلیف سے دوچار ہوں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تم کو لوگوں سے کیا تکلیف پہنچی؟ عرض کیا: لوگ مجھ پر لعنت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے پہلے تم پر اللہ کی لعنت ہو چکی ہے، کہنے لگے: اب آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا، اتنے ہی میں جن صاحب نے آپ ﷺ سے شکایت کی تھی وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا سامان اٹھا لو کہ تمہارا مسئلہ حل ہو گیا)۔

پس معلوم ہوا کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی ناراضگی اور ناخوشی کے اظہار کے لئے کسی علامتی طریقے کو اختیار کیا جا سکتا ہے، نیز عصری سیاست میں احتجاج جزء لاینفک ہے اور خود حکام بھی احتجاج اور رد عمل کے خوگر ہیں، لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں احتجاج واجب ہے۔

مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا، الا یہ کہ احتجاج مقصود نہ ہو بلکہ جو بھی سامنے آئے اسے ضرر پہنچانے کی غرض ہو اور ایسا کرنا جائز نہیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”**لا یرحم الله من لا یرحم الناس**“ (مشکوۃ ۲/۴۲۱) (جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا)۔

پس معلوم ہوا کہ احتجاج اور رد عمل شریعت کے دائرے میں جائز ہے، لیکن اگر جس نے نقصان نہ کیا ہو اپنے احتجاج میں اس پر اظہار غصہ کیا، اور شریعت کے دائرے سے ہٹ کر احتجاج کیا تو وہ درست نہیں۔

۴- بے قصوروں سے ظلم کا بدلہ لینا:

اہل ایمان کو ہر کام کے لئے شریعت نے اصول بتائے ہیں اور ان اصولوں کی پابندی بھی لازم قرار دی ہے، بغیر اصول کی رعایت کے وہ کام عبادت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا، چاہے

صورتاً کیوں نہ عبادت اور ریاضت اور جہاد نظر آئے مسلمانوں کو کسی بھی کام کی ابتدا سے پہلے ان کاموں سے متعلق ارشاد نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنا چاہئے، مشہور محدث علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب کسی کمانڈر کو روانہ فرماتے تو اسے یوں ہدایت دیتے کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اپنے ماتحت مسلمانوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے رہنا، پھر مزید یوں ارشاد فرمایا:

"**انطلقوا بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله ولا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً صغيراً ولا امرأة ولا تقتلوا طفلاً ومظلوماً وضموا غنائمكم وأصلحوا وأحسنوا إن الله يحب المحسنين**"(حصن حصین ر ۱۶۸) (اللہ کے نام سے جاؤ اللہ کی مدد کے ساتھ جاؤ، اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر جاؤ، کسی بوڑھے ناکارہ آدمی کو قتل مت کرو اور شیر خوار بچہ، کمسن لڑکے اور عورت کو بھی قتل مت کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کردو، اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو، بے شک اللہ اچھا سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

"**ونهينا (عن قتل امرأة وغير مكلف وشيخ)خر(فان) لاصياح...... (وأعمى و مقعد) وزمن ومعتوه وراهب وأهل كنائس لم يخالطوا الناس (إلا أن يكون أحدهم ملكاً) أو مقاتلاً (أو ذا رأى) أو مال (فى الحرب)**"(درمختار مع شامی ۳ر۳۱۱)۔

(ہمیں عورت اور ایسے ناکارہ بوڑھے جسے نہ عقل اور نہ فہم ہو، اور اندھے اور اپاہج اور مفلوج اور بے شعور اور راہب اور کنیسہ والوں کو جو لوگوں سے اختلاط نہیں رکھتے ہیں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، مگر ہاں ان میں سے اگر کوئی بادشاہ یا جنگجو یا میدان جنگ میں جس کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے یا جو مال خرچ کرتا ہے تو ایسے کو قتل کرنا جائز ہے)۔

اگر کافر مقابلہ میں آجائے یا مسلمان کو قتل کرچکا یا اس سے اندیشہ ہو یا قاتلوں کی مدد

کرتا ہے تو ایسے لوگوں سے مظلوم کے لئے بدلہ لینا جائز ہے، اور عورت، شیخ فانی اور بچہ کو بنیت انتقام قتل کرے گا تو بدلہ کی بات دور یہ حرام ہوگا اور عنداللہ ظالموں میں گردانا جائے گا، اگر یہ لوگ صاحب رائے، ذی مرتبہ یا روپیوں سے دشمن کی مدد کرتے ہیں تو پھران سے بطور انتقام بدلہ لینا جائز ہوگا۔

"ولا تقتلوا امرأة ولا صبياً ولا شيخاً فانياً ولا مقعداً ولا أعمى لأن المبيح للقتل عندنا هو الحراب ولا يتحقق منهم ولهذا لا يقتل يابس الشق والمقطوع اليمنى والمقطوع يده ورجله من خلاف والشافعیؒ يخالفنا فی الشيخ والمقعد والأعمى لأن المبيح عنده الكفر والحجة عليه مابينا وقد صح أن النبی عليه السلام نهی عن قتل الصبيان والذراری وحين رأی رسول الله ﷺ امراة مقتولة قال: هاه ما كانت هذه تقاتل فلم قتلت" (الہدایہ ۲/ ۵۶۲)۔

(عورت، بچہ، شیخ فانی اور اپاہج اور اندھے کو قتل نہ کرے، اس لئے کہ ہمارے نزدیک جنگجو کو ہی قتل کرنا جائز ہے، چونکہ عورت وغیرہ سے جنگ کا صدور نہیں ہوتا اسی وجہ سے مفلوج اور دایاں ہاتھ بایاں پیر یا بایاں ہاتھ دایاں پیر کٹے ہوئے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک شیخ فانی، اپاہج اور اندھے کو کفر کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے، اور یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا، اور آپ ﷺ نے جس وقت ایک مقتولہ عورت کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ارے کسی نے تم میں سے اس کو قتل کیا اس کا قتل کرنا جائز نہیں)۔

ان اصولی آراء کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مظلوم کو ظلم کرنے والے گروہ کے انہیں افراد کو بطور انتقام قتل کرنا یا ان سے بدلہ لینا جائز ہے جو ظالم کے کسی طرح کے معین ہوں، اعانت کی شکلوں میں ادنی واعلی کی تقسیم نہیں کی جائے گی۔

۵-اسباب تدارک:

کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی ہورہی ہوتو ان اسباب کے تدارک کے لئے درج ذیل صورتیں اختیار کرنی چاہئے:

۱- حضرت ابودرداءؓ سے یہ الفاظ حدیث منقول ہیں:

"إن الله يقول أنا الله لا اله إلا أنا مالک الملک وملک الملوک وقلوب الملوک بيدی وإن العباد إذا أطاعونی حولت قلوب ملوکهم عليهم بالرأفة والرحمة وإن العباد إذا عصونی حولت قلوب عليهم بالسخط والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسکم بالدعاء على الملوک ولکن اشغلوا أنفسکم بالذکر والتضرع أکفکم ملوککم" (مجمع الزوائد ۵/۲۴۹)۔

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت وشفقت سے متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کردیتا ہوں چنانچہ وہ انہیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں، لہذا تم بادشاہوں کو بددعائیں دینے میں مشغول نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعا وتضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا)۔

حدیث پاک سے اسباب تدارک میں سے ایک سبب یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی گروہ یا علاقہ والوں کے ساتھ معاشی، سیاسی اور علاقائی ناانصافی ہورہی ہوتو پہلا کام انہیں یہ کرنا ہے کہ اللہ رب العزت سے اپنی پریشانی کے ازالے کی درخواست کریں اور ذکر واذکار، استغفار وغیرہ

بکثرت کریں، اس کے بغیر آگے کی کوئی بھی تدبیر کامیاب ہونے والی نہیں ہے۔

۲- منکر کو اپنی طاقت بھر روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان**" (مشکوۃ ۲/۴۳۶) (تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے نکیر کرے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے)۔

ناانصافی کسی بھی شکل میں ہو ظلم ہے اور ظلم منکر کی ایک بدترین شکل ہے، لہذا اس منکر کو مٹانے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً اپنے سیاسی اور عوامی اثر ورسوخ کا استعمال کرے، اگر عدالتی چارہ جوئی سے مدد ملتی ہو تو عدالت سے چارہ جوئی کی جائے۔ اطراف کے بااثر افراد سے اس ظلم کو روکنے کی درخواست کی جائے اور ان سے بھی مادی سیاسی مدد حاصل کی جائے۔ اگر تدارک میں جنگ وجدال کی نوبت آئے تو اس کی بھی تیاری اور ہمت کی جائے۔ حضرت تھانویؒ نے اس طرح کی ناانصافی کے تدارک کے لئے یوں فتوی دیا ہے: ایسا مالی ظلم کرنا جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرے اگرچہ قتال کی نوبت آجائے اور صبر بھی جائز ہے بلکہ غالباً اولی ہے (احسن الفتاوی ۶/۱۳۹)۔

پس عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ ناانصافی خواہ کسی شکل میں ہو اس کا تدارک کرنا واجب ہے اور اسباب تدارک میں دعا، ذکر، استغفار اور افہام وتفہیم، سیاسی اثر ورسوخ، اطراف علاقہ کے سربراہوں سے امداد وتعاون اور جنگ بھی ہے، ان میں سے حالات کے مطابق اسباب تدارک اختیار کرنا ضروری ہے۔

٦-دفاع کی شرعی حیثیت:

جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے حملہ آوروں سے لڑنا اور ان کے حملوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا یقیناً جہاد کے درجہ میں ہے، اور اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو یہ شہادت ہے۔ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد**'' (ترمذی ۱/ ۲۶۱)۔

(جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے)۔

ارشاد نبی سے یہ امر ظاہر ہوا کہ جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا مقتول پر واجب ہے، اور حفاظت کے تمام جائز طریقے شامل ہوں گے، اور ان کی حفاظت میں مارا جانے والا شہید بھی ہوگا۔

''**الشهيد من قتله المشركون أو وجد فى المعركة وبه أثر أو قتله المسلمون ظلماً فيكفن ويصلى عليه لأنه فى معنى شهداء أحد**'' (ہدایہ ۱/ ۱۸۳)

(شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا ہو، یا میدان کارزار میں پایا جائے اور اس پر زخم کا اثر بھی ہو، یا مسلمانوں نے ظلماً اسے مارا ہو تو کفن دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ یہ شہداء احد کے درجہ میں ہیں)۔

دفاع اور جہاد میں فرق ہے، جہاد کے لئے کچھ شرائط ہیں مثلاً ایسے اسیر کا ہونا جو نظم جہاد کو انجام دے سکے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ''**وأمر الجهاد موكول إلى الامام واجتهاده**'' (المغنی ۹/ ۱۶۶)۔

(جہاد کا معاملہ امام اور اس کی رائے سے متعلق ہوگا)۔

اور امام المسلمین یا اس کی جانب سے مقرر نائب کے بغیر جہاد مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابو اسحٰق شیرازی فرماتے ہیں: "**ویکرہ الغزو من غیر إذن الإمام أو الأمیر من قبله**" (شرح المہذب ۱۹/ ۲۷۷)۔ ظاہر ہے کہ یہاں امیر سے دار الاسلام کا فرمانرواں مراد ہے جو فوجی طاقت مہیا کرنے اور وسائل جنگ کی فراہمی پر قادر ہو۔

دوسری شرط بلکہ حقیقتاً تیسری شرط یہ ہے کہ جہاد اس قوم سے ہو جس کو اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے اور وہ انکار کی صورت میں جزیہ دینے پر آمادہ نہ ہوں، کیونکہ اصل مقصود ہدایت ہے نہ کہ جہاد، جہاد ایک ذریعہ و وسیلہ ہے، نیز فقہاء حنفیہ میں علامہ حصکفی نے تو اس کو مزید وضاحت سے لکھا ہے:

"**ولا یحل لنا أن نقاتل من لا تبلغه الدعوة وھو إن اشتھر فی زماننا شرقاً وغرباً لکن لا شک أن فی بلاد الله من لا شعور له بذلک**" (درمختار ۶/ ۳۰۸)۔

(جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ہمارے لئے ان سے قتال جائز نہیں گو ہمارے عہد میں مشرق و مغرب میں اسلام پھیل چکا ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ خدا کی کائنات میں ایسے علاقے اب بھی موجود ہیں جہاں اسلام کا کوئی شعور نہیں)۔

پس معلوم ہوا کہ جہاد شرعی کے لئے امیر المومنین اور دعوت اسلامی کا ہونا ضروری ہے بغیر ان کے جہاد جہاد شرعی نہ ہوگا۔

دفاع "دفع" سے مشتق ہے، معنی: روکنے والا۔ دفاع کی صورت یہ ہوگی جو دفاع

کررہا ہے وہ پہلے ظلم کا شکار ہو خواہ حقیقتاً یا امکاناً، پھر دفاع کرے۔ اور دفاع کا حکم عرض کر چکا ہوں کہ واجب ہے، مدافعت انفرادی اور اجتماعی ہو سکتی ہے۔ پس حق مدافعت کے لئے شرعی امیر اور اجتماعی قوت ضروری نہیں جس کی شریعت میں ہر وقت اجازت ہے۔

پس مسلمانوں سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب جان و مال اور عزت و آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو وہ سپر اندازی اور سرخمیدگی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے مقدور بھر آپ اپنی حفاظت کریں۔

دہشت گردی - اسلامی نقطۂ نظر

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

اسلام مذہب امن ہے، اس کے نزدیک کسی کی جان لینا بہت بڑا ظلم ہے اور سب سے بڑا جرم ہے، اسلام انسانوں کی زندگی کو بے حد اہم سمجھتا ہے، ارشاد ربانی ہے: "**أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً**" (سورۂ مائدہ: ۳۲)۔

(بات یہ ہے جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے یا بغیر زمین میں فساد مچانے کے قتل کر دیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندگی دلائی تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندگی دلائی)۔

اس سے پتہ چلا کہ کسی بے گناہ کو مار دینا ساری انسانیت کا قتل ہے، اور کسی کو مارنے کی دو صورتیں یہاں آیت میں بیان ہوئیں۔

۱- اگر کوئی انسان کسی انسان کو مار دیتا ہے، تو اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔

۲- کوئی شخص اللہ تعالی کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے، سڑکوں، راستوں، جنگلوں، پہاڑوں یا کسی مقام پر بھی انسانوں کو قتل کرتا ہے، مال لوٹتا ہے، عزت لوٹتا ہے، تو اسے جوابی طور پر سزائے موت ہوگی، قرآن پاک نے "**فساد فى الأرض**" (خدا کی زمین

میں فساد پھیلانا) کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔

"لا تفسدوا فی الأرض"(بقرہ:۱۱)(تم زمین میں فساد نہ مچاؤ) کا واضح ارشاد دوسرے مقام پر ہے:"لا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها"(الأعراف:۵٦)(جب اصلاح ہوچکی تو پھر زمین میں فساد نہ مچاؤ)، مزید ارشاد ربانی ہے:"ویسعون فی الأرض فساداً"(مائدہ:۳۳)(اور وہ زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں)۔

اس سے واضح ہوا کہ اسلام اللہ تعالی کی زمین کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتا ہے، وہ کسی قسم کے فساد کا قائل نہیں، فساد اور خرابی عدل وانصاف سے روکتی ہے۔

اسلام اور عدل:

ظلم و فساد سے روکنے کے لئے قرآن پاک نے عدل کو ضروری قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:"اعدلوا هو أقرب للتقوى"(مائدہ:۸)(انصاف کرو یہ تقوی کے بہت قریب ہے)، اس آیت نے بتایا کہ عدل وانصاف تقوی اور پرہیز گاری ہے، مزید ملاحظہ ہو:"إذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل"(نساء:۹۸)(اور جب تم لوگوں میں فیصلے کروتو عدل سے فیصلے کرو)۔

یہ لازمی امر ہے کہ مسلمانوں کو عدل سے فیصلے کرنے ہیں، عدل سے فیصلے تبھی ہوسکتے ہیں کہ شہادت صحیح صحیح دی جائے، گواہی کے سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:"وأقیموا الشهادة لله"(طلاق:۲)(اللہ تعالی کے لئے سچی شہادت قائم کرو)۔

مزید ارشاد ربانی ہے:"ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه" (بقرہ:۲۸۳)(اور تم گواہی نہ چھپاؤ، جو گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ حقائق کھل کر سامنے آ گئے کہ مسلمان کسی کو قتل نہیں کرسکتا،

کیونکہ بے گناہ کا قتل انسانیت کا قتل ہے، وہ کسی کی عزت تباہ نہیں کرسکتا، وہ کسی کا مال نہیں لوٹ سکتا، وہ کسی کو زخمی نہیں کرسکتا، وہ کسی کو ڈرانہیں سکتا، وہ کسی کی بے عزتی نہیں کرسکتا۔

اگر وہ اقتدار میں آتا ہے تو انصاف کرتا ہے، اقتدار سے باہر ہوتا ہے تو انصاف کے لئے تگ ودو کرتا ہے، وہ ہر اس بات کی شہادت اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے، جس کا اسے علم ہے، غور فرمائیں، جس فرد، جس معاشرے اور جس حکومت میں یہ صفات ہوں کیا وہ دہشت گرد ہے؟ یہ تو ایک مہذب معاشرے کے لئے بنیادی شرطیں ہیں، اسلام تو جبر واکراہ کا بھی دشمن ہے۔

جبر واکراہ اور اسلام:

اسلام جبراً کسی کا مذہب تبدیل کرنے کا شدید مخالف ہے، ارشاد ربانی ہے:

''**لا إكراه في الدين**''(بقرہ:۲۵۶)(دین میں کوئی جبر نہیں ہے)۔

آپ اپنی خواہش کے تحت کسی کو جبراً مسلمان نہیں کرسکتے، مزید ارشاد ربانی ہے:

''**أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين**''(سورۂ یونس:۹۹)(کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں)۔

جس مذہب میں جبر جرم ہو، انصاف کا بول بالا ہو، فساد کی بیخ کنی ہو، قتل سب سے بڑا جرم ہو، وہ دہشت گرد ہوسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ دور حاضر میں غیر مسلم اقوام مسلمانوں پر اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے دہشت گردی کا الزام لگاتی ہیں یعنی چور ہمیں چور کہہ رہا ہے، صدیوں سے وہ خود دہشت گردی میں مبتلا ہیں وہ ٹیرارسٹ ہیں، اور بے گناہوں پر الزام لگاتے ہیں۔

اسلام نے تو دہشت گردوں اور باغیوں کے لئے شدید سزائیں رکھی ہیں، ملاحظہ ہو:

''لامحالہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ ورسول کے مقابل جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد

کے لئے تگ ودو کرتے ہیں یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح قتل کردیا جائے، یا صلیب پر چڑھا دیئے جائیں، یا ان کے ہاتھ پاؤں ایک دوسرے کے خلاف (دایاں ہاتھ بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں) کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کردیا جائے، یہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا اعذاب ہے (المائدہ:۳۳)۔

رہی بات مسلمان ریاست میں غیر مسلموں سے سلوک کی تو مختصراً گزارش ہے۔

غیر مسلموں سے سلوک:

اسلام غیر مسلموں سے حسن سلوک کا قائل ہے، وہ انہیں اپنی حکومت میں مذہبی آزادی دیتا ہے، کمانے کی آزادی دیتا ہے، تعلیمی آزادی دیتا ہے، حتی کہ ایسے کلمات کہنے پر بھی گرفت نہیں کرتا جن پر مسلمانوں کی گرفت ہوتی ہے۔

ہم پیچھے تفصیلاً عرض کر چکے ہیں کہ غیر مسلموں کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے، انہیں صدقات دیئے جاسکتے ہیں، خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہوں، جنس کی صورت میں ہوں، یا غذائی اجناس ہوں، جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں رہتے ہیں وہ ذمی ہیں، ذمی نہ گالی ہے اور نہ ہی کوئی خراب لفظ، یہ ذمہ (ذامہ داری) سے بنا ہے، اس کا مطلب ہے ان کے مذہب، جان، مال اور املاک کی ذمہ دار مسلمان حکومت ہے، سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایسے ذمی کی ذمہ داری اٹھانے کا حکم دیا جو بڑھاپے کی وجہ سے قانونی ٹیکس نہیں دے سکتا تھا، اس کی ذمہ داری کا مطلب اسے روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا تھا۔

''اسلام نے تو یہاں تک رعایت دی کہ اگر غیر مسلم آپ سے جنگ لڑتے قتل ہو گیا ہے تو اس کا مثلہ (شکل بگاڑنا) نہیں کریں گے، انہیں دھوکہ نہیں دیں گے'' (ہدایہ ۲/ ۵۳۳)۔

''اگر وہ مسلمانوں کا مال اپنے ملک میں لے جائیں تقسیم کرلیں اور مسلمان وہاں غلبہ

پالیں تو یہ مال مسلمان قیمت دے کر واپس لیں گے'' (ایضا ۲/۵۴۹)۔

اگر ذمی ہے، جزیہ (تحفظ کا ٹیکس) نہیں دیتا یا کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے، یا نبی مکرم علیہ السلام کی گستاخی کرتا ہے، یا کسی مسلمان عورت سے بدکاری کرتا ہے تو پھر بھی وہ ذمی رہے گا (ہدایہ ۲/۵۶۴)۔

ان سب کے باوجود ابھی بھی ہم ہی مستوجب عذاب وعقاب ہیں، ابھی بھی ہم سے شکایت ہے۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

اس مختصر تمہید اور سابقہ تحریر نے بہت سے مسائل واضح کر دیئے ہیں، اب سوالات کی طرف آتے ہیں:

۱۔ اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی یہ ہے کہ بلا وجہ کوئی فرد یا کچھ افراد مل کر بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں، مال لوٹنے لگ جائیں، جائیدادیں تباہ کرنے لگ جائیں، عصمت دری کرنے لگیں، یہ سب شہروں میں کریں، مجمعوں میں کریں، گھروں میں کریں، شاہراہوں پر کریں، جنگلوں میں کریں، ہوائی جہازوں، بحری جہازوں، گاڑیوں یا کسی بھی اور مقام پر کریں، طریقہ واردات یہ ہو کہ ڈر اور خوف پھیلا دیں، اچانک فائرنگ کر کے، بم بلاسٹ کر کے یا کسی بھی اور قسم کے جبر وتشدد سے کریں، تو یہ دہشت گردی ہوگی۔

دہشت پھیلا کر کوئی مقصد حاصل کرنا دہشت گردی ہے، اور اس کی حقیقت یہی ہے جو ابھی ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

اب بات بالکل واضح ہے کہ اسلام تو اسے محاربہ کہہ کر ایسے ظالم لوگوں کو شدید سزا دیتا ہے، جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، مزید برآں ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ اسلام امن، آشتی

اور محبت کا مذہب ہے، وہ دہشت گردی کو گھناؤنا جرم تعیین کرتا ہے، البتہ اب دنیا میں اپنے مکروہ انداز کے پیش نظر مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے، یہ الزام سراسر ظلم وزیادتی ہے، یہ دیر یا سویر غیروں کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ان کا الزام بڑا جرم تھا۔

۲- حکومتوں کے قیام کا مقصد انصاف قائم کرنا، عوام کے مسائل کا خیال رکھنا، ان کے مصائب کو دور کرنا، ظلم سے لوگوں کو بچانا اور خود ظلم نہ کرنا ہوتا ہے، اگر حکومت خود ظلم شروع کردے اور تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہ کرے اور ان کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی کرے اور ان کے مال وجان کے تحفظ سے بھی پہلوتہی کرے اور کسی طبقے کو مالی وجانی نقصان بھی کرے یا کرائے، تو یہ سب افعال ظلم وتعدی ہیں، اور ظلم کا دوسرا نام دہشت گردی ہے، ایسی حکومتیں اسلامی نقطۂ نگاہ سے دہشت گرد ہیں، خواہ وہ مسلم حکومتیں ہوں یا غیر مسلم حکومتیں ہوں۔ ایسی حکومتیں اپنے فرض سے بھی غفلت کے جرم کی مرتکب ہیں۔

اسلام نے تو ایسی حکومت کے احکام ماننے سے بھی روک دیا ہے اگر اس بات کی ہمت وطاقت ہو، ارشاد نبوی ہے:

"مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (بخاری ۲/۱۰۵۷)۔

(جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، جب حکومت گناہ کا حکم دے تو پھر اس کی بات نہ سنی جائے گی اور نہ ہی اس کی اطاعت کی جائے گی)۔

اب جو حکومت خود مجرم ہے ظالم ہے، طبقاتی کشمکش کی علمبردار ہے، اس کی اطاعت لازم نہیں رہتی۔

۳- اگر حکومت کسی گروہ کے ساتھ ظلم وتعدی اور ناانصافی کو روا رکھتی ہے تو اس کے خلاف

احتجاج ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ نے اسے افضل الجہاد قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کا ترجمہ ہے: ''سب سے بہتر جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے''۔

یہ حدیث تقریباً سب معتبر کتابوں میں موجود ہے، دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے: ''منکر کو ہاتھ سے روکو، ایسا نہ کرسکو تو زبان سے روکو، یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا سمجھو، مگر یہ سب سے ضعیف ایمان ہے''۔

اگر آپ اس سلسلہ میں مار دیئے جائیں تو یہ شہادت ہے، اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت میں موت اسلام کے نزدیک شہادت ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد کو سب مشہور کتب حدیث میں محدثین نے نقل کیا ہے۔

رہی بات یہ کہ ایسا عمل دہشت گردی تو نہیں؟ تو عرض ہے کہ دہشت گردی بے گناہوں کے قتل و غارت کا نام ہے، تفصیل اوپر گزر چکی ہے، یہ عمل تو دہشت گردی کا ردعمل ہے، اور حق طلبی ہے، حق طلبی اسلام، دیگر سب مذاہب اور انسانیت دوست عادل حکومتوں کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے، اسلامی تاریخ میں سیدنا امام حسین علیہ السلام اور سیدنا امام احمد بن حنبلؒ اور برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے طلب حقوق کے لئے جابر حکمرانوں سے ٹکر لی، حکمرانوں نے دہشت گردی کا راستہ اپنایا اور ان حضرات نے جرأت و شہادت کی نئی تاریخ لکھی، ایسی دہشت گردی کے خلاف اگر کلمہ حق کہا نہ گیا تو پھر ریاستی دہشت گردی کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی، لہذا تاحد مقدرت اسے ختم کرانے کے لئے جدوجہد لازم ہے۔

۴- اسلام بدلہ لینے کی اجازت صرف مجرم سے دیتا ہے، اور اس سلسلہ میں یہ بھی حکم ہے کہ اس کے ظلم سے زائد بدلہ نہ لیا جائے، مثلاً کسی نے اگر کسی فرد کی ٹانگ توڑی ہے تو اسلام اس کی دونوں ٹانگیں توڑنے کی اجازت نہیں دیتا، اور ٹانگ کو دو جگہ سے توڑنے کی اجازت بھی نہیں دیتا،

اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے اس زیادتی کا بدلہ دینا ہوگا۔

اسلام تو عفو و درگزر کا مذہب ہے، اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اسے معاف کر دینا بہتر ہے، اللہ کریم کے ہاں اس کا بہت اجر ہے، اگر بدلہ ہی لینا ہے تو وہ اس کی زیادتی کے مطابق ہوگا اس سے زائد نہیں۔

اب اگر کسی گروہ نے بدلہ لیتے ہوئے اس گروہ سے ہٹ کر ان کے ہم مذہبوں یا ہم وطنوں یا ہم جنسوں یا ہم زبانوں کو مارنے کی زیادتی کی تو اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، اور بے گناہ کسی فرد کو مارنا اسلام کے نزدیک پوری انسانیت کو قتل کرنا ہے، اوپر قرآن پاک کے حوالے سے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

قصاص لینے کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ ایسی احمقانہ کوششیں رک جاتی ہیں، ارشاد ربانی ہے:

"**ولكم فى القصاص حياة يا أولى الألباب لعلكم تتقون**" (البقرہ:۱۷۹)
(اور تمہارے لئے قصاص (بدلے) میں اے عقل والو! زندگی ہے تا کہ تم بچ جاؤ)۔

لیکن اس بدلے میں زیادتی و تعدی کی اجازت نہیں، ارشاد باری ہے:

"**يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى فمن عفى له من أخيه شئ فاتباع بالمعروف وأداء إليه بإحسان**" (سورۂ بقرہ:۱۷۸) (ایماندارو! مقتولوں میں بدلہ تم پر لازم قرار دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے وہی آزاد، غلام کے بدلے وہی غلام، اور عورت کے بدلے وہی عورت، جسے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو معروف طریقے سے پیروی اور حسن سلوک سے ادائیگی ہے)۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ زیادتی کی اجازت نہیں اور معافی کی تحسین کی گئی، مزید ملاحظہ ہو:

"وإن عاقبتم فعاقبوا مثل ما عوقبم به ولئن صبرتم لهوخير للصابرين"

(النحل:۱۲۶)(اوراگرتم بدلہ لوتو اتنا بدلہ لوجتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے، اوراگرتم صبر کرو(بدلہ نہ لو) تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے)۔

حاصل کلام یہ کہ بے گناہوں کو گنہگاروں اور مجرموں کے بدلے میں قتل کرنا جرم ہے جس کی سزا بھگتنا ہوگی، اسلام ایسے فعل کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

۵- ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کے سخت خلاف ہے، اور وہ دہشت گردوں کو سخت سزائیں بھی دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ منفی حرکات از قسم دہشت گردی وغیرہ کا قانونی گرفت سے اسلام جواب دیتا ہے۔

مگر اسلام مزاجاً ہر مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے اس کے اسباب وعلل کی تلاش کرتا ہے، اور پھر وہ ان اسباب کوختم کرنے پر توجہ دیتا ہے، مثلاً دہشت گرد غربت کے ہاتھ سے تنگ آ کر یہ حرکات کرتے ہیں، تو اسلام ان کی ملازمتوں کا بندوبست کرتا ہے، بیت المال سے ان کی مدد کرتا ہے، اگر دہشت گردی کا کوئی اور سبب ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، تا کہ ہمیشہ کے لئے دہشت گردی کا سد باب ہو سکے، مختصر لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام بدکار سے بڑھ کر بدی کا دشمن ہے، جب بدی ہی نہیں ہوگی تو بدکار کیسے وجود پذیر ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دہشت گردوں کے مددگاروں کا نیٹ ورک توڑنے کا حکم دیا ہے، حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ:

"لو اجتمع المحاربون فباشر بعضهم القتل والأخذ، وكان بعضهم ردءاً كان للردء حكم المحاربين فى جميع الأحوال وذلک للاكتفاء بوجود المحاربة سواء باشر بعضهم القتل أو لم يباشره فيقام الحد عليهم جميعاً"(الفقہ

علی المذاہب الاربعہ ۵/ ۱۲۴ طبع بیروت)۔

(اگر جنگجو (دہشت گرد) اکٹھے ہو جائیں، کچھ قتل و گرفت کرنے لگ جائیں اور کچھ ان کے پشتیبان اور محافظ بن جائیں تو سب حالات میں ان محافظوں کے لئے بھی حکم دہشت گردوں جیسا ہوگا، کیونکہ اصل مطلب تو سب کا محاربہ (دہشت گردی) ہی ہے، خواہ ان میں سے کچھ قتل کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں، لہذا ان سب پر حد (سزا) لاگو ہوگی)۔

یہ بات آچکی ہے کہ دہشت گردی شروع ہے تو اسے سارے حکومتی ذرائع سے کچل دینا ضروری ہے، اور پھر ان اسباب کا دور کرنا بھی لازم ہے جن کی وجہ سے دہشت گردی شروع ہوئی تھی تاکہ دہشت گرد پھر وجود میں نہ آسکیں۔

۶- اسلام اپنے عادلانہ معاشرہ میں کسی کو کسی پر حملہ کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، اور ایسے مفسد کو پوری قوت سے گرفت میں لیتا ہے، کسی پر حملہ خواہ وہ جان لینے کے لئے ہو یا مال وعزت کی بربادی کے لئے ہو "**فساد فی الأرض**" (زمین میں فساد برپا کرنے) کے ضمن میں آتا ہے، ہم پیچھے قرآنی حوالوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ اللہ تعالی کی زمین میں فساد برپا کرنا بہت بڑا گناہ اور قابل مواخذہ جرم ہے۔

اگر حملہ ہو جائے تو اسلام نے دفاع کا حق دیا ہے، نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

"**روى الترمذى وغيره عن سعيد بن زيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد، قال: وهو حديث حسن**" (کتاب الفقہ ۵/ ۶۸)۔

(ترمذی وغیرہ نے سعید بن زیدؓ سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ نبی رحمت ﷺ نے

فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کردیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان بچاتے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کے تحفظ میں مارا گیا وہ شہید ہے، جو گھر والوں کی حفاظت کرتے مارا گیا وہ شہید ہے، امام ترمذی نے فرمایا: سنداً یہ حدیث حسن ہے)۔

مندرجہ بالا باتوں کے تحفظ میں مارا جانے والا شہید ہے، مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل حدیث بھی سامنے رکھ لیں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو:

"وروی مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: لا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: فهو في النار "(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶۸/۵)۔

(امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول! آپ کی رائے کیا ہے اگر ایک آدمی آئے اور میرا مال لینا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا مال اسے نہ دے، اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھ سے لڑنے لگ جائے تو آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: اس سے لڑائی کر، اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھے قتل کردے؟ فرمایا: پھر تو شہید ہے، اس نے عرض کیا: اور اگر میں اسے ماردوں تو پھر آپ کا ارشاد کیا ہے؟ ارشاد ہوا: وہ پھر جہنمی ہے)۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے جو آراء دی ہیں علامہ الجزیری کتاب کے مذکورہ بالا صفحہ پر لکھتے ہیں، طوالت کے خوف سے ترجمہ پیش ہے:

''اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص پر ہجوم کر آئے تاکہ اس کا مال لے لے یا اسے قتل کردے اور واقعہ شہر کا ہو، جہاں مدد مل سکتی ہے، یا صحرا کا ہو جہاں کوئی مددگار نہیں ہوتا، یا وہ شہر یا صحرا میں اس کے گھر والوں کی ہتک عزت کا رادہ رکھتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ

اس مجرم کو زخمی کردے اور مسلمانوں سے مدد چاہے یا فوج سے مدد طلب کرے، اگر وہ زخمی ہوکر باز آ گیا، چھوڑ کے چلا گیا تو اب اس سے مزید قتال کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ باز نہیں آیا پھر بھی مال لینے یا قتل کرنے یا اس کے گھر والوں میں سے کسی کو قتل کرنے یا اس کے حرم میں داخل ہونے (بیوی، بیٹی، بہن، ماں، کسی محرم عورت، نوکرانی، لونڈی یا بچے) کے لئے آگے بڑھا یا گھر سے باہر چوکیدار کو قتل کر دیا تاکہ اندر جا کر بدکاری کا ارتکاب کرے یا ان خواتین میں سے کسی کو جبراً اٹھا لے جائے تو اب خاندان کے سربراہ پر واجب ہے کہ جتنی قوت ہو اس سے خاتون کا دفاع کرے، اور ہر قسم کا اسلحہ استعمال کرے، اگر وہ صرف ضرب، تھپڑ، لاٹھی، اسلحہ یا کسی اور سے دفاع کر سکتا ہے تو اس حالت میں اسے مارنا ضروری و لازم ہے، ہاں مارتے وقت پہلی بار میں ہی اسے قتل کرنے کی نیت نہ کرے، بلکہ ایسے مقامات پر مارے کہ وہ (زخمی ہو) مرے نہیں، اگر اس نے اپنی جان بچانے، مال یا عزت کا تحفظ کرتے ہوئے اسے مارا اور وہ زیادتی کرنے والا مر گیا تو اب اس شخص پر نہ قصاص ہے نہ بدلہ ہے نہ دیت ہے، نہ کفارہ ہے، نہ ہی قیامت کے دن کوئی گناہ ہے اور نہ ہی حاکم کی طرف سے کوئی تعزیر ہے، (اس ظالم ڈکیت) کا خون رائیگاں ہے، اگر دفاع کرنے والا مظلوم اس چور ظالم کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو شہید ہے اور فی سبیل اللہ عزوجل مجاہد کا ثواب ہے''۔

اس طویل اقتباس سے بات واضح ہوگئی کہ ایسی حالت میں دفاع واجب ہے، الحمدللہ سب سوالات کے جوابات حتی الوسع ہو گئے، فقیر ان دنوں بہت علیل ہے بیماری میں یہ گزارشات مذہبی فریضہ سمجھ کر مختصراً تحریر کر دی ہیں، اللہ کریم اس جہد مقل کو قبولیت کے شرف سے نوازیں۔

اسلام میں امن وسلامتی

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری
شکرپور بھرواره، دربھنگہ

۱- دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت:

بے قصور، بے خطا، بے جرم اور معصوم افراد وگروہ کو ہراساں وپریشان کرنا، لوگوں پر دھاندلی اور زبردستی کرنا، ناجائز مقاصد کی تکمیل کے لئے ظلم وستم کرنا، ہیبت پھیلانا اور ستانا، طاقت وغرور کے بل بوتے پر دوسروں کے املاک پر قبضہ کرلینا اور ظلم کرنا سراسر حرام ہے، جس کی حرمت قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون الله من أولیاء ثم لا تنصرون**"(سورۂ ہود، ۱۱۳)۔

(اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے)۔

حدیث میں ہے:

''حضرت ابوذرؓ نبی اکرم ﷺ سے اور آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا: اے میرے بندے میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم کو حرام کردیا ہے، لہذا تم لوگ ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، اے میرے

بندے سارے کے سارے لوگ گمراہ ہیں سوا اس کے جس کو میں نے ہدایت دی ہے، اس لئے تم لوگ مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو، تم کو میں صراط مستقیم کی ہدایت کروں گا'' (مسلم ۲/۳۱۹)۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کسی بھائی کی عزت یا اور کسی چیز پر ظلم کیا ہو اس کو چاہئے کہ وہ آج ہی اس سے معاف کرالے اس سے پہلے کہ درہم و دینار نہ رہیں، اس لئے کہ قیامت کے دن اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس میں سے اس کے ظلم کے بقدر لے لیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی'' (بخاری ۱/۳۳۱، اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے دیکھئے: فتح الباری ۵/۱۲۱ تا ۱۲۲)۔

''**وأجمع الفقهاء على تحريم الظلم**'' (الموسوعہ الفقہیہ ۲۹/۱۷۰) (اور ظلم کے حرام ہونے پر تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے)۔

اسلام پوری دنیا سے دہشت پسندی و دہشت گردی کو ختم کرنے کا حکم دیتا ہے نہ کہ دہشت گردی کو پھیلانے کا، البتہ اگر ظالم کے ظلم کو ختم کرنے کے لئے، فتنہ وفساد کو دبانے کے لئے اور نوع انسانی کو خطرہ سے بچانے کے لئے طاقت کا استعمال کیا جائے تو وہ دہشت گردی و دہشت پسندی کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس کے دلائل قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں جو دہشت گردی و دہشت پسندی کا نعرہ لگا کر دنیا سے دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے آگے آتا ہے اور عالم اسلام یا غیر عالم اسلام پر جو فوجی کارروائی کی جاتی ہے یہ سراسر دہشت گردی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایسی کارروائی سراسر حرام ہے۔

۲-حکمراں کے دہشت گردی کرنے کی صورت میں رعایا پر اس کا دفع کرنا لازم ہے:

یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے

ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، اور کبھی تو ان کی جان ومال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو، تو ایسی صورت میں اگر مسلمان کی حکومت سے مقابلہ کرنے میں یقیناً کامیابی کی امید ہو تو ڈٹ کر حکومت کا مقابلہ کرنا چاہئے، ورنہ صبر کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔

۳-مظلوم طبقے کا احتجاج کرنا اور اپنی ناراضگی ایوان حکومت تک پہنچانا جائز ہے:

اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر شرعی نقطہ نظر سے احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا کسی بھی حال میں دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا، جمہوری ملک میں مسلمانوں (اور غیر مسلموں) کے لئے اپنے حقوق کے حصول اور تحفظ کی غرض سے جمہوری طریقہ پر احتجاج کے تمام جائز مسائل کو اختیار کرنا درست ہے، ان میں ایجی ٹیشن کرنا، ہڑتال کرنا وغیرہ داخل ہے، البتہ تشدد وتعدی کا راستہ اختیار کرنا جس سے کسی فرد یا گروہ کی یا عوامی املاک کو نقصان پہنچے، مسافروں کو تکلیف ہو، راستے بند ہو جائیں، جائز نہیں، کیونکہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم احتجاج کے طور پر کسی کا گھر اور سامان جلا دیں، یا زیادتی تو حکومت کی ہو اور ہم عوام کو ضرر پہنچائیں یہ عقل مندی کی بات نہیں ہے، پبلک وعوام یا حکومت وسرکاری املاک کو نقصان پہنچانا اور جلانا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ احتجاج اور ناراضگی کے اظہار کے لئے اپنی آواز ایوان حکومت تک پہنچانا شرعی حدود میں رہ کر بلا تذبذب وبلا چوں وچرا جائز ومباح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن جلد دوم میں یوں رقم طراز ہیں:

’’ان آیات میں سے پہلی آیت اور دوسری آیت دنیا سے ظلم و جور کے مٹانے کا ایک قانون ہے، مگر عام دنیا کے قوانین کی طرح نہیں جس کی حیثیت صرف آمرانہ ہوتی ہے، بلکہ ترغیب وترہیب کے انداز کا ایک قانون ہے جس میں ایک طرف تو اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کرے تو مظلوم اس کے ظلم کی شکایت، یا کسی عدالت میں چارہ جوئی کرسکتا ہے، جو عین عدل وانصاف کا تقاضا اور انسداد جرائم کا ایک ذریعہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک قید بھی سورہ نحل کی آیت میں مذکور ہے: ’’یعنی اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو تم بھی اس سے ظلم کا بدلہ لے سکتے ہو، مگر شرط یہ ہے کہ جتنا ظلم وتعدی اس نے کیا ہے بدلہ میں اس سے زیادتی نہ ہونے پاوے ورنہ تم ظالم ہوجاؤ گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کے جواب میں ظلم کی اجازت نہیں بلکہ ظلم کا بدلہ انصاف سے ہی لیا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے کہ بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر صبر کرنا اور معاف کردینا بہتر ہے............ یہ ہے دفع ظلم اور اصلاح معاشرہ کا قرآنی اصول اور مربیانہ انداز کہ ایک طرف برابر کے انتقام کا حق دے کر عدل وانصاف کا بہترین قانون بنادیا، دوسری طرف مظلوم کو اعلی اخلاق کی تعلیم دے کر عفو ودرگذر پر آمادہ کیا، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ’’یعنی جس شخص کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اس طرز عمل سے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا‘‘ (معارف القرآن ۲/ ۵۹۳، ۵۹۴)۔

۴- غیر مجرمین سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے:

اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا

إن الله لا يحب المعتدين" (سورۂ بقرہ:۱۹۰) (اورلڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جولڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالی ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو)۔

نیز فرمایا: "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين" (سورۂ بقرہ:۱۹۴) (پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے)۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ غیر مجرمین اور غیر مقاتلین سے بدلہ لینا اور ان کو جان سے مارڈالنا قطعاً جائز نہیں، اور اگر کسی مسلمان نے اس کی خلاف ورزی کرنے کو بہتر سمجھا تو پھر عند اللہ مجرم قرار پائیں گے۔

اسی قسم کے سوال کے جواب نمبر ۴۶۳ کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ تحریر فرماتے ہیں: ''مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے، مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے'' (کفایت المفتی ۳۳۹/۹)۔

راحت وخوشی میں شکر کرنا اور مصائب وآلام میں صبر کرنا اسوۂ حسنہ ہے:

"عن صهيب قال قال رسول الله ﷺ: عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله له خير وليس ذلك لايحصل إلا للمومن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له" (مسلم ۴۱۳/۲ کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقۃ) (حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن بندہ کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے کہ اس کا ہر معاملہ اس کے واسطے خیر ہی خیر ہے، یہ بات مومن بندہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر اس کو راحت وخوشی پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے

اور یہ اس کے لئے خیر ہے، اور اگر اسے مصائب اور غم پہنچتے ہیں تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے سراسر خیر ہے)۔

ہر انسان کو زندگی میں دو حالتیں پیش آتی ہیں، کبھی خلاف طبع احوال پیش آتے ہیں، اور کبھی موافق طبع، کبھی ناخوشگوار اور دل شکن امور سے واسطہ پڑتا ہے اور کبھی خوشگوار اور مسرت خیز حالات سے، کبھی بندہ مصائب و بلیات سے دوچار ہو کر ملول ومحزون ہوتا ہے اور اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چمنستان زندگی کے سارے پھول مرجھا گئے ہیں اور کبھی راحت وآرام کی حیات آفریں ہوائیں پاکر مرجھائے پھول اچانک شگفتہ وشاداب ہوجاتے ہیں، غرض ہر شخص ان دونوں حالات سے دوچار ہوتا رہتا ہے، بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے اوپر یہ احوال آتے رہتے ہیں، ہمیں بھی شکر وصبر کرنے کی ضرورت ہے، اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں اپنی زندگی طے کرتے رہیں، ہماری تہذیب اور اسلامی تعلیم یہی ہے، غیر مجرمین کو مارنا صحیح نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی دراصل محرومی اور ناانصافی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے:

جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی یا سماجی یا ملی ومذہبی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرلینے کی خواہش، ان اسباب وعلل کے تدارک اور استیصال کے لئے اسلام نے ہدایات واصول دیئے ہیں، اگر ان کے مطابق پوری انسانیت عمل پیرا ہوتو یہ دہشت گردی خود بہ خود پوری دنیا سے ختم ہوجائے گی۔
اب ہم دونوں شقوں کے احکام الگ الگ بیان کریں گے:

ا- کسی گروہ کا دوسرے گروہ کے ساتھ دہشت گردی کرنا: شریعت مطہرہ نے پانچ چیزوں کی حفاظت وصیانت کی بنا پر قتال کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ پوری دنیا سے

دہشت گردی کا تخم نیست و نابود ہوجائے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۱-تحفظ دین،۲-تحفظ جان، ۳-تحفظ عقل وشعور، ۴-تحفظ نسب، ۵-تحفظ مال (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷/ ۱۵۳، ۱۶۴)۔

تحفظ دین: عمومی اصول کے مطابق ملک میں رہنے والے تمام شہریوں کو مکمل مذہبی اور فطری آزادی حاصل ہوتی ہے۔

تحفظ جان: کسی بھی حکومت میں ہر انسان کو حرکت وعمل کی آزادی ہوتی ہے، لیکن کوئی ایک یا چند افراد اس کی آڑ میں ملک میں خونریزی و دہشت گردی شروع کردیں تو حکومت کے لئے جائز بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ ایسے لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرکے عام لوگوں کی حفاظت جان کا انتظام کرے۔

تحفظ عقل وشعور: اس دنیا میں ہر انسان کو کھانے پینے کی آزادی ہے، یہ ایک عمومی قاعدہ ہے جس ملک وقوم کا ہر فرد مستفید ہوسکتا ہے، مگر کوئی اس آزادی کا غلط استعمال کرے اور شراب، ہیروئن یا دیگر منشیات کا استعمال شروع کردے تو ایسی کسی بھی چیز کے کاروبار پر پابندی لگانے کا حکومت کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ اگر یہ تادیبی کارروائی نہ کی جائے گی تو پورا معاشرہ نشہ کا ایسا عادی ہوجائے گا کہ ملک و جماعت کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا جس میں اچھے عقل وشعور اور گہرے ادراک وتمیز والے لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

تحفظ نسب: جنسی معاملات میں باہمی رضامندی سے کوئی بھی مشروط عقد و پیمان انسان کرسکتا ہے، لیکن اگر کوئی اس باب میں بے راہ روی کا مرتکب ہو اور غیر شرعی وغیر قانونی طریقوں میں جنسی تسکین کا سامان تلاش کرے تو حکومت کے لئے اجازت ہوگی کہ وہ ایسے لوگوں پر حد زنا جاری کرکے انسانی نسل کا تحفظ کرے ورنہ حلال وحرام نسل میں تمیز مشکل ہوجائے گی۔

تحفظ مال: دولت کمانے کی بھی ہر انسان کو پوری آزادی ہے لیکن اگر کوئی شخص اس میں غلط راستے اختیار کرے، مثلاً لوٹ مار، چوری، ڈکیتی کے راستے سے دولت کمانے کی کوشش کرے

تو ایسے تمام لوگوں کے خلاف شرعی تادیبی کارروائی کرنا حکومت کے لئے ضروری ہوگا ورنہ پورا ملک اقتصادی بحران کا شکار ہوجائے گا۔

"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلک لهم خزي فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم" (سورۂ مائدہ:۳۳) (یہی سزا ہے ان کی جولڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیئے جائیں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔

حدیث میں ہے: **"عن قابوس بن مخارق عن أبيه قال :سمعت سفيان الثوری يحدث بهذا الحديث قال: جاء رجل إلى النبى ﷺ فقال: الرجل يأتينى فيريد مالي، قال: ذکره بالله، قال: فإن لم يذکره، قال: فاستعن عليه من حولک من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين، قال فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نأى السلطان عني، قال: قاتل دون مالک حتى تكون من شهداء الآخرة أو تمنع مالک"** (المجتبی ۲/۱۷۱، ۱۷۲)۔

(حضرت قابوس بن مخارقؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت سفیان ثوری کو یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے میرا مال چاہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اللہ کی یاد دلاؤ، صحابی نے عرض کیا: اگر وہ نصیحت قبول نہ کرے، آپ ﷺ نے جواب دیا: اس کے خلاف اپنے پڑوس کے مسلمانوں سے مدد طلب

کرو،صحابی نے عرض کیا: اگر میرے قریب کوئی بھی مسلمان نہ ہو،آپ ﷺ نے فرمایا: تب پھر بادشاہ کی مدد حاصل کرو،اس صحابی نے عرض کیا: اگر بادشاہ مجھ سے بہت دور رہتا ہوتو پھر کیا ہوگا،آپ ﷺ نے فرمایا: پھرتم اپنے مال کی حفاظت کی خاطر اس سے لڑو اور قتال کروتا آنکہ تم اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے آخرت کے شہیدوں میں شامل ہوجاؤ یا پھر وہ تمہارے مال سے دست بردار ہوجائے)۔

نیز حدیث میں ہے:"**عن أبي هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت إن عدى على مالي، قال: فأنشد بالله، قال: فإن أبوا علي، قال: فأنشد بالله، قال: فان أبوا علي، قال: فأنشد بالله، قال: فإن أبوا علي قال: فقاتل فإن قتلت ففي الجنة وإن قتلت ففي النار**"(المجتبی ۲/ ۱۷۲ کتاب المحاربۃ تحریم الدم۔ مایفعل من تعرض مالہ)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا مشورہ ہے اگر کوئی میرے مال پر ظلم و تعدی کرے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: اس کو اللہ کی قسم دو،(کہ خدارا ایسی نازیبا حرکت کرنے سے باز آجاؤ اسلام میں یہ چیز اچھی نہیں ہے)،صحابی نے عرض کیا: اگر وہ پھر خودرائی اور خودسری پر اتر آئے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: پھر اس کو اللہ کی قسم دو،صحابی نے عرض کیا: اگر وہ خودرائی اور خودسری پر اتر آئے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: اس کو پھر اللہ کی قسم دو،صحابی نے عرض کیا: اگر وہ پھر خودرائی اور خودسری پر ڈٹا رہ جائے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: تب اس سے مقاتلہ کرو،اگرتم اس قتال ولڑائی میں اس کے ہاتھ سے مقتول ہوجاؤ گے تو تم جنت میں داخل ہوگے اور اگرتم نے ہی اس کو قتل کردیا تو پھر وہ جہنم میں داخل ہوگا)۔

ان دونوں احادیث کی روشنی میں یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ دہشت گرد کو دہشت گردی

کرنے سے ہر طرح کی طاقت کا استعمال کر کے روکا جائے، اگر وہ باز نہ آئے تو اس کے ساتھ قتال کر کے جہنم رسید کر دیا جائے تا کہ پوری دنیا کے لوگ سکون وچین کی زندگی گذارے۔

امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ھ اور اکثر علماء سیر و اہل مغازی کے نزدیک ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور رخصت کرتے وقت اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں......سب سے آخری نصیحت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ دیکھو! مظلوم کی بد دعا سے بچنا، مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو، دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا، کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے وہ قبول ہو کر رہتی ہے (معارف الحدیث ۱/۸۴،۸۷)۔

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "**دعوة المظلوم مستجابة وإن كان فاجراً ففجوره على نفسه**" (مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگر چہ وہ بدکار ہو، تو اس کی بدکاری کا وبال اس کی ذات پر ہے)۔ یعنی فسق وفجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بد دعا قبول ہوتی ہے۔ اور مسند احمد میں ہی حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: "**دعوة المظلوم مستجابة وإن كان كافراً ليس دونه حجاب**" (مظلوم کی بد دعا قبول ہوتی ہے اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے کوئی روک نہیں ہے) (معارف الحدیث ۱/۸۷، فتح الباری ۵/۱۱۶ تا ۱۲۲)۔

ان احادیث کی تشریحات وتوضیحات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ دہشت گردی، دہشت پسندی، دہشت زدگی، دہشت انگیزی، آتنک وادی، اگروادی کے جہاں جہاں پنپنے کے امکانات ہو سکتے تھے ہر ہر مراحل ومنازل پر ابتداء ہی سے روک لگا دی ہے، یہ مذہب اسلام کی حقانیت کی اعلیٰ دلیل ہے اور جناب ﷺ کی اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے۔

کسی گروہ کا حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینا:

جس کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک تشکیل شدہ حکومت کی دہشت گردی کے ذریعہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے، حکمراں اور عوام اس کی بنا پر پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو دہشت گردوں کا یہ ناروا طریقہ شرعاً سراسر غلط اقدام ہے۔

۶-حفاظت خود اختیاری شریعت کی نظر میں:

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے حملہ آور سے لڑنا اور ان کے حملوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا یقیناً جہاد کے درجہ میں ہے، اور اگر اسی راہ میں جان چلی جائے تو یہ شہادت ہے۔

"**عن سعید بن زید قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون أهله فهو شهید**" (ترمذی ۱/۲۶۱) (حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

ظالموں، دہشت گردوں کے خلاف جہاد نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، اور بعض حالات میں واجب ہے، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں، جن میں ایک بنیادی شرط ایسے امیر کا موجود ہونا ہے جو نظم جہاد کو انجام دے سکے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: جہاد کا

معاملہ امام اور اس کی رائے سے متعلق ہے: "**وذلک لأن أمر الجهاد موکول إلی الامام واجتهاده ویلزم الرعیة طاعته فیما یراه من ذلک**" اور علامہ ابواسحٰق شیرازی کا بیان ہے کہ امام المسلمین یا اس کی جانب سے مقرر نائب کے بغیر جہاد مکروہ ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/۱۳۱،۱۳۶)۔

مدافعت انفرادی فعل بھی ہے اور اجتماعی بھی، کہیں حق مدافعت کے استعمال کرنے کے لئے امیر اور اجتماعی قوت ضروری نہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ اس کو جہاد کا عنوان نہ دیا جائے بلکہ "حفاظت خود اختیاری" کی تعبیر وتفسیر مناسب ہے، جس کی شریعت میں ہر وقت اجازت ہے اور جس کو دنیا کے تمام مہذب قوانین نے انسان کا ضروری اور فطری حق تسلیم کیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب جان و مال اور عزت وآبرو خطرہ میں پڑ جائے تو وہ سپر اندازی اور سرخمیدگی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے مقدور بھر حتی الامکان آپ اپنی حفاظت کریں۔

بہر حال جان و مال اور عزت وآبرو پر کوئی دہشت گرد حملہ کرے تو حتی المقدور شرعی نقطہ نظر سے مدافعت واجب ہے۔

ظلم وجارحیت اور اسلامی موقف

مولانا افتخار عالم قاسمی
بیگم پور، سمستی پور، بہار

۱- اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے دوسروں پر ظلم وتعدی اور جور وستم کرنے کا نام دہشت گردی ہے، جیسا کہ آیت باری تعالی کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر قاسمی نے لکھا ہے: ''**الذين يحاربون الله ورسوله اى يخالفونهما ويعصون أمرهما (ويسعون في الأرض فساداً) اى يعملون في الأرض بالمعاصي وهو القتل وأخذ المال ظلماً**''(تفسیر قاسمی ۴/۱۱۶)، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم حکومت ہے اور وہ اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت کرتی ہے کسی معاملہ میں تو وہ بھی دہشت گردی ہے، اسی طرح وہ ممالک جو اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر دوسرے ملکوں پر بغیر کسی صحیح ثبوت کے حملہ کر دیتی ہیں یہ بھی دہشت گردی ہے، اسی طرح دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مشتبہ افراد کو کسی غیر جانبدار عدالتی طریقہ سے ان کا جرم ثابت کئے بغیر یکطرفہ طور پر سزا دینے کی کوشش بھی دہشت گردی ہی قرار دی جائے گی، اس لئے کہ یہ بھی اپنی طاقت کے بل بوتے پر ایک مظلوم شخص کو سزا دینا ہے، اسی طرح صرف شبہ کی بنیاد پر طاقت کا یکطرفہ من مانا استعمال بھی دہشت گردی کہلائے گی، اسی طرح بے گناہوں کا قتل کرنا، ایک جگہ ہوئے ظلم کا بدلہ دوسری جگہ کے افراد سے لینا، رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے غیر متعلق لوگوں پر ظلم کرنا، اس طرح کی تمام قسمیں اسلام کی

نظر میں ظلم و جارحیت کے ذیل میں آتے ہیں، اسلام قتل ناحق کا مخالف ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "**ومن قتل نفساً بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحياء الناس جميعاً**" (سورۂ مائدہ: ۳۳)۔

(اور جس نے کسی انسان کو خون کے بدلہ یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسان کو قتل کیا، اور جس نے کسی انسان کو زندگی بخشی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی)۔

لہذا اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ ہوگی کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے دوسروں پر ظلم وتعدی اور جور وستم کرنا۔

۲- اگر بعض اوقات حکومتیں ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں اور بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی نا انصافی روا رکھتی ہیں، اور ان کے جان و ملک کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں، یا سرکاری سطح پر کچھ ایسی تدبیریں کرتی ہیں جن سے اس طبقہ کے لوگ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہوں تو یقیناً حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی کہا جائے گا، بلکہ یہ تو اعلی درجہ کی دہشت گردی ہے، اسلامی نقطہ نظر سے بھی اور دنیا میں بسنے والے دیگر قوموں کے نقطہ نظر سے بھی، اس لئے کہ اسلام نے اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:

"**إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها، وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل، إن الله نعمّا يعظكم به إن الله كان سميعاً بصيراً**" (النساء: ۵۸)

(بے شک اللہ تعالی تم کو اس کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچایا کرو، اور جب

لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو، بے شک اللہ تعالی تم کو جس بات کی نصیحت کرتے ہیں وہ بہت اچھی ہے، بلا شک اللہ تعالی خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں)۔

اس آیت میں امانات سے مراد تمام ذمہ داریاں اور جملہ حقوق واجبہ ہیں، جن میں حسب صراحت زید بن اسلمؓ کے حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں، حضرت امام احمدؒ نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ولی من أمور المسلمين شيئاً فأمر عليهم أحدًا محاباة فعليه لعنة الله، لا يقبل منه صرفاً ولا عدلاً حتى يدخله جهنم" (جمع الفوائد ۱/ ۳۲۵) (جس شخص کو مسلمانوں کا امیر بنایا گیا پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص محض رعایت کی مد میں سپرد کر دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی طبقہ کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ ہر حق والے کو حق دینا حکومت کا فرض ہے، محض سیاسی وجوہ کے بنا پر کسی حقدار کو حق نہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے حکام ان وجوہات کی بنا پر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

سرکاری سطح پر جو تدبیریں کی جاتی ہیں کسی طبقہ کو جانی ومالی نقصان پہنچانے کے لئے وہ بالکل جائز نہیں ہیں، حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ ملک کے تمام باشندے کو عدل واعتدال پر قائم رکھے، اور مملکت سے داخلی اور خارجی فتنہ وفساد مثلاً داخلی جیسے ملک میں بسنے والے تمام لوگوں کی حفاظت کرے اور ان کے مال کی اور ان کے آبرو کی حفاظت کرے، اسی طرح ان پر کوئی ظلم باہر سے آ کر کرے یا ملک کے ہی دوسرے باشندے ملک کے ہی کسی باشندے کو جانی ومالی نقصان پہنچانا چاہیں تو ان کی اس سے حفاظت کرے، اسی طرح ملک کے باشندوں سے برائیوں کو دور کرے، اور ان کو بھلائی پر آمادہ کرے، اگر کوئی حکومت ان کاموں کو انجام نہیں دیتی ہے یا انجام دیتی ہے مگر مختلف طبقات کے درمیان امتیاز کرتی ہے، تو یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی

مخالفت ہے، اور ہم اس سے پہلے دہشت گردی کی تعریف کر چکے ہیں کہ دہشت گردی خدا اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کسی پر ظلم کرنے کا نام دہشت گردی ہے، اور سوال میں جو باتیں مذکور ہیں ان پر دہشت گردی کی تعریف صادق آتی ہے۔

لہذا اگر حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں، یا ان کے جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرتی ہیں جس کی وجہ سے اس طبقہ کو جانی و مالی نقصان پہنچے تو حکومت کے اس منصفانہ رویہ پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، بلکہ یہ اعلی درجہ کی دہشت گردی کہی جائے گی۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو اس پر احتجاج اور ردعمل کے اظہار کے جائز ہونے اور واجب ہونے میں کچھ تفصیل ہے جو مندرجہ ذیل ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "**ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر**" (آل عمران: ۱۰۴) (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ جو لوگوں کو خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں)۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھی بات کہنے اور برائی سے روکنے) پر قادر ہو، یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی معتد بہ ضرر لاحق نہ ہوگا تو ایسے شخص کے لئے جب کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو اس پر احتجاج کرنا واجب ہے، اور جو شخص معنی مذکور کے مطابق قادر نہ ہو تو اس پر اس صورت میں احتجاج واجب نہیں ہے، مگر احتجاج کرنا جائز ہے، اور اگر ہمت کر کے احتجاج کرے تو اس پر ثواب ملے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دینا چاہئے، اور اگر

قدرت نہ ہوتو زبان سے منع کرے، اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے، اور یہ ایمان کا بہت ہی کمزور درجہ ہے'' (مسلم شریف)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نا انصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار بقدر استطاعت واجب ہے ورنہ خاموشی بہتر ہے، اصل میں ہر زمانے میں نہی عن المنکر کا طریقہ مختلف رہا ہے، اس زمانے میں نہی عن المنکر کا طریقہ احتجاج اور ردعمل کا اظہار کرنا ہے، کسی پر کسی وقت احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب بھی ہے، اور کبھی حالات کے اعتبار سے اور حیثیت کے لحاظ سے جائز ہے۔

مظلوموں کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ یہ دہشت گردی کا مقابلہ ہے، دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس نے ظالم سے نبرد آزما ہونے کو ظلم اور دہشت کا نام دیا ہو، ہندو تاریخ میں کوروا اور پانڈو کی جنگ مشہور ہے اور اس موقع پر جناب کرشن جی نے ارجن کو جو اپدیش دیئے وہ آج بھی گیتا میں مشہور ہے، اس میں یہ پیغام ہے کہ اپنے جائز حق کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور ناانصافی کے خلاف سینہ سپر ہونا دہشت گردی نہیں، بلکہ ایک مقدس جہاد ہے، قرآن مجید نے بھی لطیف تعبیر میں کہا ہے کہ کسی بری بات کو کھلے عام کہنا خدا کو پسند نہیں لیکن جو شخص مظلوم اور ستم رسیدہ ہو اس کو یقیناً احتجاج کا حق حاصل ہے: ''**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**'' (النساء: ۱۴۸) اسی طرح دنیا میں اپنے حق وصول کرنے کے لئے لڑنے کو کوئی دہشت گردی نہیں کہتا ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے تو وہ اس کی اخلاقی دہشت گردی ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ''**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله**'' (البقرہ: ۱۹۴) (جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اس پر دست درازی کرو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو)، جب احکم الحاکمین مظلوموں کو ظالمین کے خلاف کھڑے ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کس کی اجازت درکار ہے۔ لہذا کسی گروہ یا طبقہ

کے ساتھ ناانصافی کی صورت میں تفصیل بالا کے مطابق کسی پر کسی وقت واجب ہے اور کبھی جائز ہے، اسی طرح مظلوموں کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔

۴ -   اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ ایک شخص کے جرم کا بدلہ اسی طبقہ کے دوسرے ان لوگوں سے لیا جائے جو اس جرم میں شامل نہ رہے ہوں، اور کچھ مجرمین کی وجہ سے بے قصور لوگوں کو نشانہ انتقام بنایا جائے، اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ''لا تزر وازرة وزر أخرى'' (النجم/ ۳۸) (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)، اسلام کے مطابق صرف انہی لوگوں سے برابر کا بدلہ لینے کا حق ہے جنہوں نے ظلم کیا ہے، اور یہ حق بھی مطلق نہیں ہے، ظالم کے علاوہ اس سے مذہبی، لسانی یا نسلی تعلق رکھنے والے کسی دوسرے گروہ سے اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، ویسے ظلم وتعدی کی یہ شکل کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ رہی ہے اور آج کے عہد میں تو اس کا دائرہ بے انتہا وسیع ہوگیا ہے، عربوں میں بھی اسلام سے قبل اس کی ایک صورت ''ثأر'' کی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص قتل ہوجائے تو قاتل کے قبیلہ کے کسی بھی فرد سے مقتول کے قبیلہ کا کوئی فرد اس کا بدلہ لے سکتا تھا، اس میں اکثر و بیشتر بے گناہ مارے جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی، زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں، پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کو بنی ہذیل نے مارڈالا تھا، اس کو معاف کرتا ہوں (سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۶۰۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کے لئے ظلم کرنے والے طبقہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو لوگ اس ظلم میں شامل نہ ہوں۔

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور مدافعت واجب ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"**وعن أبی هريرة رضی الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار**" (الترغیب والترہیب ۲/۳۴۰) (ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ کیا مشورہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میرے مال کو لینا چاہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے مال کو اس کو مت دو، پھر اس شخص نے کہا: کیا آپ گمان نہیں کرتے ہیں کہ وہ مجھ سے قتال کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، پھر اس شخص نے کہا: آپ کیا گمان کرتے ہیں اگر وہ مجھ کو قتل کردے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہوگے، پھر اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں ہوگا)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت سعید بن زیدؓ سے منقول ہے: "**عن سعيد بن زيدؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهوشهيد، ومن قتل دون أهله فهوشهيد**" (الترغیب والترہیب ۲/۳۳۹) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اسی طرح جو اپنے نفس کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اسی طرح جو اپنے اہل کی حفاظت میں قتل ہو وہ شہید ہے)۔

لہذا اگر کسی فرد کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے اور وہ شخص اس کی مدافعت

کرے اوراس کی وجہ سے قتل کیا جائے تو وہ شہید میں شمار کیا جائے گا، فقہ کی کتابوں میں ہے: ''**إذ خیف الھلاک ولأن دفع الھلاک واجب بأی طریق یمکن**'' (ہدایہ ۲/ ۵۶۴)، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اوپر سے ہلاکت کو دفع کرنے کا انسان کو اختیار ہے، چاہے اس کے لئے کوئی بھی طریقہ ممکن ہو، مگر یہ کہ وہ حملہ آور کہے کہ تم اپنی جان کو خود ہی قتل کر ڈالو، یا یہ کہے کہ فلاں شخص کو قتل کر ڈالو تو اس کے لئے غیر کو قتل کرنے سے اور اپنے آپ کو قتل کرنے سے رک جانا چاہئے اور اس پر صبر کرنا چاہئے، اور اگر اس کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو شہید ہوگا۔

اسی طرح اگر مسلمانوں کو دشمنوں نے گھیر لیا اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر ہم حملہ کریں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے تو بھی حملہ کرنا صحیح ہے، اس لئے کہ اس کی نظیر تاریخ میں ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو مشرکین مکہ نے غزوہ احد میں گھیر لیا تھا اور آپ کے اردگرد چند صحابہ کرام تھے، ان صحابہ کرام نے ان مشرکین پر حملہ کیا جنہوں نے آپ ﷺ کو گھیر لیا تھا، اور آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی:

''**ذکر فی شرح السیر أنه لا بأس أن یحمل الرجل وحده وإن ظن أنه یقتل إذا کان یصنع شیئاً یقتل أو یجرح أو یحزن فقد فعل ذلک جماعة من الصحابة بین یدی رسول الله ﷺ یوم أحد ومدحهم علی ذلک**''۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ''**وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا**'' (سورۂ بقرہ:۱۹) (اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو)۔

یہ دفاعی جنگ کی صورت ہے، حملہ آور جان پر یا مال پر یا دین پر حملہ کرے تو ان سے لڑنا چاہئے، اسی طرح دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

”**یا أیها الذین آمنوا إذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون**“(الانفال:۴۵)(اے ایمان والو جب تمہاری کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم ہو جاؤ اور اللہ کا خوب ذکر کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گروہ کسی کی جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ کرے تو مسلمان کو چاہئے کہ اس سے مقابلہ کرے اور اللہ کا ذکر کرے، انشاء اللہ اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا، لہذا اوپر مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کی مدافعت حتی المقدور واجب ہوگی گرچہ اس کے نتیجے میں انسان کی جان چلی جائے۔

امن عالم اور اسلام

مولانا ابوسفیان مفتاحی
مفتاح العلوم، مئو

۱-   دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت یہ ہے کہ کسی کو خوفزدہ کر دیا جائے بایں طور کہ ہر آن ڈرا اور سہما ہوا رہے اس بات سے کہ بغیر کسی قانونی اور سرکاری جرم کے اس کو گرفتار کر لیا جائے گا یا قتل کر دیا جائے گا یا اس کے مال و دولت کو لوٹ لیا جائے گا یا اس کے مکان یا اس کے فیکٹری کو یا اس کی تیار کھیتی کو اور تیار شدہ یا بغیر تیار مال کو جلا دیا جائے گا، الغرض جس کا چین وسکون چھین لیا جائے کہ کہیں بھی سکون سے رہنا نصیب نہ ہو، یا پوری قوم کے ساتھ ایسی صورتحال ہو یا اس کے اور ان کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی جائیں یا اخبارات وغیرہ میں اشتعال انگیز مضامین لکھے جائیں، بایں طور کہ غصہ دلایا جائے اور مذہبی چیزیں مثلاً مساجد ومدارس پر حملے اور طرح طرح کی ناجائز طور سے پابندیاں عائد کی جائیں اور ناجائز طور سے مذہبی امور میں مداخلت کی جائے، الغرض ان کو مجبور کیا جائے کہ اپنے مذہبی امور سے کنارہ کش ہو جائیں اور مذہب کا نعرہ بلند کرنا چھوڑ دیں اور ہماری ہاں میں ہاں ملانے لگیں اور مذہبی امور سے بے دخل ہو جائیں، ان کو روزی روٹی سے اور بجلی کی زیادہ کٹوتی کر کے پریشان کیا جائے اور ان کے محلے جات میں بغیر ضرورت پولیس کی ڈیوٹی لگا دی جائے اور مائک کے ذریعہ اذان دینے پر روک لگایا جائے اور ان کو دوسرے درجہ کا شہری قرار دیا جائے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کا

سلوک نہ کیا جائے اور ان کے مقدمات کو فیصل نہ ہونے دیا جائے اور ان کے جان و مال کی تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہ محسوس کی جائے، مذہب اسلام ان تمام کی نفی کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے۔

۲- اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

۳- اگر کسی گروہ اور طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار قانون کے دائرہ میں رہ کر واجب ہے۔

اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بایں طور کہ اپنا دفاع کیا جائے اور اپنا واجبی حق حاصل کیا جائے دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا، اور دفاع میں قانونی لڑائی لڑی جائے تا کہ بغاوت کے دائرہ میں نہ آنے پائے۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو اس صورت میں مظلوموں کو ظالمین سے بدلہ لینا اس طرح سے جائز ہے کہ عدالت کے ذریعہ قانونی چارہ جوئی کریں اور مظلوموں کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ قتل وقتال اور مار پیٹ کا بازار گرم کریں پھر تو جانبین کی جانب سے فتنہ شروع ہو کر اس کا سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا، اور اسلام نے فتنہ پروری کو قتل سے بڑھ کر اور اس سے اشد بتایا ہے۔ پس اسلام تو فتنہ اور فتنہ پروری کی نفی کرتا ہے اور اس کی روک تھام کرتا ہے، پس ظلم کا بدلہ صرف عدالت کے ذریعہ قانونی چارہ جوئی ہے۔

۵- اگر دہشت گردی کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی کے سبب پیدا ہوتی ہے تو اس کے تدارک کے اسباب کے تعلق سے جبکہ حاکم مسلمان ہو لیکن ظالم ہو، اسلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں یعنی موحد و مومن ہوں تو ان سے بغاوت جائز نہیں ہے، اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر روک لگائی ہے، اور قتل وقتال پر پابندی لگائی ہے، اور یہ بھی

ہدایت دی ہے کہ عوام یا گروہ پر صبر کرنا لازم ہے، اور ظالم حاکم پر گناہ لازم ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:

"عن عوف بن مالک الاشجعی عن رسول الله ﷺ قال: خیار أئمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم قال: قلنا: یا رسول الله! أفلاننازعهم ای بالسیف أو بالقتال عند ذلک، قال: لا، ما أقاموا فیکم الصلوة إلا من دل علیه دال فرآه یأتی شیئاً من معصیة الله فلیکره مایأتی من معصیة الله ولا ینزعن یداً من طاعة"۔

اور بیہقی کی روایت ہے: "عن ابن عمر أن النبی ﷺ قال: إن السلطان ظل الله فی الأرض، من یأوی إلیه کل مظلوم من عباده فإذا عدل کان له الأجر علی الرعیة الشکر، وإذا جار کان علیه الأجر وعلی الرعیة الصبر"۔

ان قولوں سے اشارہ ہوا کہ اگر ظالم حاکم غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کے حقوق اور اسلام کی رعایت نہیں کرتا تو اس کے تدارک کے لئے موجودہ دنیا میں جو طریقے رائج ہیں اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً احتجاجی جلسے، دھرنا اور حاکم کو میمورنڈم پیش کرنا اور پھر مجبور ہو کر اپنے اور اسلام اور مذہبی امور کے دفاع کے لئے اور اپنا جائز حق لینے کے لئے حکومت اور حاکم سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے، اور اس کی اطلاع سرکار کو پہلے دے دینا چاہئے کیونکہ آج کی موجودہ دنیا میں حق ملتا نہیں ہے بلکہ لیا جاتا ہے جیسا کہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو ان کے دفاع کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من قتل دون ماله فهو شهيد" (جوشخص اپنے مال کی وجہ سے قتل کردیا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے)۔ اوراس کی دوسری حدیث میں ہے: "عن أبی هريره قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله ! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد......" (ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا پھرعرض کیا: یارسول اللہ! آپ بتائیں کہ اگرکوئی شخص ارادہ رکھتا ہے میرے مال کے چھین لینے کا تو میں کیا کروں؟ تو فرمایارسول اللہ ﷺ نے: تم اپنامال اس کو نہ دینا، پھر پوچھا: آپ بتائیں کہ اگر میرا مال چھیننے کے لئے وہ مجھ سے قتال کرے تب میں کیا کروں؟ تو فرمایارسول اللہ ﷺ نے: تم بھی اس سے قتال کرولیکن مال نہ دینا، پھر پوچھا کہ اگر وہ مجھ کوقتل کردے تو میں کیا کروں؟ تو فرمایارسول اللہ ﷺ نے: تم شہید ہوگے۔ پھر پوچھا: آپ بتائیں اگر میں اس کوقتل کردوں تو کیاحکم ہوگا؟ تو فرمایارسول اللہ ﷺ نے: وہ جہنم میں ہوگا)۔

اورمخارق بن سلیمؓ کی روایت میں نسائی میں ہے: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: أيما الرجل يأتينى فيريد مالى، قال: ذكره بالله، قال: فان لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولک من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولى أحد من المسلمين؟ قال: فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نأى السلطان عنى؟ قال: قاتل دون مالک حتى تكون من شهداء الآخرة، أو تمنع مالک، كذا فى عمدة القارى" (ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا پھرکہا کہ کوئی شخص میرے پاس میرا مال چھیننے کےارادہ سے آتا ہے تو میں کیا کروں؟ تورسول اللہ ﷺ نےفرمایا: اس کواللہ کی یاددلاؤ، اللہ سے ڈراؤ، اس نے کہا: اگر وہ اللہ کو یاد نہ کرے تب کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے اردگرد کے مسلمانوں سے اس پر مدد مانگو، اس نے کہا: اگرکوئی مسلمان نہ ہوتو کیا

کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر بادشاہ سے مدد مانگو، اس نے کہا: اگر بادشاہ وہاں سے دور ہو تب کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قتال کرو اپنے مال کے لئے، اور اگر تم اس میں قتل ہو گئے تو تم آخرت کے شہداء میں ہو گے یا تم اپنا مال روک لو گے)، اس سے معلوم ہوا کہ گروہ یا اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت میں اور ان سے دفاع کے لئے تدبیر اسی ترتیب سے کی جائے، اور ان سب سے کام نہ چل سکے تو آخری تدبیر قتال و قتل ہے یعنی ایسے ظالم یا ظالمین کو قتل کر دینا جائز ہے شرعاً، اور اگر اس دفاعی تدبیر میں ظالم سے قتل ہو گئے تو یہ دفاع کرنے والا شخص شہید ہوگا، اور اگر ظالم قتل کر دیا گیا تو وہ جہنمی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حتی المقدور مدافعت واجب ہے۔

اور فتح الملہم (۱۷۶/۶) میں ہے: نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جو شخص ناحق طور پر کسی کا مال چھیننے کا ارادہ کرے، مال تھوڑا ہو یا زیادہ، تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے، یہی جمہور رحمہم اللہ کا قول ہے، اور علامہ ابن المنذرؒ نے فرمایا کہ علماء رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے یہ جائز سمجھا ہے کہ اپنی جان اور مال کے دفاع میں چوروں وغنڈوں وغیرہ سے قتال ولڑائی کرنا جائز ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے گھر میں ایک چور پکڑا پس اس کے قتل کرنے کے لئے تلوار کھینچا، حضرت سالمؒ کہتے ہیں کہ اگر میں نہ ہوتا تو چور کو تلوار سے مار ڈالتے، اور حضرت ابراہیم نخعیؒ نے کہا ہے کہ جب تم کو یہ اندیشہ ہو کہ چور حملہ پہلے کرے گا تو تم اس پر پہلے حملہ کر دو، اور حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ چور جب رات میں ہتھیار کے ساتھ داخل ہو تو اس کو قتل کر ڈالو اور حضرت امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ سفر میں مسافروں سے چور مل جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس سے قتال ولڑائی کریں اگرچہ معمولی رقم کے سلسلہ میں ہو، اور حضرت عبدالملکؒ کہتے ہیں کہ اگر چوروں سے انکار پر قدرت ہو تو ان کو کچھ بھی نہ دے، اور امام احمدؒ نے کہا کہ جب چور چوری کر کے آگے بڑھے تو اس کو قتل کر دو اور بھاگ رہا ہو تب قتل نہیں کریں گے،

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چور کسی گھر میں رات میں چوری کرنے کے لئے داخل ہوا پھر گھر سے چوری کر کے نکلا پھر مالک مکان نے اس کا پیچھا کیا پھر اس کو قتل کر ڈالا تو مالک مکان پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہر یا آبادی میں یا جنگل و میدان میں جس کے مال چھیننے کا ارادہ کیا گیا ہو یا اس کی بیوی کی آبروریزی کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس آدمی کو چند اختیارات ہیں: اس سے بات کرے، اس سے فریاد کرے، پس اگر وہ باز آ جائے تو اب اس سے قتال اور لڑائی کرنا جائز نہیں، پھر اگر اپنے ارادہ قتل سے باز نہ آئے تو اب اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ اپنی جان اور اپنے مال کی طرف سے دفاع کرے اور اس کو قصداً قتل نہ کرے، پھر جب باز نہ آئے تو اس سے قتال ولڑائی کرے پس اس کو قتل کردے۔ الغرض اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی طرف سے مدافعت کرنا واجب ہے، اور اس مدافعت میں اگر ظالم کو قتل کر دیا جائے تو جائز ہے۔ اور مدافعت کے حدود مندرجہ ذیل ہیں: اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرنا، پھر اپنے اردگرد کے مسلمانوں سے مدد طلب کرنا، پھر حاکم سے مدد طلب کرنا، پھر قتال ولڑائی کرنا، پھر قتل کر ڈالنا۔

یا اس سے پہلے بات کرنا یا فریاد کرنا، اور نہ مانے بلکہ آگے بڑھے تو قتل کر ڈالنا، یا مال لے کر یا عزت لوٹ کر بھاگے تو قتل کر ڈالنا۔

دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

مولانا محمد ارشاد قاسمی
ریاض العلوم گورینی، جونپور

۱-اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف:

خیال رہے کہ ''دہشت گردی'' ایک موجودہ زبان، اور زمانہ حال کا عرف ہے، کوئی لغوی اور کتابی زبان نہیں اور نہ قدیم وشرعی اصطلاح ہے کہ اس کی متعین تعریف پائی جائے۔

عرف رائج میں اس کی کوئی واضح اور متعین تعریف نہیں، خود اس لفظ کو جس نے رائج کیا اور تشہیر دی وہ اس کی صحیح تعریف نہ کرسکا، آپ کو معلوم ہوگا کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کے جواز کے لئے دہشت گردی کو سبب قرار دیا۔ اور تمام ملک کے سربراہ بیٹھ کر دہشت گردی کی تعریف میں مختلف عنوان سے تعبیر کرنے لگے تو کوئی ایسی تعریف پر سب کا اتفاق طے نہ ہوسکا، یہ ایک ایسا لفظ ہے جسے یورپ نے اپنے ہوائے نفس کے خلاف کام پر اطلاق کرنا شروع کردیا ہے۔ جو بھی اس یورپ اور امریکہ کے نزدیک خلاف ہو اس کے زعم میں غلط اور ظلم ہو دہشت گردی ہے، وہ تو قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے، حدود شرعیہ کی پابندی کرنے والے، دنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ کو پھیلانے والے، ظلم وناانصافی کو دور کرنے والے، خدا اور سول کی تعلیم دینے اور دلانے والے غرض یہ کہ جو ان کے زعم فاسد کے خلاف ہو دہشت گردی ہے،

یورپ وامریکہ نے اولاً پھر اس کی اتباع میں تمام کافروں نے اسلام پر اہتمام سے عمل کو دہشت گردی قرار دیا ہے، جن کا اولین مصداق جہاد اسلام ہے۔

دہشت گردی کا اصل مفہوم:

ناحق ظلم کرنا، ناحق کسی کے مال و جان کو برباد و ہلاک کرنا، جس جان کو شریعت نے محفوظ ومحترم بنایا ہو اس کو بلا علت جواز کے ہلاک و برباد کرنا، یہ ہے دہشت گردی کا اصل مفہوم جو ظلم و بربریت کے مترادف ہے۔

آج کل اس کا مفہوم خفیہ طور پر کسی کی جان واملاک کو ہلاک و برباد کرنا ہے۔

۲۔ حکومت اگر اپنے ملک میں بسنے والے تمام افراد وطبقات کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرے، یا سرکاری طور پر ایسی تدبیریں کریں جس سے وہ طبقہ جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہو تو اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی سے موجودہ عرف کے مطابق تعبیر نہیں کریں گے، چونکہ اس کے مفہوم میں دو چیزیں اساس ہیں، خفیۃً رازدارانہ طور پر اپنے مطالبہ کے پورا نہ ہونے پر جان اور املاک کو نقصان پہنچانا، خواہ ابتداءً اس کا اثر انفرادی اعتبار سے معصوموں و بےقصوروں کو ہوتا ہو، مگر مآل اور انجام کے اعتبار سے مقابل حکومت یا سربراہ پر آتا ہو، اس لئے حکومت کی ناانصافی جو بالکل واضح اور کھلم کھلا ہو اسے ظلم اور ناانصافی سے تو موسوم کیا جاسکتا ہے مگر عرف موجود کے اعتبار سے دہشت گردی سے موسوم نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اگر گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے، ان کے جائز حقوق پامال کئے جاتے ہیں تو اس پر احتجاج کرنا اور اس پر ردعمل کا اظہار بلاشبہ اس مظلوم کا قانونی جمہوری انسانی حق ہے جو جائز ہے۔ اور بعض موقعوں پر مصالح اور حالات کے اعتبار سے واجب بھی ہو جاتا ہے، اور کبھی

ضرر ہونے کی وجہ سے کہ مفاد کے بجائے نقصان کا پہلو غالب نظر آئے ممنوع اور موقوف ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مظلوم دفاع ظلم کا حق رکھتا ہے، اور ظالم کے ظلم کا اظہار کر کے اس کی شرافت اور وقار کو ٹھیس پہنچا کر اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے، البتہ طریقہ کار میں خارجی اعتبار سے کچھ اختلاف ہو سکتا ہے، قرآن پاک میں ہے: "**لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**"، اس سے ظالم کے ظلم کے خلاف احتجاج اور ردِ عمل کا جواز جو پرامن اور سنجیدگی کے ساتھ ہو مستنبط ہوتا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے تحت جصاص رازی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: "**وعن مجاهد رواية : إلا أن يخبر بظلم ظالمه......**" (ہاں مگر یہ کہ ظالم کے ظلم کی خبر اور اعلان کرے)۔ "**وقال الحسن والسدی: إلا أن ينتصر من ظالمه**" (ظالم سے ظلم کے خلاف مدد و تعاون چاہے) (۴۱۰/۲)۔ پرامن احتجاج اسی کے مفہوم میں داخل ہے۔

علامہ قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

"**لا يحب الله أن يجهر أحد بالسوء إلا من ظلم ۔ المعنى لا يحب الله أن يجهر أحد بالسوء من القول إلا من ظلم فلا يكره له الجهر به**" مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک زور شغب اور اظہار اصوات اور آواز کے ساتھ سوائے مظلوم اور کسی کی بات کو پسند نہیں کرتا، اور احتجاج کے مفہوم میں اعلانیہ ظلم کا اظہار داخل ہے۔

اور پرامن رہنے کی اجازت اس تعبیر سے حاصل کیا گیا ہے: "**والذی يقتضيه ظاهر الآية أن للمظلوم أن ينتصر من ظلمه ولكن مع اقتصاد**" پس معلوم ہوا کہ ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے اظہار اور اعلان کرنا اور اعلانیہ اسے بیان کرنا جائز ہے مگر پرامن اور اعتدال کے ساتھ۔

ہاں البتہ اسٹرائک کے طور پر اور ایسا احتجاج جس سے خود اس کا ظالمانہ حرکت اور رویہ ثابت ہونے لگے، مثلاً توڑ پھوڑ کرنا، راستہ جام کرنا، حکومت کے املاک کو نقصان پہنچانا، اس کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی۔ اب اس احتجاج کے تینوں شقوں: ۱- جائز، ۲- واجب، اور ۳- ممنوع کی تشریح درج ذیل ہے:

جائز ہونے کی دلیل گذر چکی۔

واجب- اگر احتجاج نہ کرے گا تو ظالم کا ظلم بڑھتا رہے گا، اور اس کی ظالمانہ حرکت اور بربریت معصوموں کو عورتوں بچوں کو اور پورے ماحول کو لپیٹ میں لے لے گی، اور اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی ظلم و ناانصافی کی ہوا لگ جائے گی، اور اس کا ظلم دن بدن اعتدال سے آگے گذر رہا ہوگا، اور احتجاج سے فائدہ ہونے کا امکان ہو ضرر کا احتمال نہ ہو تو ظالم کے خلاف احتجاج کرنا اور ظلم سے باز رکھنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے کہ منکر پر نکیر کرنا اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کی سعی کرنا انفراداً یا اجتماعاً واجب ہے۔

ممنوع- احتجاج ممنوع اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ ضرر کا احتمال غالب ہو، احتجاج کرنے پر جان و مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، پرامن نہ ہو کر پرخطر بن جانے کا یقین غالب ہو، یا احتجاج مطلقاً حکومتی اعتبار سے منع ہو کہ کرنے کی صورت میں ذلت ورسوائی و مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو، نفع کے مقابلہ میں ضرر زائد ہو تو پھر اس کی جازت نہ ہوگی، فقہاء کرام کے یہاں قاعدہ مسلمہ ہے جس پر عمل کرنا لازم ہے: "**درء المفاسد أولی من جلب المصالح**"۔ "ای **إذا تعارضت مفسدة ومصلحة يقدم رفع المفسدة علی جلب المصلحة**" (اگر نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو تو دفع ضرر اور فساد کا اعتبار مقدم ہوگا نفع پر) (القواعد الفقہیہ المحمودہ رص ۷۵)۔

اسی طرح قاعدہ "**الضرر لا يزال بالضرر**" (نقصان کو نقصان کر کے دور نہیں

کیاجائے گا)(حوالہ بالا)۔

پس معلوم ہوا کہ ایسا احتجاج جوفساد بلوی مال واملاک کے نقصان کا باعث ہو اختیار نہ کیا جائے گا اور نہ اس کی اجازت ہوگی۔

۴- اس سوال کے جواب میں ذرا تفصیل ہے۔ایک صورت یہ ہے کہ انفرادی اور شخصی طور پر ظالمانہ قاتلانہ برتاؤ ہوا ہو تو ایسی صورت میں ظالم یا معین ظالم کے علاوہ بے قصور اور شامل نہ ہونے والے افراد سے ہرگز بدلہ نہ لیا جائے گا، اور نہ حسب موقعہ واستطاعت ان سے انتقام لیا جائے گا، خواہ وہ اسی پارٹی، اسی جماعت اور اسی طبقے کے ہوں، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم اور ابن ماجہ میں ہے:

”**حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله** ﷺ ......**وقال رسول الله** ﷺ: **نزل نبي من الأنبياء تحت شجرة فلدغته نملة فأمر بجهازه فأخرج من تحتها وأمر بها فأحرقت بالنار، قال: فأوحى الله إليه فهلا نملة واحدة**“(مسلم ص ۲۳۶، ابن ماجہ)(آپ ﷺ نے فرمایا: حضرات انبیاء میں سے کسی نبی کا پڑاؤ کسی درخت کے نیچے ہوا، چیونٹیوں میں سے ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، اس پر انہوں نے تمام چیونٹی کو جلانے کا حکم دیا، تو اللہ پاک نے وحی بھیجی کہ ایک چیونٹی کی وجہ سے سب کو کیوں ہلاک کیا)، یعنی اللہ پاک کے عتاب کی وجہ یہ ہوئی کہ جس نے جرم نہیں کیا اس کو کیوں مارا، چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:”**فهلا عاقبت نملة واحدة هي التي قرصتک لأنها الجانية وأما غيرها فليس لها جناية**“ (ایک چیونٹی کو سزا کیوں نہ دی جس نے جرم کیا، دوسرے کو کیوں، اس کا تو کوئی جرم نہ تھا)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی طبقہ، پارٹی، جماعت یا گروہ کی جانب سے ظلم اور زیادتی

اور قتل وغارتگری ہورہی ہے تو اس پارٹی کے جو بھی افراد ظلم اور بلوہ وفساد کریں گے ان سے تو بدلہ اور انتقام لیا ہی جائے گا، اور اس پارٹی اور گروہ کے دوسرے افراد کو حسب استطاعت انتقام اور سزا میں شریک کیا جائے گا، پارٹی اور طبقہ کے دوسرے افراد جو اس واقعہ میں شریک نہ ہوں اور اس فعل کے مرتکب نہ ہوں مگر وہ پارٹی کے منشور میں ہے، ان کا تعاون مالی انتظامی شورائی رہتا ہے، وہ اس حرکت میں معین اور مددگار رہیں، حکماً وہ بھی شریک ہیں، اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ قاتل اور ڈاکہ زنی کے معین کو بھی سزا میں شریک کیا جائے گا، چونکہ پارٹی کے ایک فرد کو دوسرے فرد سے تقویت ملتی ہے۔

درمختار کی عبارت :''**وتجرى الأحكام المذكورة على الكل بمباشرة بعضهم الأخذ والقتل والإخافة** کے تحت علامہ شامی علت اور تنقیح مناط لکھتے ہیں:'' **لأنه جزاء المحاربة وهي تتحقق بأن يكون البعض ردءاً للبعض**''(۱۱۵/۴)۔

علامہ شامی کی اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ گو دوسرے افراد مباشر نہیں مگر اس کے لئے وہ محرک، باعث اور تقویت کا سبب ہیں، یہی علت یہاں پائی جارہی ہے اس لئے اس کا یعنی مباشر کا دفاع کرتی ہے، اس کے جرم کو چھپاتی ہے کیس اور مقدمہ نہیں بننے دیتی، اپنے مجرم افراد کو بری کرنے کی کوشش کرتی ہے، لہذا اس پارٹی اور جماعت کے دوسرے افراد جو اسی ذہنیت کے حامل ہیں ان سے انتقام لیا جاسکتا ہے۔

موجودہ دور اور زمانے کے مصالح اور سیاست میں سے یہ بات ہے کہ جب حسب قدرت اس کا انتقام مباشر کے علاوہ دوسرے افراد سے لیا جائے گا تو چونکہ ان کے مذہب اور جماعت کے ہیں اس کی وجہ سے کہ مبادا ہمارے بھائی سے انتقام نہ لے لیں، یہ فعل ان کو باز رکھے گا، اور ''**بعضهم أولياء بعض**''جو نص قطعی سے ثابت ہے ان کے دوسرے افراد سے انتقام لینے کے لئے روک اور ترک کا سبب بنے گا۔

اگر ان کے دوسرے افراد سے بدلہ نہ لیا جائے گا تو قتل اور فساد اس طرح خفیہ اور خداع ومکر سے کریں گے کہ پوری قوم کا استیصال ہو جائے گا اور اصل قاتل اور مباشر کا سراغ اور ان کی گرفت نہ ہو سکے گی، اور جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل فاعل اور مرتکب اور مباشر سے ہی انتقام لیں گے تو وہ قتل اور فساد میں جری ہو جائیں گے، اور اصل مباشر روپوش یا مخفی کر دیئے جاتے رہیں گے۔

تیسری ایک صورت یہ ہے کہ جس فرقے نے فساد وقتل وغارتگری اور ظلم وسفا کی کا معاملہ کیا اس کا دوسرے فرقے نے ساتھ نہیں دیا، بلکہ اس کی مذمت کی، ان کا تعاون نہیں کیا، انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہی کا معاملہ نہیں کیا بلکہ ان کی مدد کی، جان کی حفاظت کی، تو اگرچہ یہ مذہب کفر میں ان کے ساتھ ہیں اور "**الکفر ملة واحدة**" ہے، مگر چونکہ اس حرکت اور فعل میں شریک نہیں لہٰذا ان کے افراد سے بدلہ نہیں لیا جائے گا، اور اس کی دلیل آپ ﷺ کا وہ فعل ہے جو آپ ﷺ نے کافر قوموں سے حلیفانہ برتاؤ کیا تھا، جیسا کہ قبیلہ خزاعہ سے، اسی طرح یہود کے بعض قبیلوں سے جس نے بعد میں بدعہدی اور غداری کی۔

اسی طرح قرآن کی سورۂ ممتحنہ کی آیت: "**لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ**"۔ آپ اس کی تعبیر اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ ظالم فرقے نے قتل وبربریت کر کے عملاً اپنا عہد امان توڑ ڈالا لہٰذا اس سے حسب وسعت بدلہ اور محاربہ جائز ہو گیا، اور دوسری جماعت عہد امان پر باقی رہی لہٰذا اس کا خون محترم رہا۔ اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے جس کا تعلق دارالمعاہد اور دارالامان کے جزئیاتی مسائل سے متعلق ہے، جس کا ذکر یہاں طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۵ - دہشت کا تدارک: اس کے مختلف اسباب وذرائع ہیں جن سے ان کو روکا جا سکتا ہے،

اسلامی ہدایات یہ ہے کہ اخلاقی تعلیم، انسانی حقوق، بندوں کے درمیان جو حقوق ہیں، مکارم اخلاق ان کو عملاً عام کیا جائے۔ مقصد حیات سمجھا جائے، ظلم کے برے معاشرتی انجام سے واقف کرایا جائے، حقوق اور اس کا مطالبہ جائز طریقہ سے لینا سیکھا جائے، معروف کی ترویج، منکر پر نکیر اور اس کے انسانی دنیا پر بڑے سنگین نتائج عقل و تجربہ کی روشنی میں بیان کیا جائے۔

۶- اگر کسی فرد یا گروہ پر مثلاً ہند جیسے خطے میں اہل اسلام پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع حسب وسعت وطاقت واجب ہے، بزدلی کے ساتھ جان وعزت وآبرو کو پامال کرنا ممنوع ہے، پھر ایسی صورت میں قوت دفاع، وقت، ماحول بعد کے نتائج کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا، آج کے اس دور میں جو مذہب اور فرقے کی بنیاد پر حملے کی نوعیت ہوتی ہے، اجتماعی حملہ عموماً کرتے ہیں اس کا دفاع حیثیت اور قدرت بھر واجب ہے، ورنہ بزدلی اور کم ہمتی سے یہ آگ اور آگے بڑھ کر پورے معاشرہ کو یکسر خاکستر کردے گی۔ **کذا فی الشامی إن کل موضع خیف هجوم العدو منه فرض علی الإمام أو علی أهل ذلک الموضع حفظه وإن لم یقدروا فرض علی الأقرب إلیهم ---إذا جاء النفیر إنما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو......إن هجم العدو فیخرج الکل**" (شامی ۴/۱۲۷) (شامی میں ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں سے دشمن کے حملہ کا خوف ہو امیر پر یا اس جگہ کے رہنے والوں پر اس جگہ کی حفاظت کرنا فرض ہے، اگر وہ لوگ قادر نہ ہوں تو ان سے جو قریب ہیں ان پر فرض ہے......اگر پورا جتھا حملہ آور ہو تو دشمن سے قریب رہنے والوں پر اس کی حفاظت کرنا فرض عین ہوگا......اگر دشمن حملہ کرے تو تمام لوگ نکل کھڑے ہوں)۔

اگر استطاعت نہ ہو، کوئی سامان نہ ہو، ہتھیار بھی نہ ہو تو واجب نہیں، "**ولابد لفرضیته من قید آخر وهو الاستطاعة ......وشرط لوجوبه القدرة علی**

السلاح (حوالہ سابق) (اس کے فرض ہونے کے لئے ایک دوسرے قید یعنی استطاعت کا ہونا ضروری ہے......اوراس کے واجب ہونے کے لئے ہتھیار پر قادر ہونا شرط ہے)۔مزاحمت کے وقت جیسی حالت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا، تاہم حتی المقدور مقابلہ اور مزاحمت کرنا مستحسن ہے۔ اور اسی طرح جان دینا شہادت ہے، **من قتل دون نفسه فهو شهيد۔**

اسلامی موقف اور دہشت گردی

مفتی انور علی اعظمی
دارالعلوم مئو

دہشت گردی مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں کی طرف سے کسی انسان پر ظلم وستم اور ایسی جارحانہ سرگرمیوں کو کہتے ہیں جس سے انسانی جان و مال اور اس کے دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو، دہشت گردی کے ضمن میں تشدد، خوف و ہراس، ایذا رسانی، بلا سبب قتل اور انسانی جان کے ضائع کئے جانے کی دھمکیاں بھی شامل ہیں، اسی طرح دشمنی میں کسی کو خوفزدہ کرنا، ڈاکہ ورہزنی کی واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں اور لوٹ مار کی وہ تمام شکلیں دہشت گردی میں شمار کی جائیں گی جو مجرمین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر سرزد ہوں اور اس مقصد کے لئے لوگوں میں مجرمین کا رعب و دبدبہ طاری ہوجائے، جس سے جان و مال، امن وسلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو، اسی طرح معاشرہ اور سوسائٹیز میں ایسی فضا پیدا کرنا جس سے لوگوں میں بے چینی یا توڑ پھوڑ کر کے فتنہ وفساد، املاک و جائداد، نجی یا قومی اسباب ووسائل، قومی، سماجی اور طبعی وسائل کی تباہی کا خطرہ ہو۔

بنا بریں روئے زمین پر فتنہ وفساد کی تمام وہ شکلیں دہشت گردی کے دائرہ میں آتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں شدت کے ساتھ مسلمانوں کو منع کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ''**ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا یحب المفسدین**'' (سورۂ قصص ر۷۷) (اور

زمین میں فساد برپا نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالی فتنہ گروں کو پسند نہیں کرتا) (بحوالہ اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ)۔

۲۔ حکومتوں کا اپنے ملک میں بسنے والے طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہ کرنا، بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی، ثقافتی ناانصافیوں کو روا رکھنا اور ان کے جان ومال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی کرنا کھلی ہوئی سرکاری دہشت گردی ہے، سرکاری دہشت گردی کو متعدد انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ثقافتی وفکری دہشت گردی: جیسے نصاب تعلیم کا بھگوا کرن اور تاریخی واقعات میں تحریف۔

۲۔مذہبی دہشت گردی: کسی سرکار کا اپنے ملک میں بسنے والی کسی مذہبی اقلیت کی عبادت گاہ اور مذہبی مقامات کو خاطر خواہ تحفظ نہ فراہم کرنا، اور مذہبی جنونیوں اور انتہا پسندوں کو دہشت گردانہ کارروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے دینا، یہ بھی سرکاری دہشت گردی کے دائرے میں آتا ہے۔

سرکاری دہشت گردی کی کھلی ہوئی مثال گجرات کا بھیانک فساد ہے، جہاں مسلمانوں کی جان و مال، املاک و جائداد اور عزت و آبرو کی تباہی و بربادی کے لئے برسوں پہلے سے پلاننگ کی گئی یہاں تک کہ مسلمانوں کے نام اور مکان نمبر نوٹ کئے گئے، گاڑیوں کے نمبرات نوٹ کئے گئے، اور مہینوں تک مودی سرکار اور اس کے کارندے لوٹ مار، آتشزنی اور آبرو ریزی کا ننگا ناچ ناچتے رہے اور مرکزی سرکار بھی تماشائی بنی رہی بلکہ وزیر داخلہ وزیر اعلی مودی کی تعریف کرتے رہے یہاں تک کہ مودی سرکار کو کلین چٹ دے دی گئی، یہ سرکاری دہشت گردی کی ایک کھلی ہوئی مثال ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سرکاری دہشت گردی کا مظاہرہ بوسنیا ہرزے گووینا میں دنیا دیکھ چکی ہے اور برسوں سے اسرائیلی حکومت امریکہ کی شہ پر فلسطینیوں کے ساتھ جس طرح کے مظالم روا رکھے ہوئے ہیں وہ سب سرکاری دہشت گردی کی بدترین مثال ہے۔

۳- کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی کی متعدد صورتیں ہیں۔ سرکاری ناانصافی کی ایک صورت یہ ہے کہ حکومت کسی خاص طبقہ کے جائز حقوق ادا کرنے میں تساہلی برتے، مثلاً صفائی، روشنی و پانی، دوا علاج وغیرہ کی بنیادی سہولیات سے محروم رکھے۔ ملازمتوں میں باوجود صلاحیت کے محض گروہی یا مذہبی تعصب کی بنا پر آبادی کے تناسب سے مواقع فراہم نہ کرے، ان کے جائز حقوق سے محروم رکھے، ایسی ناانصافیوں پر احتجاج کرنا جائز ہے واجب نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس قسم کی ناانصافی اور منصب کے سلسلہ کی ترجیحات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"**إنكم ستلقون بعدی أثرة فاصبروا حتى تلقونی على الحوض**" (صحیح مسلم ۱۲۷/۲)۔

احتجاجی ردعمل کے جواز کے باوجود مسلمانوں کی اجتماعی مصالح کا تقاضہ یہ ہے کہ سیاسی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جائز حقوق کی تحصیل میں سستی نہ برتیں۔ جمہوری ملک میں جو اس کی جائز شکلیں ہیں اسے روبہ عمل لائیں۔

ناانصافی کی دوسری شکل کسی گروہ کے جان و مال اور عزت وآبرو پر حملہ ہے اور اس کی بدترین شکل نسل کش فسادات ہیں، اس طرح کے مظالم پیش آنے پر مبتلا بہ پر دفاع واجب ہے۔ ایسے مظلومین کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہرگز ہرگز دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا، اسلام نے ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"**انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً، قالوا: يا رسول الله! هذا ننصره**

مظلوماً فکیف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق یدیه"(۵/ ۱۲۴ صحیح البخاری مع فتح الباری)۔

ہندوستان جیسے ملک میں مسلم اقلیت چاہے جہاں کہیں آباد ہو فسادات و مظالم کے خلاف اس کے لئے آواز اٹھانا ضروری ہے، اس لئے کہ فساد کرنے والی جماعت کا تعلق پورے ملک سے ہے۔ اس لئے پورے ملک کے مسلمان مبتلا بہ کا درجہ رکھتے ہیں، لہذا اپنے دفاع کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے علاقہ میں ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں دریغ نہ کریں۔

۴- مظلومین کے لئے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ وہ ظالمین کے گروہ کے ان لوگوں کو نشانہ بنائیں جو بے قصور ہیں اور اس ظلم میں شامل نہیں ہیں۔

فرمان باری تعالی ہے:"**ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوی**"(سورۂ مائدہ:۸)۔

دوسری جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"**ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل إنه کان منصوراً**"(سورۂ اسراء/ ۳۳)۔

"**فلا یسرف فی القتل**" سے بالکل واضح ہے کہ مقتول کے ورثاء کے لئے انتقام میں حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، مفسرین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ قاتل کو چھوڑ کر اس کے بدلے اس کے کسی رشتہ دار کو قتل کرنا اسراف فی القتل ہے۔ لہذا ضروری یہ ہے کہ مظلوم شدت جذبات سے مغلوب ہو کر غیر ظالم کو نشانہ نہ بنائیں ورنہ یہ اسلامی عدل کے خلاف ہوگا۔

۵- انسانی مسائل و مشکلات کے حل میں عدل و انصاف سے تجاہل، بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا استعمال، زور زبردستی کا طریقہ، بہت ساری چپقلشوں اور جنگ و جدل کا سبب ہے،

دین اسلام جہاں پوری قوت وشدت کے ساتھ ظلم وزیادتی کو منع کرتا ہے،تشدد اور دہشت گردی کو حرام قرار دیتا ہے، وہیں عدل وانصاف،عفو ودرگذر، باہمی گفت وشنید، عام انسانوں کے درمیان تعلقات اور آپسی رواداری پر بھی پورا زور دیتا ہے(اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ)۔

اسلام کا نظام عدم ومساوات ، احترام انسانیت اور عدم اعتداء علی الغیر کا بنیادی اصول دہشت گردی کے خاتمے میں بنیادی رول ادا کر سکتے ہیں۔

قرآن نے" **اعدلوا هو أقرب للتقوى**" کاحکم اس موقع پر بھی دیا ہے جبکہ معاملہ اپنے دشمن سے ہو۔اللہ تعالی نے کھیتی کی بربادی اور نسل کشی کو چاہے اس کا تعلق کسی مذہب وملت سے ہو مذموم گردانا ہے:"**وإذا تولى سعى فى الأرض ليفسد فيها ويهلک الحرث والنسل والله لا يحب الفساد**......"(سورۂ بقرہ:۲۰۶)۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے سرکشی سے بچنے کا حکم دیا ہے:"**ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين**"(بقرہ:۱۹۰)،اسی طرح انسانیت کے احترام کا سبق اس آیت میں دیا: "**ولقد كرمنا بنى آدم وحملنا هم فى البر والبحر**"(اسراء/۷۰)۔

مزید برآں یہ کہ اللہ رب العزت نے ہمارے نبی پاک ﷺ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے: "**وما أرسلناک إلا رحمة للعالمين**"(سورۂ انبیاء/۱۰۷)۔

ایک انسان کا دوسرے انسان کی جانب سے عزت واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حفاظت وحمایت کی جائے،اس لئے کہ اسلامی شریعت نے اس کی جان ومال کو معصوم قرار دیا ہے، اسلام نے غیر مسلموں کو بھی اسلامی نظام حکومت میں مکمل تحفظ فراہم کیا ہے، اسلامی مملکت میں غیر مسلم پوری طرح مامون رہے اس کے لئے بھی وہی قانون ہوگا جو ایک مسلمان کے لئے ہوگا، اور اس کو بھی وہی سزا ملے گی جس کا مستحق مسلمان ہوگا(اسلامک فقہ اکیڈمی۔اعلان مکہ مکرمہ)۔

٦- شریعت نے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کے دفاع کی بھرپور اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اسے واجب قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں بہت ہی واضح دلیل یہ حدیث ہے: "**من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد**" (صحیح مسلم: کتاب الإیمان)۔

دفاع میں جان جیسی عزیز چیز کو قربان کرنا اس کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔ اگر انفرادی طور پر کسی کے مال کو چھیننے یا لوٹنے کی کوشش کی جائے اور وہ مال دے کر اپنی جان بچا سکتا ہو تو اس صورت میں اگرچہ مال دے کر جان بچا لینے کی گنجائش ہے لیکن دفاع کی اجازت بھی ہے، اور اگر ایسا آدمی دفاع کرنے میں مر جائے تو وہ شہید ہوگا۔ لیکن اگر کسی شخص کی جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اس صورت میں اپنا دفاع حتی المقدور واجب ہے۔ البتہ مدافعت کے حدود شریعت میں متعین ہیں اور وہ یہ کہ "الاخف فالاخف" کے اصول پر عمل کیا جائے۔ اگر مدافعت زبانی گفتگو اور لوگوں کی مدد اور تعاون سے ہو جائے تو مدافع پر ضرب حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت ہاتھ کی پٹائی سے ممکن ہو تو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت کوڑے سے کی جا سکتی ہو تو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اور اگر مدافعت حملہ آور کے کسی عضو کو کاٹ کر کی جا سکتی ہو تو اس کا قتل حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت صرف قتل کرنے ہی سے ہو سکتی ہو تو مدافع کے لئے اس صورت میں قتل کرنا مباح ہوگا۔ اور اگر حملہ آور تلوار کے ذریعہ حملہ کرتا ہے تو مدافع کے لئے اول مرحلہ ہی میں قتل کر ڈالنا مباح ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ الغرض مدافع الاخف فالاخف کے اصول پر کارفرما رہے۔

اور اگر کسی گروہ کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دوسرا بڑا گروہ منظم حملہ کرے، جیسا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر دیکھا جاتا ہے تو اس صورت میں مبتلا بہ مسلمانوں پر اجتماعی

مدافعت واجب ہے، اور دیگر غیر مبتلا بہ مسلمانوں پر ان مظلوم مسلمانوں کا تعاون کرنا اخلاقی طور پر انتہائی ضروری ہے، اگرچہ فقہی عبارت میں اس کو وجوب کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

✧ ✧ ✧

امن وسلامتی اور اسلام

مولانا اشتیاق احمد اعظمی
دارالعلوم مئو

۱۔ دہشت گردی: مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں کی طرف سے کسی انسان پر ظلم وستم اور جارحانہ سرگرمیوں کو کہتے ہیں، جس سے انسانی جان و مال اور اس کے دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو، دہشت گردی کے ضمن میں تشدد، خوف و ہراس، ایذا رسانی، بلا سبب قتل اور انسانی جان کے ضائع کئے جانے کی دھمکیاں بھی شامل ہیں، اسی طرح دشمنی میں کسی کو خوفزدہ کرنا، ڈاکہ ورہزنی کی واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں اور لوٹ مار کی وہ تمام شکلیں دہشت گردی میں شمار کی جائیں گی جو مجرمین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر سرزد ہوں اور اس مقصد کے لئے لوگوں میں مجرمین کا رعب و دبدبہ طاری ہوجائے، جس سے جان و مال، امن وسلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو، اسی طرح معاشرہ اور سوسائٹیز میں ایسی فضا پیدا کرنا جس سے لوگوں میں بے چینی یا توڑ پھوڑ کر کے فتنہ وفساد، املاک و جائدادنجی یا قومی اسباب ووسائل، قومی سماجی نفع بخش اور مصنوعی وطبعی وسائل کی تباہی کا خطرہ ہو۔

یہ ہے دہشت گردی کی اسلامی نقطہ نظر سے تعریف جسے اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے سولہویں اجلاس میں جو شوال ۱۴۲۲ھ میں مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا، متفقہ طور پر پیش کیا گیا تھا، جسے ''بیان مکۃ المکرّمۃ'' کے زیر عنوان شائع کیا گیا، تعریف کا عربی متن یوں ہے:

”الإرهاب هو العدوان الذى يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغيا على الانسان، دينه و دمه و عقله و ماله و عرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و ما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذاً لمشروع إجرامي، فردى أو جماعى، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاك العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد فى الأرض التى نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها فى قوله: ”ولا تبغ الفساد فى الأرض إن الله لا يحب المفسدين“(القصص: ۷۷)(صحیفہ ”العالم الاسلامی“ الصادرة من الرابطة بمكة المكرّمة)(رقم العدد:۱۷۳۹)۔

۲۔ حکومتوں کا اپنے ملک میں بسنے والوں اور وہاں کے مختلف طبقات کے درمیان عدل و مساوات کا سلوک نہ کرنا، بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی، ثقافتی ناانصافی کو روا رکھنا اور ان کے جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی کرنا کھلی ہوئی سرکاری دہشت گردی اور حکومتی غنڈہ گردی ہے۔

۳۔ کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی کی متعدد صورتیں ہیں۔ حکومت کبھی ناانصافی کی یہ صورت اپناتی ہے کہ وہ کسی خاص طبقہ کے جائز حقوق ادا کرنے میں تساہلی برتتی ہو، مثلاً صفائی ستھرائی اور مواصلات، روشنی و پانی جیسی بنیادی سہولیات سے محروم رکھے۔ یا ملازمتوں میں آبادی کے تناسب سے ملازمت کے مواقع نہ فراہم کرے، تمام تر صلاحیتوں اور لیاقتوں کے باوجود، ایسا

محض مذہبی یا گروہی تعصب کی بنا پر کیا جاتا ہے، ایسی ناانصافیوں پر احتجاج کرنا مباح ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی قسم کی ناانصافی اور تفویض مناصب کی نامناسب ترجیحات کے بارے میں صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"**إنكم ستلقون بعدى أثرة فاصبروا حتى تلقونى على الحوض**"(صحیح مسلم ۲/۱۲۷)۔

احتجاجی ردعمل کے جواز کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماعی مصالح کا تقاضہ یہ ہے کہ سیاسی حکمت عملی اپناتے ہوئے اپنے جائز حقوق کی حصولیابی کے لئے کوشاں رہیں۔ اور اس جمہوری ملک میں جو اس کی جائز صورتیں مروج ہیں ان پر عمل پیرا ہوں۔

ناانصافی کی دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ کسی گروہ یا جماعت کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے۔ اور اس کی بدترین شکلیں نسل کش فسادات کا برپا ہونا ہے، ایسی صورت میں سارے مبتلا بہم افراد پر اپنا دفاع کرنا تو واجب ہے اور ان مبتلا بہم اور مظلومین کا دفاع دوسرے لوگوں کے لئے جواز کی حدود میں آتا ہے۔

مظلومین کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہرگز دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا۔

"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**"(سورۂ بقرہ: ۱۹۴)۔

اسلام نے مظلوم وغیر مظلوم دونوں کو ہی ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے اور باز رکھنے پر ابھارا ہے، فرمان نبوی ہے:

"**انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً، قالوا: يا رسول الله، هذا ننصره مظلوماً فكيف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق يديه**"(صحیح البخاری مع فتح الباری ۵/۱۲۴)۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہوجس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو ایسی صورت میں مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بےقصور ہیں اور اس ظلم میں خود شامل نہیں ہیں۔فرمان باری عزوجل ہے:"**ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا ، إعدلوا ھو أقرب للتقوی**"(سورۂ مائدہ:۸)۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:"**ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل إنہ کان منصورًا**"(سورۂ اسراء/۳۳)۔

ایک غزوہ میں ایک جگہ بھیڑ لگی ہوئی تھی،حضور ﷺ نے فرمایا: وہاں لوگ کیوں اکٹھا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ وہاں ایک مقتول عورت کی لاش پڑی ہوئی ہے اسی پر بھیڑ ہورہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **ما کانت ھذہ لتقاتل** (یہ تو قتال میں شریک نہ تھی) پھر اسے کیوں قتل کیا گیا،اور اس غزوہ میں مقدمہ کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے تو انہیں کہلا بھیجا:"**وعلی المقدمۃ خالد بن الولید فبعث رجلاً فقال: قل لخالد: لا تقتل امرأۃ ولا عسیفًا**"(مشکاۃ المصابیح ۲/۳۴۳)**وفی روایۃ:" لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃ**"(بحوالہ بالا)۔

اسلام بحالت جنگ بھی کمزوروں، بے بسوں اور لاچاروں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔

اسی جیسے ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی میں فتوی کچھ یوں تحریر فرمایا ہے:

"مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے،مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں"(کفایت المفتی ۹/۳۳۹)۔

۵- انسانی مسائل و مشکلات کے حل میں عدل و انصاف سے تجاہل اور بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا استعمال، زور زبردستی کا طریقہ، بہت ساری چپقلشوں اور جنگ و جدل کا سبب ہے، دین اسلام جہاں پوری قوت وشدت کے ساتھ ظلم وزیادتی کو منع کرتا ہے، تشدد اور دہشت گردی کو حرام قرار دیتا ہے، وہیں عدل و انصاف ،عفو ودرگذر باہمی گفت وشنید، عام انسانوں کے درمیان تعلقات اور آپسی رواداری پر بھی زور دیتا ہے (بیان مکہ رمجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ)۔

اسلام کا نظام عدل ومساوات اور غیروں پر اعتداء اوراسی طرح سے احترام انسانیت کا اصول، اور عدم التعاون علی الاثم والعدوان ، اور بہت سے دیگر ایسے اصول وضوابط اسلام میں موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

"ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوی" کے اندر اللہ تعالی نے دشمن کے ساتھ بھی عدل وانصاف کو تھامے رہنے کا حکم دیا ہے۔ دوسری جگہ کھیتی کی بربادی اور نسل کشی چاہے کسی قوم وملت اور فرقہ کی ہوا سے مذموم قرار دیا ہے، فرمان باری ہے: **"وإذا تولی سعی فی الأرض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد"** (سورۂ بقرہ:۲۰۶)۔

ایسے ہی اللہ تعالی نے سرکشی اور عدوان، ظلم وزیادتی سے منع فرمایا ہے: **"ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین"** (بقرہ:۱۹۰) احترام انسانیت کا اصول یوں بیان فرمایا: **"ولقد کرمنا بنی آدم و حملناهم فی البر والبحر"** (اسراء ر۷۰)، نیز اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو سارے جہاں والوں کے لئے باعث رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے: **"وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین"** (سورۂ انبیاء ر۱۰۷)۔

ایک انسان کا دوسرے انسان کی طرف سے عزت واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حفاظت وحمایت کی جائے، اسی وجہ سے اسلامی شریعت نے ان کی جان و مال کو معصوم قرار دیا ہے، اسلامی نظامت حکومت میں ایک غیر مسلم کی جان و مال کی حفاظت وصیانت کے لئے وہی قوانین نافذ ہوتے ہیں جو ایک مسلمان کے لئے اور سزا بھی اس کو وہی دیجائے گی جو مسلمان مجرم کو بھی دی جاسکتی ہے (بیان مکۃ المکرّمۃ، مجمع الفقہ الاسلامی)۔

٦- شریعت نے جان و مال اور عزت وآبرو پر حملہ کے دفاع کی بھرپور اجازت دی ہے۔

دفاع عن النفس: جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ، شافعیہ اور مالکیہ) کے نزدیک واجب ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "**فیجب علی المعتدی علیه أن یدافع عن نفسه في رأي أبي حنیفة والمالکیة والشافعیة**"، شافعیہ وجوب دفاع کے اس صورت میں قائل ہیں جبکہ حملہ آور کافر یا جانور ہو، اور حملہ آور کے مسلمان ہونے کی صورت میں استسلام کے جواز بلکہ مسنون ہونے کے قائل ہیں بدلیل روایت ابوداؤد "کن خیر ابني آدم"، یعنی قابیل وہابیل (الفقہ الإسلامی ۵/۵۵۷)۔

قائلین وجوب کے دلائل یہ ہیں:

١- "**قوله تعالی: ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة**" (بقرہ/١٩٥)۔

٢- "**فقاتلوا التی تبغی حتی تفيء إلی أمر الله**" (حجرات/٩)۔

٣- **فمن اعتدی علکیم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم**" (بقرہ/١٩٤)۔

٤- "**وجزاء سیئة سیئة مثلها**" (شوری/٤٠)۔

اور ان کی دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان کو بحالت اضطرار حرام چیز کھا کر بھی جان کی حفاظت کرنی واجب ہے تو قتل کی صورت میں بھی اپنے جان کی مدافعت واجب ہوگی۔

علامہ جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں:"**وأن الواجب علی من قصدہ بالقتل أن علیہ قتلہ إذا أمکنہ وأنہ لا یسعہ ترک قتلہ مع الامکان**"(۲/۲۷۸)۔

دفاع عن المال: جمہور فقہاء کے نزدیک دفاع عن المال جواز کے درجہ میں ہے،خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ جبکہ ناحق لیا جارہا ہو اور مدافع عن المال پر کوئی قصاص عائد نہیں ہوگا جبکہ اس نے مدافعت میں اسہل بالاسہل کے اصول کو برتا ہوگا۔جمہور کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے:"**قال: جاء رجل فقال: یارسول اللہ! أرأیت إن جاء رجل یرید أخذ مالی؟ قال: فلا تعطہ مالک(وفی لفظ: قاتل دون مالک) قال: أرأیت إن قاتلنی؟ قال: قاتلہ ، قال: أرأیت إن قتلنی؟ قال: فأنت شہید، قال: أرأیت إن قتلتہ؟ قال: ھو فی النار**"(رواہ مسلم واحمد(نصب الرایہ ۴/۳۴۸)بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۷۶۲)۔

حکم الدفاع عن العرض:اگرکسی فاسق کی جانب سے کسی عورت کی عزت وآبرو پر حملہ ہوتو باتفاق فقہاء عورت کو اپنا دفاع بہرصورت کرنا واجب ہے، کیونکہ غیرمرد کو اپنے اوپر قدرت دینا عورت پر حرام ہے،اور ممکنہ دفاع کے ترک میں معتدی کو اپنے اوپر قدرت دینا لازم آتا ہے، اسی وجہ سے عورت کے لئے بجز معتدی کے قتل کے اور کوئی صورت نہ رہ جانے کے موقع پر اس کو قتل کردینا واجب ہے،اگر وہ اسے قتل کردیتی ہے تو مقتول کا خون ہدر جائے گا۔

اسی طرح اگرکوئی مرد کسی عورت کی عزت وآبرو لٹتی ہوئی دیکھ رہا ہوتو دیکھنے والے پر عورت کی طرف سے مدافعت کرنا حتی الوسع واجب ہوگا،گرچہ قتل ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو اور اسے اپنی جان کا خطرہ نہ ہو،اس لئے کہ أعراض یعنی عزت وآبرو،حرمات اللہ فی الارض ہیں،اس کی اباحت کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہوسکتی(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۷۵۹)۔

حق مدافعت کے حدود:

مدافعت کے حدود شریعت میں متعین ہیں اور وہ ہے: الأخف فالأخف یا الاسہل فالاسہل کا اصول، چنانچہ اگر مدافعت صرف زبانی گفتگو اور دیگر لوگوں کی مدد اور تعاون سے کی جاسکتی ہوتو ایسی صورت میں مدافع پر ضرب و پٹائی کرنا حرام ہوگا، اور اگر مدافعت ہاتھ کی پٹائی سے ممکن ہوتو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا، اور اگر مدافعت کوڑے کے استعمال سے پورے طور پر حاصل ہوسکتی ہوتو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا، اور اگر مدافعت، حملہ آور کے کسی عضو کو کاٹ کر ممکن ہوتو اس کا قتل کیا جانا حرام ہوگا، اور مدافعت اگر صرف اور صرف قتل کرنے سے ہی ہوسکتی ہوتو مدافع کے لئے ایسی صورت میں حملہ آور کا قتل مباح ہوگا، لیکن اگر حملہ آور تلوار وغیرہ کے ذریعہ ہلا بول دے تو مدافع کو اول وہلہ ہی میں قتل کرڈالنا مباح ہوگا، کیونکہ اب قتل کے سوا کوئی دوسری اخف اور اسہل صورت باقی ہی نہ بچی تھی۔

اور اگر کسی گروہ کی جان و مال اور عزت وآبرو پر دوسرا بڑا گروہ منظّم حملہ آور ہو جیسا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے موقعہ پر ہوا کرتا ہے تو ایسی صورت میں مبتلا بہ مسلمانوں پر اجتماعی مدافعت واجب ہوگی، اور دیگر غیر مبتلا بہ مسلمانوں پر ان مظلومین کا حتی الامکان تعاون کرنا اباحت کے درجہ میں ہوگا۔ ''**ولو عرض اللصوص لقافلة جاز لغير أهل القافلة الدفع عنهم**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۱/۵۷۷) (چور اگر کسی قافلہ سے مقابلہ میں آجائے تو ایسے لوگوں کے لئے جو قافلہ میں شامل نہ ہوں قافلہ والوں کی طرف سے دفاع کرنا جائز ہے)۔

اسلام اور امن عالم

مولانا خورشید احمد اعظمی
مئو ناتھ بھنجن

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت:

لغت میں دہشت کا معنی خوف و ہراس اور دہشت گردی کا معنی خوف ہراس پھیلانا ہے، عربی میں اس کے لئے "إرهاب" اور "إرهابية" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس کا معنی ہے: "رعب تحدثه أعمال عنف كالقتل وإلقاء المتفجرات أو التخريب"، اور إرهابی کا معنی ہے: "من يلجأ إلى الإرهاب بالقتل أو إلقاء المتفجرات أو التخريب لإقامة سلطة أو تقويض أخرى" (الرائد لجبران مسعود ۱/ ۸۸)۔

یعنی وہ خوف و ہراس جو تہدید و تشدد آمیز طریقہ کار، دھماکہ خیز اشیاء کے استعمال اور تخریب کاری کے سبب پیدا ہو۔

اور دہشت پسند اسے کہیں گے جو سیاسی مفادات کے حصول کے لئے اور قیام سلطنت کے لئے اور دوسرے کو زیر کرنے کے لئے مذکورہ طریقہ اپنائے۔

موجودہ دور کی طاقتور حکومتیں اس کا اطلاق ان تمام افکار و نظریات اور حرکات وجھود پر کرتی ہیں جو ان کی مصلحتوں کے منافی ہو یا اس کی مزعومہ مصلحتوں سے متصادم ہو، اس سے قطع نظر کہ دوسروں کے حقوق و مطالبات بھی کوئی شے ہیں۔

مگر اسلام جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت و رحمت ہے، اور اس کا قائل ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے، **أن يعطى كل ذى حق حقه**، اور وہ اپنی تعلیمات کو قبول کرنے میں کسی طرح کے جبر و اکراہ کا قائل نہیں، جس کی تعلیم یہ ہے کہ "**الدين النصيحة**" دین خیر خواہی کا نام ہے، اور اس نے ہر شخص کو جان، مال، عزت، اور دین کی حفاظت اور اس کی طرف سے دفاع کا حق دیا ہے، اس لئے مذکورہ دہشت گردی کی تعریف اس کے نزدیک درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہر شخص اور جماعت کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں خواہ جائز ہوں یا ناجائز۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ:

کسی حکومت، جماعت یا فرد کی جانب سے وہ ناحق جارحانہ سرگرمیاں جن سے کسی انسانی جان و مال، عزت اور دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو۔

۲- حکومتیں جو اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھتی ہیں، اور کبھی ان کے جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو تو اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر علی الاطلاق دہشت گردی کا اطلاق درست نہیں معلوم ہوتا۔

اسے حکومت کی لاپرواہی، ادائیگی حقوق میں کوتاہی، حق تلفی اور ظلم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، البتہ ان مذکورہ ساری حرکتوں میں تشدد، جانی و مالی ضیاع کی دھمکی، خوف و ہراس بھی شامل ہو تو اس پر دہشت گردی کا اطلاق کیا جائے گا۔

۳- کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار "**جزاء سيئة سيئة مثلها**" (شوریٰ:۴۰) اور "**وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به**

ولئن صبرتم لهو خير للصابرين"(نحل:۱۲۶)، نیز قاعدہ فقہیہ "**الضرر یزال**" کے تحت جائز ہوگا واجب نہیں، اور اپنے حق کے حصول کے لئے شریعت اسلامیہ کے دائرہ میں سنجیدہ طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، اور اس حد کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ مظلوم ظالم نہ بن جائے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ (۷) میں ہے:

"قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حقدار ہیں، اس اعلان کے خلاف تفریق کی جائے یا جس کو تفریق کے لئے ترغیب دی جائے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں"۔

اور دفعہ (۸) میں ہے:

"ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں بااختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقہ پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے (از ترجمہ جاری کردہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز)۔ اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا: "**ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل إنه کان منصوراً**" (بنی اسرائیل:۳۳)۔

نیز ابوبصیر اور ابوجندلؓ کے واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں ہوگا، "**قال الحافظ: وفی قصة أبی بصیر من الفوائد، جواز قتل المشرک المعتدی غیلة، ولا یعد ما وقع من أبی بصیر غدراً الخ**"، یعنی ظالم مشرک کا قتل جائز ہے، اور ابوبصیرؓ نے جو کچھ کیا وہ غدر یا عہد شکنی میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے نفس اور دین کی طرف سے دفاع کیا، اور ایسی صورت میں قصاص یا دیت نہیں ہوگی (فتح الباری ۵/۳۵۱ کتاب الشروط)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی**

عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين"(بقرہ:۱۹۴)۔(اور جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کا بدلہ لو اسی کے مثل لو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے)۔

اس کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں: "**عموم متفق عليه إما بالمباشرة إن أمكن وإما بالحكام......**"(تفسیر قرطبی ۳۵۶/۲)۔

یعنی یہ حکم عام ہے اور متفق علیہ ہے، یا تو مظلوم خود بدلہ لے اگر ممکن ہو، یا پھر حکام کے ذریعہ۔ آگے کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے بدلہ لینے کو اگرچہ اعتداء (عدوان) سے تعبیر کیا ہے مگر یہ عدوان مباح ہے۔

۴- کسی طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو، جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے جو واقعۃً بے قصور ہیں اور اس ظلم میں شامل نہیں ہیں بدلہ لینا جائز نہیں۔

"**وقاتلوا فی سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين**"(البقرہ:۱۹۰)(جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے اللہ کے راستہ میں لڑو، اور حد سے تجاوز مت کرو، اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے جیش اسامہ یا یزید بن ابوسفیان کو روانگی کے وقت جو نصیحت فرمائی تھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے:

"**لا تخونوا ولا تغدروا ولا تمثلوا، ولا تقتلوا طفلاً ولا شيخاً كبيراً ولا امرأة ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوه، ولا تقطعوا شجرة مثمرة ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعيراً إلا للأكل ، وسوف تمرون بأقوام قد فرغوا أنفسهم فی**

الصوامع فدعوهم وما فرغوا أنفسهم له"(دیکھو! خیانت مت کرنا، عہد شکنی مت کرنا، اور مثلہ (مقتولین کے ناک کان وغیرہ کاٹنا) مت کرنا، اور نہ ہی کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل کرنا، اور نہ باغات کو تباہ کرنا یا آگ لگانا، اور نہ کسی پھلدار درخت کو کاٹنا، اور بکری، گائے یا اونٹ کو بلا مقصد ذبح مت کرنا مگر کھانے کے لئے، اور تمہارا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہو جنہوں نے اپنے آپ کو عبادتگاہوں تک محدود کرلیا ہے ان سے چھیڑ چھاڑ مت کرنا)۔

البتہ اگر اس طبقہ کے دوسرے افراد اس ظلم میں معاون ہوں تو وہ بھی ظالم کی صف میں شمار ہوں گے۔

۵- دہشت گردی کے اسباب کا تدارک:

دہشت گردی کے خاتمہ اور اس کے اسباب کو زائل کرنے کے لئے مثبت اور منفی دونوں طریقے استعمال کئے جاسکتے ہیں، مثبت طریقے میں درج ذیل باتیں آئیں گی:

۱- ایمان باللہ والیوم الآخر:

اس بات پر اعتقاد رکھنا کہ کوئی بھی انسان کھلے طور پر بالکلیہ آزاد نہیں ہے، بلکہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے، اور ایک دن اسے اپنی ساری حرکات کا حساب دینا ہے:

"**من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً أو ليسكت**"۔

۲- انسانی جان و مال کا احترام:

اس بات کا شعور و احساس کہ تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد، اور لائق عزت و احترام

ہیں،"إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوباً و قبائل لتعارفوا"، نیز"ولقد كرمنا بنى أدم"، اور یہ کہ کسی بھی انسانی جان کا قتل پوری نوع انسانی کا قتل ہے:"من قتل نفساً بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً"(المائدہ:۳۲)۔

اور منفی طریقہ میں حدود وتعزیرات آتی ہیں، جن کا جرائم کے انسداد میں ایک مؤثر کردار ہے، خاص طور سے اسلامی حدود وتعزیرات جو ظلم وزیادتی سے محفوظ ہیں۔

"ولكم فى القصاص حياة يا أولى الألباب لعلكم تتقون"(البقرہ:۱۷۹)، "إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فسادًا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلک لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الأخرة عذاب عظيم"(المائدہ:۳۳)۔

۲- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس گروہ یا فرد کو شرعی طور پر دفاع کا حق حاصل ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی شخص میرا مال (ناحق) لینا چاہے (تو میں کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنا مال مت لینے دو، اس نے پوچھا: اگر وہ شخص اس کی خاطر مجھ سے قتال کرے تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، اس نے پوچھا: اگر اس شخص نے مجھے قتل کر دیا تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہوگئے، اس نے پوچھا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"هو فى النار"(صحیح مسلم)۔

ایک دوسری حدیث میں جان، مال، آبرو اور دین کے دفاع میں قتل ہونے والے کو بھی شہید کہا گیا ہے۔

حق مدافعت کے حدود کے لئے یہ حدیث پیش نظر رکھی جائے گی جسے ابن مخارق نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ایک آدمی جبراً میرا مال لینا چاہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''**ذکرہ باللہ**'' ''اسے اللہ سے ڈراؤ، نصیحت کرو، سمجھاؤ، انہوں نے پوچھا کہ اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تب؟ آپ ﷺ فرمایا: اپنے اردگرد کے مسلمانوں سے مدد لو، انہوں نے پوچھا: اگر میرے قریب پاس میں کوئی مسلمان نہ ہو تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے خلاف حکومت سے مدد لو (عدالت سے چارہ جوئی کرو)، انہوں نے پوچھا: ''**فإن نأی السلطان عنی**''؟ حکمراں دور ہوں تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی حفاظت میں قتال کرو یہاں تک کہ تم مقتول ہو کر آخرت کے شہداء میں سے ہو جاؤ، یا اپنا مال بچا سکو (فتح الملہم ۱/ ۲۸۴ بحوالہ نسائی) ''**فإن نأی السلطان عنی**'' کا یہ مفہوم بھی دور حاضر میں سمجھ میں آتا ہے کہ عدالت یا تھانے اور کوتوالی میں تعاون، مدد اور انصاف نہ مل سکے۔

اور چونکہ مال کی حفاظت اور اس کی خاطر قتل ہونے میں اجر وثواب ہے، لہذا یہ مدافعت مستحب ہوگی۔

اسلام امن وسلامتی کا گہوارہ

مولانا قمر الزماں ندوی
پرتاپ گڑھ

اسلام ایک سراپا امن وسلامتی کا مذہب ہے، اس کی تعلیمات، اس کا فلسفۂ زندگی اور اس کے اصول وضوابط سب کے سب ظلم و بربریت، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف ہیں، اسلامی تاریخ وتہذیب اور تعلیم کی روشنی میں اسلام ہی درحقیقت امن کا حامل، علمبردار اور آئینہ دار ہے، مذہب اسلام امن وسلامتی کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے، اور اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے جان و مال پر حملہ کرے، اسلام نے بیجا و بے قصور کسی انسانی جان کے ضیاع وقتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے، جبکہ کسی جان کی تحفظ وحمایت اور زندگی کے بچاؤ کو پوری انسانیت کی حمایت اور بچاؤ قرار دیا ہے، اسلام نے ظلم وستم، قتل و غارت گری اور وحشت وحیوانیت پر نہ صرف نکیر کی بلکہ اسے قابل نفرت اور گردن زدنی جرم قرار دیا۔

قرآن پاک جس عظیم ترین ہستی پر نازل ہوا خود اس کا فرمان ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یعنی غیر مسلم شہری کو دکھ پہنچائے تو خود میں (نبی ﷺ) قیامت کے دن اس مسلمان کے خلاف اس غیر مسلم کی طرف سے کھڑا ہوں گا۔ کیا پیغمبر اسلام کے اس واضح فرمان کے بعد بھی اس پروپگنڈہ پر یقین کرنے کی گنجائش رہتی ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے، اسلام اور تشدد دونوں

ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں اسلام ہوگا تشدد وہاں کھڑا ہی نہیں ہوسکتا، اسلام تشدد کے مقابلہ کے لئے سب سے طاقتور ہتھیار ہے، حضور اکرم ﷺ ہر روز جب تہجد کے وقت بیدار ہوتے تو فرماتے:

''اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں''، لہذا دنیا کے جس خطہ میں اور جہاں جہاں مسلم اور غیر مسلم ملی جلی آبادی میں رہتے ہیں وہ عملی وسماجی زندگی میں اسی شہادت رسول کی روشنی میں ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق ہیں، وہ شریعت اسلامیہ کی رو سے امن وسلامتی اور اعتماد وبھروسہ کے معاہدہ میں بندھے ہوئے ہیں۔

دراصل اسلام بنیادی طور پر امن وسلامتی کی دعوت دیتا ہے، جنگ پر صلح کو فوقیت دیتا ہے۔

دہشت گردی کی تعریف:

دہشت گردی کی کوئی مسلمہ اور متفقہ تعریف اب تک متعین نہیں کی جاسکی ہے، اور نہ ہی اس کے حدود متعین کئے جاسکے ہیں، چونکہ دہشت گردی کی اصطلاح کشادہ اور وسیع المفہوم ہے، اس لئے اس کی بہت سی تاویلیں اور متعدد تعبیریں کی جاسکتی ہیں۔ ثقافتوں اور نسلوں، مصالح واغراض، قوموں اور مذاہب اور عقلوں اور فکروں کے اختلاف سے دہشت گردی کے بہت سے معنی ومفہوم متعین کئے جاسکتے ہیں، تاہم عالمی سطح پر یہ اصطلاح استعمال کی جارہی ہے کہ حکومتیں اپنے سیاسی مخالفین کے تشدد اور غم وغصہ کے اظہار کو دہشت گردی قرار دیتی ہے، اور اس کے مخالفین حکومت کی سختی یا فوجی کارروائیوں کو سرکاری دہشت گردی کا نام دیتے ہیں، گویا حکمراں طبقہ عملی طور پر اس بات پر متفق ہے کہ منتخب یا مسلمہ حکومت کے خلاف کوئی بھی تشدد، احتجاج اور مظاہرہ دہشت گردی ہے۔

بہرصورت دہشت گردی کے معنی ومفہوم کی معقول اور سبھوں کے لئے قابل قبول تعیین اور حد بندی کے حوالہ سے خاصی پیچیدگی اور دشواری پائی جاتی ہے، تاہم مولانا عبد الحمید نعمانی دہشت گردی کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''دہشت گردی صحیح معانی میں بے قصور اور معصوم افراد کو غیر استحقاقی طور پر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایسی جارحانہ کارروائی اور ظلم وستم کا نشانہ بنانے کا نام ہے جس سے وہ ہراساں وخوف زدہ ہو جائیں، ایسا فرد، قوم اور تنظیم کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور ادارہ اور ملک کی طرف سے بھی، یعنی کسی فرد، جماعت، قوم یا ملک، ادارہ کا وہ عمل دہشت گردی ہے جس کا مقصد عام افراد کو عمومی طور پر اور اپنے مخالف قوت کو خصوصی طور پر دہشت میں ڈال کر اپنی غرض ومطلب کا حصول ہو (بحوالہ ماہنامہ دین مبین بھوپال)۔

۲-حکومت کے ظالمانہ سلوک پر دہشت گردی کا اطلاق:

وہ حکومت جو اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک نہ کرے، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھے اور اس طبقے کی جان ومال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں اور کوششیں کی جائیں کہ وہ طبقہ مالی وجانی نقصان سے دوچار ہو تو ایسی حکومت اور ان کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

کیونکہ بے قصور ومعصوم افراد کو ستانا، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک نہ کرنا، سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھنا اور دانستہ جان ومال کے تحفظ میں کوتاہی خواہ کسی فرد کی جانب سے ہو یا حکومت کی طرف سے، یہ سب دہشت گردی کے ہی زمرے میں آتے ہیں۔

۳-حکومت کے غیر منصفانہ سلوک کے خلاف احتجاج:

اگر حکومت وقت کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھتی ہے تو اس پر احتجاج اور رد عمل کا اظہار جائز ہی نہیں بلکہ جمہوری اور انسانی حدود میں رہ کر واجب ہے، دستور و قانون کے تحت تسلیم کئے گئے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا جائز ہے، جمہوری حکومت میں اپنے جائز حقوق کے منوانے کے لئے جو طریقے مؤثر ہوتے ہیں ان سب کا استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ طریقے شرعی اعتبار سے دائرہ جواز میں آتے ہوں، اور جو طریقے سراسر غیر اسلامی ہوں ان کا اختیار کرنا جائز نہیں۔ یہ واضح رہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔

۴-بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا:

اگر کسی ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے تمام افراد شریک نہ ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شریک نہ ہوں، کیونکہ اسلامی شریعت میں چاہے فرد کا معاملہ ہو یا جماعت کا محض مذہبی اور مسلکی وابستگی کی بنیاد پر غیر متعلق افراد کو دوسرے عمل کے لئے ذمہ دار قرار دینا جائز نہیں ہے، ایک کے عمل کے لئے دوسرے کو ذمہ دار قرار دینا قطعاً ناانصافی اور زیادتی ہے۔

البتہ ظلم و بربریت کے خلاف اور مظلوموں کی حمایت کے لئے ممکنہ جائز طریقہ اپنایا جا سکتا ہے، اس لئے اسلام نے جنگ کے دوران بھی بچوں، عورتوں، بوڑھوں، عبادت میں مصروف اور جنگ کے لئے غیر اہل افراد سے تعرض کرنے سے سختی سے روکا ہے، قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جنگ سے غیر متعلق رہنے والے افراد کو دوران جنگ

کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے: ''قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم'' (بقرہ/۱۹۰)۔ پیغمبر رحمت ﷺ نے صراحۃً غیر متعلق افراد کو قتل کرنے سے منع کیا: ''لا تقتلوا شیخاً فانیاً وطفلاً صغیراً وامرأۃ'' (ابوداؤد: کتاب الجہاد) (یعنی کمزور بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو)۔

فقہائے اسلام تو کمزوروں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو جنگ کے دوران قتل کی نیت تک کو ناجائز کہتے ہیں، عبادت گذار اور الگ تھلگ رہنے والے راہب وغیرہ کو بھی قتل سے منع کیا ہے، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے امام محمدؒ نے ''السیر الکبیر'' میں نقل کی ہے۔

ساتھ ہی اسلام نے عام تباہ کاری کی سخت مذمت کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے، آج کی مہذب دنیا میں بھی برسر جنگ دشمنوں کی ہر چیز اور غیر متعلق افراد کو بھی تباہ کاری کا نشانہ بنایا جاتا ہے، لیکن اسلام اسے بدامنی اور فساد قرار دیتا ہے۔

اسلام تو اس حد تک امن پسند اور صلح پسند ہے کہ جنگ سے بھاگتے ہوئے لڑاکے کا تعاقب کرنے سے روکتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اس کی خاص ہدایت فرمائی تھی، تفصیلات کے لئے بدایۃ المجتہد، نیل الاوطار جلد ۸، زاد المعاد جلد ۳، فتح القدیر، فتح الباری جلد ۷ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۶-دہشت گردی کے تدارک کے لئے اسلامی ہدایات:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہشت گردی کے کچھ نہ کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے ہم اس کو نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں:
۱-اسلامی نظریہ کی رو سے ایک انسان بحیثیت انسان شرف وتکریم کے مقام پر کھڑا

ہے، اس شرف وفضل میں مومن وکافر سب برابر ہیں، اس لئے کسی انسان کو جو اصلاً معزز ہے، ظلم وزیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

۲- کسی بھی طبقے کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک اور اس کی تذلیل وتحقیر نہ کی جائے، نیز کسی گروہ کے ساتھ معاشی اور سیاسی ناانصافی کو روانہ رکھا جائے۔

۳- مظلوم چاہے جس مذہب کا ہو اس کے ساتھ امتیازی سلوک برتنا تقاضائے انسانیت اور انصاف کے خلاف ہے، لہذا فرد ہو یا حکومت ہر ایک کے لئے عدل وانصاف اور مساوات ضروری ہے۔

۴- اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنے والے غیر مسلم باشندوں کی مذہبی، معاشی، تعلیمی آزادی کے ساتھ جان ومال کے تحفظ کی یقینی ضمانت اسلام فراہم کرتا ہے۔

۵- مذہب اسلام نے انسانی زندگی کی حرمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔

۶- اگر کسی مسلمان ملک میں غیر مسلم اقلیت آباد ہو تو اسلام میں اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۷- اسی طرح نجی زندگی سے متعلق معاملات میں انہیں اپنے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔

۸- مذہب اسلام نہ صرف ظلم وتعدی سے روکتا ہے بلکہ ظلم کے جواب میں بھی دوسرے فریق کے بارے میں حد انصاف سے متجاوز ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

۹- مذہب اسلام انتقام کے لئے بھی مہذب اور عادلانہ اصول وقواعد کو مقرر کرتا ہے، جو افراط وتفریط سے پاک ہے۔

۱۰-مذہب اسلام غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت دیتا ہے اور پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔

۶-جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت اور حدود:

اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال اور عزت وآبرو پر حملہ ہو خواہ یہ حملہ حکومت وقت کی طرف سے ہو یا دہشت گرد اور فرقہ پرست تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے، اس کے دفاع اور سد باب کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور اس کے انسداد کے لئے حتی المقدور کوشش کرنا امت مسلمہ کے فرض منصبی میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سب معاملات میں تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے، مگر کسی ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کے مٹانے اور اسلام کے سوا دوسرا نظام مسلط کرنے کے لئے کیا جائے، اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا کہ جو کوئی تمہاری انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم وستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تمہیں اپنے دین و ایمان کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے، تمہاری اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے تو اس وقت اس کے مقابلے میں اور ان کے سد باب میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ بلکہ اپنی پوری طاقت اس کے اس ظلم کو دفع کرنے میں صرف کردو۔

"وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقتٰلونکم ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین الخ"(بقرہ/۱۹۰)۔ اور **"أذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا و إن الله علی نصرهم لقدیر الذین أخرجوا من دیارهم بغیر حق إلا ان یقولوا ربنا لله......"** (حج/۳۹-۴۰)۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی ان دونوں آیات کی روشنی میں حسب ذیل احکام کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱-جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو ان کے لئے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔

۲-جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں، ان کے حقوق سلب کریں اور انہیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہئے۔

۳-جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اور انہیں محض اس لئے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا چاہئے۔

۴-دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دے، یا مسلمانوں کے اقتدار کو پامال کر دے اور مٹا دے اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور جب کبھی طاقت ہو تو انہیں ان تمام مقامات سے دشمنوں کو نکال دینا چاہئے، جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ہے (الجہاد فی الاسلام رص ۶۳)۔

البتہ غیر اسلامی ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کے پاس دفاع کی طاقت نہیں ہے، وہاں اس ظلم و زیادتی کے سد باب کے لئے حتی المقدور جمہوری طریقہ کو اپنایا جائے۔

جمہوری ممالک میں اپنے جائز حقوق کو منوانے کے لئے جو طریقے مؤثر ہو سکتے ہیں ان سب کا استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ طریقے شرعی اعتبار سے دائرہ جواز میں آتے ہوں۔

امن عالم اور اسلامی نقطہ نظر

مولانا سلطان احمد اصلاحی
علی گڑھ

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی یہ ہے کہ کسی وجہ اور سبب کے بغیر کوئی شخص کسی دوسرے فرد یا جماعت کے خون کو اپنے لئے مباح کر لے، لیکن اس کے سلسلے میں اس غلط فہمی کا رفع ہونا بہت ضروری ہے کہ بنیاد پرستی(Fundamentalism) کی طرح یہ اصطلاح بھی عالم اسلام دشمن میڈیا کی ایجاد ہے، جس کے نتیجے میں اسلام اور دہشت گردی کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے۔ درآنحالیکہ ہماری اوپر کی تعریف کے لحاظ سے دنیا کے کسی خطے میں اسلامی دہشت گردی کا کوئی وجودنہیں ہے۔ اسی طرح دہشت گردی کے مسئلہ میں انفرادی دہشت گردی کے ساتھ ریاست کی حمایت یافتہ دہشت گردی(State sponsered terrorism) کو بھی اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اہتمام کے ساتھ شامل کرنا چاہئے۔ اپنی بہت ساری خوبیوں کے باوجود عالمی سطح پر اس وقت اس کا سرغنہ امریکہ ہے۔ کبھی برطانیہ عظمی اس سلسلے میں اس کا پیش رو ہے۔ روس اور اس جیسے دوسرے ممالک بھی اسی جبر وتشدد میں اسی طرح ملوث ہیں۔ تازہ مثال ہماری جمہوریت میں گجرات کی ہے جہاں ریاست کی حمایت یافتہ دہشت گردی نے اس میدان کے بڑے بڑے سورماؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

۲- بلاشبہ حکومتوں کے اس طرح کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر دہشت گردی کا اطلاق

ہوگا۔ فرد کی دہشت گردی کے مقابلہ میں ریاست کی یہ دہشت گردی زیادہ خطرناک ہے، اور اقوام عالم کو اس کا ازالہ اور سدباب کی طرف پہلے نوع کی دہشت پسندی سے زیادہ توجہ دینی چاہئے۔

۳- ظلم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج اور ردعمل ہی نہیں بلکہ اس کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہر مسلمان کے اوپر واجب ہے۔ اللہ کی کتاب میں ظلم کرنے کے ساتھ ظلم سہنے کو بھی اسی طرح ناجائز کہا گیا ہے: "**لا تظلمون ولاتظلمون**" (بقرہ:۲۷۹)، دوسرے موقع پر مسلمان جماعت کا امتیاز ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جب کہیں اور جہاں کہیں ان کے خلاف ظلم وزیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے تو وہ مل کر مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں: "**والذين إذا أصابهم البغى هم ينتصرون**" (شوری:۳۹)۔ خیال رہے کہ یہ سورۂ شوری کی آیت کریمہ ہے جو مفسرین کے اتفاق سے مکی سورہ ہے، جس سے اس کے مضمرات میں مزید وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ: "جو شخص کسی شخص کو ظالم جانتے ہوئے اس کو طاقت پہنچاتا اور اس کا ساتھ دیتا ہے وہ اسلام سے اپنے رشتے کو منقطع کرلیتا ہے: "**من مشى مع ظالم وهو يعلم أنه ظالم ليقويه فقد خرج من الإسلام**" (بیہقی فی شعب الإیمان بحوالہ مشکوۃ، جلد ۲، کتاب الادب، باب الظلم، فصل ثالث، کتب خانہ رشیدیہ دہلی)۔ دوسری حدیث میں اس سے آگے کی بات کہی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت پرسکون طور پر ظالم کے ظلم کو سہتی رہتی ہے اور اس کے خلاف کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتی تو اللہ تعالی اس سے ناراض ہوجاتا ہے اور اس کی نصرت وحمایت سے ایسی جماعت ہمیشہ کے لئے محروم ہوجاتی ہے۔ "**إذا رأيت أمتى تهاب الظالم أن تقول له إنك ظالم فقد تودع منهم**" (عبدالرؤف المنادی: التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۱/ ۹۸ بحوالہ مسند احمد بن حنبل، والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، نیز طبرانی فی الاوسط بروایت جابر بن عبداللہؓ۔ جابر بن عبداللہ

کی روایت کی حاکم نے تصحیح کی ہے اور محدثین نے اس کو درست قرار دیا ہے۔ التیسیر حوالہ بالا۔ دار الطباعۃ العامرہ مصر ۱۲۸۲ھ)۔

اس کی روشنی میں مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرے میں نہیں آتا ہے۔

۴- ظالم گروہ کے بے قصور لوگ جو اس ظلم میں شامل نہ ہوں تو ان سے تو بدلہ لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ لوگ اس ظلم کو اسی طرح برابر دیکھتے رہیں، اس کے خلاف کسی ردعمل کا اظہار اور اس کے تدارک کی کوئی کوشش نہ کریں، بلکہ درپردہ اس کی حمایت کریں، اور ان کی لگاتار دانستہ خاموشی ظالموں کے لئے شہہ اور ان کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو، تو اپنے اس طرز عمل سے یہ لوگ بھی ظالموں کے زمرے میں شامل ہیں، اور ان کا حکم ظالم گروہ کے ان بے قصور افراد سے مختلف ہوگا جو ظلم کے خلاف سینہ سپر ہوں اور اپنے بس بھر ظلم کو روکنے کے لئے کوشاں ہوں۔ جیسا کہ گجرات میں مسلمانوں کی حالیہ نسل کشی کی مہم میں ان دونوں طرح کے مظاہر کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔

۵- آج کے حالات میں معاشی اور سیاسی ناانصافیوں کے سلسلے میں اسلام کی ہدایت یہی ہوسکتی ہے کہ مسلمان سخت جدوجہد کے ذریعہ اپنی معاشی بدحالی کو دور کرنے اور مالی اعتبار سے اپنے کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کو دینی فریضہ خیال کریں، اسی طرح دنیا کے جس ملک میں جمہوری غیر جمہوری جس طرح کی سیاست ہو وہاں وہ اس میں بھرپور اور سرگرم حصہ لے کر اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کریں۔ اس کے لئے خاص طور پر دینی تعلیم کے ساتھ سائنس وٹکنالوجی، میڈیکل اور انجینئرنگ، کامرس اور تجارت وغیرہ کی تعلیم پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسی طرح منصوبہ بند طریقے پر ڈاک اور ریلوے وغیرہ کی ملازمتوں کے ساتھ خاص طور پر آئی اے ایس، آئی پی ایس اور عدلیہ کی اعلیٰ ترین ملازمتوں میں مسلمانوں کو اپنی جگہ بنانی چاہئے، اس سلسلے میں

بالواسطہ اور بلا واسطہ مدارس عربیہ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، اور اپنے نظام کار میں مناسب اصلاحات اور ترمیمات کے ساتھ نظام ملکی میں اپنے فضلاء کو داخل کرنے کی سعی و جہد کرنی چاہئے۔ اسی طرح (Legislature) میں ان کی مؤثر حصہ داری منصوبہ بند سیاست کی طالب ہے، اس پر بھی مسلمان علماء و عمائدین کو بھرپور توجہ دینی چاہئے۔

٦ - کسی مسلمان کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس کے لئے اپنا دفاع کرنا واجب ہے، فرد کے ساتھ جماعت پر یہ بات بدرجہ اولی صادق آتی ہے، بسا اوقات کارگر دفاع اقدامی حملے کا تقاضا کرتا ہے، حالات کے تحت اس کی گنجائش بھی پیدا ہوتی ہے۔

امن وآشتی کا مذہب اسلام

مولانا محمد شمس الدین مظاہری
جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، آسام

اسلام جو رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری اور پسندیدہ دین ہے کسی طرح کی ظلم و جارحیت کا ہرگز قائل نہیں، لہذا وہ دہشت گردی کی بھی کسی طرح تائید نہیں کرتا جس میں بے گناہوں کے جان و مال کو نشانہ بنایا جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ دہشت گردی کی کیا تعریف ہے؟ اس کے کیا حدود ہیں؟ اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس دہشت گردی کی اصطلاح کشادہ اور وسیع المفہوم ہے جس کی بہت سی تاویلیں اور متعدد تعبیریں کی جاسکتی ہیں، ثقافتوں، نسلوں، مصالح و اغراض، قوموں اور مذاہب اور عقلوں وفکروں کے اختلاف سے دہشت گردی کے بہت سے معنی متعین کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ اب تک کوئی جامع اور متفق علیہ تعریف اس کی نہیں کی جاسکی ہے جو دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں کے لئے قابل قبول ہو، اسی لئے بہت سے ممالک برادریاں اور افراد اس اصطلاح سے کھیلتے رہے ہیں، اور اکثر جگہ افراد اور جماعتوں سے زیادہ اسٹیٹ نے حقیقی معنی میں دہشت گردی مچا رکھی ہے، کئی ملکوں میں بعض مذاہب کے ماننے والوں (خصوصاً جبکہ وہ اقلیت میں ہیں) کی تمام حرکات وسکنات کو دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے حتی کہ ان کا وجود ہی دہشت گردی کا مترادف بنادیا گیا ہے، لیکن ملک کی اکثریت چاہے جس قسم کا تشدد کرے اور تمام حدوں کو پار کر جائے انہیں کوئی دہشت گرد نہیں کہتا۔

چنانچہ ہمارے ملک میں انتہا پسند اور تشدد پیشہ غیر مسلم خود اس حکومت کے رویہ کے

مطابق جس کی قیادت بدنام زمانہ سنگھ پریوار کر رہا ہے پیدائشی طور پر بے گناہ ہیں، وہ تشدد اور دہشت گردی کے سارے ریکارڈ توڑ دیں، تاریخی مساجد ڈھادیں، بہت سی مسجدوں اور گرجا گھروں کو منہدم کردیں یا نقصان پہنچادیں، پیہم فرقہ وارانہ فساد برپا کریں اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلیں اور ان کی املاک تباہ کریں، تقریر وتحریر میں شعلہ اگلیں اور آگ برسائیں، مسلمانوں کے خلاف ملک میں ہمہ وقت نفرت کا بیج بوئیں، اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ کا کیمپ چلائیں، ترشول بانٹیں، بار بار اعلان کریں کہ لاکھوں ہندوؤں کو اندرون ملک دشمنوں سے لڑنے کے لئے فلاں پریشد اور فلاں دل فوج تیار کر رہا ہے، لیکن ان کا کوئی فرد نہ تشدد پسند کہلاتا ہے اور نہ دہشت گردی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے برعکس اگر مسلمان قانون کے دائرے میں رہ کر بھی دین پر عمل کریں اور اپنا حق مانگیں یا استعمال کریں تو انہیں گرفتار کرلیا جاتا ہے اور دہشت گردی کے جرم میں کبھی ''ٹاڈا'' اور کبھی ''پوٹو'' کے آرڈیننس کی تلوار کے ذریعہ تہ تیغ کیا جاتا ہے، اور ہمیشہ کے لئے ان پر شکنجہ کسنے کی خاطر سنجیدہ اور ٹھوس کوششیں خود حکومت کی طرف سے عمل میں لائی جاتی ہیں (ماہنامہ دارالعلوم: فروری ۲۰۰۲ء، ص ۴۹-۵۰)، بہر حال دہشت گردی کی حقیقت سے چشم پوشی کر کے بہت سے لوگوں نے خوب ناجائز فائدہ اٹھایا، اس لئے ہم اس کی صحیح اور اسلامی تعریف کر رہے ہیں۔

۱- بے قصور اور معصوم افراد پر یا جماعت یا کسی مخصوص قوم پر ظلم و زبردستی اور دھاندلی کے حوالہ سے خوف و ہراس پھیلانا کہ امن عام غارت ہوجائے ''دہشت گردی'' کہلاتا ہے، یہ تو ہوئی ''دہشت گردی'' کی حقیقت اسلامی نقطہ نظر سے۔ مگر امریکی نقطۂ نظر نے ''دہشت گردی'' کا معنی متعین کرلیا ہے۔ اس کے نزدیک ''دہشت گردی'' ہر اس قول وفعل سے عبارت ہے جس سے امریکہ مفادات کو ضرب لگتی ہو، اسی تفسیر کی روشنی میں اس سے نمٹتا رہا ہے اور اس وقت اور

آئندہ وہ اسی تعبیر وتشریح پر کاربند رہے گا(ایضاً رص۵۱)۔

۲- حکومت جب دانستہ طریقے پر اپنے ملک میں بسنے والے بعض طبقات کے ساتھ سیاسی یا معاشی ناانصافی روا رکھے، جان ومال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لے اور اس کا فرعونی چنگل اور نمرودی جذبہ انسانیت کا گلا گھونٹے تو بلا ریب اس پر بھی ''دہشت گردی'' کا اطلاق ہوگا، خواہ مظلوم طبقہ کسی بھی مذہب کا پیرو اور کسی بھی مسلک کا ہمنوا کیوں نہ ہو، کیونکہ بلاتفریق مذہب وملت ہر فرد اور ہر طبقہ کے جائز حقوق ومراعات ومطالبات کی طرف بنظر غائر دیکھنا حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ پر ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس کی دو قسم ہے:

۱-ناانصافی اس طبقہ کی ذات سے متعلق ہوگی، ۲-اس کے مذہب سے متعلق ہوگی کہ اس ناانصافی کا مثبت یا منفی اثر اس طبقہ کے مذہب پر ہوگا۔ پہلی صورت میں احتجاج شرعاً جائز ہے البتہ واجب نہیں، اور پھر اس جواز کی حد یہ نہیں ہے کہ ظالم کے ایک ظلم کے بدلہ اس پر سیکڑوں مظالم کئے جائیں بلکہ برابری ملحوظ رہنا چاہئے، ارشاد باری ہے:''**وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفى وأصلح فأجره على الله**''(سورۂ شوری ر ۴۰) تاہم اگر کوئی صبر کرتا ہے اور معاف کر دیتا ہے تو واقعی یہ ہمت کے کام ہیں، اور اللہ کو پسند بھی ہے، ارشاد باری ہے:''**ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور**''(سورۂ شوری ر ۴۳)۔

اور دوسری صورت میں جبکہ دین اور مذہب ہی متاثر ہو تو پھر اس صورت میں احتجاج اور ردعمل واجب ہے، اس میں ادنی تساہل بھی ناقابل برداشت ہے کہ حفاظت دین ضروری ہے، اور حفاظت جہاں تائید سے ہوتی ہے وہیں تردید بھی حفاظت کا دوسرا اور منفی پہلو ہے، اور اسی حفاظت دین کا نام ''نصرۃ دین اللہ'' بھی ہے:''**إن تنصرو الله ينصركم ويثبت**

أقدامكم"(سورۂ محمد/ ۷)،اور دین کی مدد کا مثبت پہلو جہاں اشاعت وانقیاد ہے وہیں اس کا منفی پہلو بھی ہے کہ جب بھی دین کے خلاف کوئی آواز بلند ہو،اس کی بھرپور تردید کی جائے۔

۴- قسم اول سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ جب مظلوم کو ظالم سے بقدر ظلم ہی مکافات کی اجازت دی گئی اور ذرہ برابر بھی زیادتی کو تسلیم نہیں کیا گیا تو پھر ظلم کا بدلہ ان لوگوں سے جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں بدرجہ اولیٰ نہیں لیا جاسکتا کیونکہ قرآنی ارشاد ہے:"**ولا تزر وازرة وزر أخرى**"(سورۂ فاطر/ ۱۸)تو پھر بے قصوروں سے بدلہ کس طرح جائز ہوگا۔اب رہ گئی یہ بات کہ مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتو کیا یہ بھی "دہشت گردی"ہوگی؟ تو اس کے جواب میں اسلامی نقطۂ نظر یہ کہتا ہے کہ نہیں وہ دہشت گردی نہیں بلکہ یہ تو ہر نفس کا فطری حق ہے،اب اگر اسے بھی "دہشت گردی" کے چشمہ سے دیکھا جائے تو پھر ظلم ہی نہیں رہے گا "مرگ انبوہ جشنے دارد"۔

۵- اگر کوئی گروہ حکومت یا معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس صورت میں حکومت اپنی طاقت کا استعمال کرے اور سختی سے اس فتنہ کا سدباب کرے۔

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس کی مدافعت واجب اور ضروری ہے اگرچہ قتل وقتال کی نوبت آجائے،حدیث نبوی ہے:"**من قتل دون ماله فهو شهيد**"۔اگر حملہ آور کو قتل کر کے ہی اپنی حفاظت ممکن ہو تو قتل سے دریغ نہیں کیا جائے بلکہ قتل کر کے اپنی حفاظت ضروری ہوگی،یہ اس وقت ہے جبکہ بلا قتل کوئی چارہ کار نہ ہو، اور اگر ایسا ہو کہ ڈرانے سے یا دھمکی دینے سے حملہ آور بھاگ جائے گا اور ہماری جان بچ جائے گی تو اس صورت میں یہی عمل کیا جائے گا اور قتل پر اقدام نہیں کیا جائے گا۔"**لأن الضرورة تتقدر بقدر الضرورة**"۔

دین اسلام اور دہشت گردی

مفتی حبیب اللہ قاسمی
جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ

ا- دہشت گردی:

بلاشبہ اسلام رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری اور پسندیدہ دین ہے، اس کی تعلیمات فطری، ابدی، دائمی اور زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر حاوی اور محیط ہیں، انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے انسانیت کے لئے خیر و بھلائی، عدل وگستری اور اس کی صلاح و فلاح کے لئے واضح ہدایات نہ پیش کی ہوں، یہ دین کسی طرح کے ظلم و جارحیت کا قائل نہیں۔

لہذا وہ دہشت گردی کی بھی کسی طرح کی تائید نہیں کرتا، جس میں بے گناہوں کی جان و مال کو نشانہ بنایا جائے۔

تعریف:

دہشت گردی ایک ایسا جملہ ہے جس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، اسی وجہ سے ہر ایک اپنے اعتبار سے اس کا مفہوم متعین کر کے دنیا کو گمراہ کر رہا ہے، ثقافت ونسل، اغراض ومصالح، اقوام و مذاہب اپنی اپنی سوچ کے اعتبار سے ہر ایک نے دہشت گردی کے معنی متعین

کئے ہیں، اسی وجہ سے اب تک اس کی کوئی جامع اور متفق علیہ تعریف نہیں کی جاسکی ہے، جو دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں کے لئے قابل قبول ہو، اسی لئے بہت سے ممالک، برادریاں اور افراد اس اصطلاح سے کھیل رہے ہیں۔

راقم السطور کے نزدیک دہشت گردی کا حاصل ظلم ہے جس کی بہت سی شکلیں ہیں، مسلمانوں کا کسی فرد یا قوم کے مظالم سے تنگ آ کر دفاعی مورچہ تیار کرنا اور اپنی دفاع کے لئے تیار ہونا ہی دہشت گردی نہیں بلکہ انسانوں کا ناحق خون بہانے والا خواہ کوئی بھی ہو دہشت گرد ہے۔

۲-یہ بھی ایک طرح کی دہشت گردی ہے:

تمام طبقوں کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہ کرنا، ان کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی کو روا اور جائز رکھنا، ان کی جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لینا، یا عمومی طور پر کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو یہ بھی ایک طرح کی دہشت گردی ہے۔

۳-ناانصافی کے خلاف احتجاج اور ردعمل کا اظہار مطلوبات شرعیہ میں سے ہے:

اپنی جان و مال کی حفاظت اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ناانصافی کے خلاف احتجاج اور ردعمل کا اظہار مطلوبات شرعیہ میں سے ہے۔

شریعت نے مظلوم کو اجازت دی ہے کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکے اور اس کا دفاع کرے، "أنصر أخاک ظالماً أو مظلوماً ۔اور مظلوم اپنی دفاع کے لئے ممکنہ ذرائع کو استعمال کرسکتا ہے، اس کو دہشت گردی قرار دینا خودغرضی وکوتاہ بینی ہے۔

۴- بے قصور لوگوں سے انتقام لینا:

قتل اور ظلم کے خلاف انتقام اور بدلہ لینے کے سلسلہ میں اصل اور ضابطہ یہ ہے کہ جو قتل وقتال کی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ کسی بھی درجہ کی صلاحیت ہو وہ اگر دفاعی وانتقامی کارروائی کی زد میں آ جائیں تو لاباس بہ، باقی افراد سے انتقام درست نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے: ''**أما حال القتال فلا يحل فيها قتل امرأة ولا صبى ولا شيخ فان ولا مقعد ولا يابس الشق ولا أعمى ولا مقطوع اليد والرجل من خلاف ولا مقطوع اليد اليمنى ولا معتوه ولا راهب فى صومعة ولا سائح فى الجبال لا يخالط الناس وقوم فى دار أو كنيسة ترهبوا وطبقوا عليهم الباب(الى قوله) والأصل فيه إن كل من كان من أهل القتال يحل قتله سواء قاتل أو لم يقاتل وكل من لم يكن من أهل القتال لا يحل قتله إلا إذا قاتل حقيقة أو معنى بالرأى والطاعة والتحريض وأشباه ذلک علی ماذکرنا**'' (بدائع ۷/ ۱۰۷)۔

(جنگ کے دوران نہ کسی عورت کو قتل کرنا درست ہے اور نہ کسی بچے، بوڑھے کو، اور نہ ایسے شخص کو جس کا ایک حصہ شل ہو گیا ہو، اور نہ اندھے کو، اور نہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کٹے ہوئے شخص کو، اور نہ داہنا ہاتھ کٹے ہوئے شخص کو، اور نہ کم عقل رکھنے والے کو، اور نہ اپنی کٹیا میں رہ رہے راہب اور پہاڑوں میں رہنے والے کو جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا، اور نہ ایسے لوگوں کو جو گھر یا کنیسہ میں عبادت میں مصروف ہوں اور انہوں نے اپنا دروازہ بند کر رکھا ہو...... اصل یہ کہ ہر وہ شخص جو قتال کرنے والوں میں سے ہو اس کا قتل کرنا درست ہے خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے، اور ہر وہ شخص جو قتال کرنے والوں میں سے نہ ہو اس کا قتل کرنا درست نہیں إلا یہ کہ وہ مشورہ کے ذریعہ، اطاعت کے ذریعہ، جنگ کی ترغیب دینے کے ذریعہ اور اسی طرح کے

اور دوسرے امور کے ذریعہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، معنوی یا حقیقی طور پر قتال کرنے میں شریک ہو)۔

ابوداؤد اور بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ کے موقع سے میدان جنگ میں ایک مقتولہ عورت ملی تو آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی، لوگوں کو آئندہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا: "**عن عبد الله إن امرأة وجدت فی بعض مغازی رسول الله ﷺ مقتولة فأنکر رسول الله ﷺ قتل النساء والصبیان**" (ابوداؤد ص ۳۶۲، بخاری شریف ۱/۴۲۳)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "**أجمع العلماء علی العمل بهذا الحدیث، و تحریم قتل النساء والصبیان اذا لم یقاتلوا، فإن قاتلوا قال جماهیر العلماء یقتلون، وأما شیوخ الکفار فإن کان فیهم رأي قتلوا، وإلا ففیهم وفی الرهبان خلاف**" (صحیح مسلم مع شرح النووی، کتاب الجهاد، رقم: ۳۲۸/)۔

بذل المجہود میں حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ علامہ حصکفی علیہ الرحمہ نے درمختار میں لکھا ہے کہ عورت، غیر مکلّف اور شیخ فانی کو عدم صیاح وعدم نسل کی وجہ سے قتل کرنا ممنوع ہے: "**قال فی الدر المختار ونهینا عن قتل امرأة وغیر مکلف و شیخ فان فان لا صیاح له ولا نسل له فلا یقتل ولا إذا ارتد وأعمی ومقعد وزمن ومعتوه وراهب وأهل کنائس لم یخالطوا الناس إلا أن یکون أحد ملکا أو ذا رأی أو مال فی الحرب**"۔

آگے بذل المجہود ہی میں ہے: "**اتفق الجمیع علی منع القصد إلی قتل النساء والولدان أما النساء فلضعفهن وأما الولدان فلقصورهم عن فعل الکفر**" (بذل المجهود ۴/۱۰: باب فی قتل النساء، وهکذا فی الهدایه ۲/۵۶۲ کتاب السیر)۔

خلاصہ یہ کہ بے گناہ، بےقصور اور معصوم لوگوں سے انتقام اور بدلہ لینا شرعاً جائز نہیں۔

۵-اسلامی ہدایات:

اسلام ایک عادلانہ اور منصفانہ دین ہے، یہ ''دین'' اخوت و بھائی چارگی، اتحاد و اتفاق کا سبق دیتا ہے، صاحب حق کو اس کا حق دلاتا ہے، مظلوم کو ظالم سے، ضعیف کو قوی سے انتقام لینے کی اجازت دیتا ہے، یہ ''دین'' ظلم وعدوان، آپسی اختلافات اور ذاتی بھید بھاؤ کو ناپسند کرتا ہے، تا کہ دنیا میں امن وامان، چین وسکون کا ماحول ہو اور کسی قسم کا فتنہ وفساد اور بگاڑ نہ ہو۔

اس دین میں طاقت وقوت اور پارٹی کوئی چیز نہیں، جو جس چیز کا اہل اور مستحق ہوتا ہے اس کو وہ چیز اور جو جس مقام ومنصب کے لائق ہوتا ہے اس کو وہ مقام ومنصب اور مرتبہ عطا کرتا ہے۔ یہ ہیں اسلام کی واضح ہدایات اور اس کی روشن تعلیمات۔

لہذا اگر کوئی ظلم کر رہا ہو تو مظلوم اپنا دفاع کرے، اگر معاشی یا سیاسی ناانصافی کی جاری ہی ہو تو انصاف حاصل کرنے کی قانونی راہوں پر گامزن ہو کر اپنا حق وصول کرے۔

٦-جان و مال پر کئے جانے والے حملوں کی مدافعت کی شرعی حیثیت:

جان و مال یا عزت وآبرو پر کئے جانے والے حملہ کا دفاع حتی المقدور شرعاً واجب ہے، کیونکہ قدرت کے باوجود دفاع نہ کرنے کی صورت میں اپنی جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، ارشاد خداوندی ہے:''**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**''(بقرہ/۱۹۵)،اور ارشاد ہے:''**ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما**''(نساء/۲۹)۔ **وقال النبي ﷺ : ''لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه''**۔

حق مدافعت کی حدود:

حق مدافعت کی حدود یہ ہیں کہ جس گروہ، جس پارٹی یا جس فرد کی طرف سے ظلم کا صدور اور ایذاء رسانی ہو اسی سے مدافعت اور مقابلہ کیا جائے، اسی کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اسی سے انتقام اور بدلہ لیا جائے، اس طرح کہ غیروں کو ایذاء، تکلیف اور انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے، ان کی عزت وآبرو محفوظ رہے کیونکہ وہ بے قصور ہیں، اور بے قصوروں کو ستانا، ان کو تکلیف دینا شرعاً درست نہیں ہے۔

امن کا اسلامی تصور

قاری ظفر الاسلام قاسمی
جامعہ دار العلوم مئو

۱- اولاً چند آیات ربانی مع ترجمہ پیش ہیں:

"ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا یحب المفسدین" (القصص/۷۷)
(روئے ارض پر فساد پھیلانے کی خواہش نہ کرو، اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

"إنما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الأرض فساداً......ذلک لهم خزي فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم" (المائدہ/۳۳)
(یہی جزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو...... یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔

"قل إنما حرم ربي الفواحش ماظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغیر الحق" (الاعراف/۳۳) (کہہ دیجئے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو)۔

"إن الله یأمر بالعدل والإحسان" (النحل) (اللہ رب العزت عدل وانصاف اور حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں)۔

مذکورہ آیات کی رو سے افساد فی الارض، تجاوز عن الحدود اور ناحق کسی پر ظلم کرنا نیز عدل

وانصاف سے انحراف اور غیر یقینی ماحول پیدا کرنا دہشت گردی ہے۔اسی طرح شدت پسندانہ اور جارحانہ سرگرمیاں، تخریب کاری واشتعال انگیزی اور ہر طرح کا خوف وہراس اور رہزنی کی واردات جس سے جان و مال، عقیدہ، عزت وآبرو اور امن وسلامتی کو خطرہ لاحق ہو جائے دہشت گردی کہلائے گا۔

۲- چونکہ یہ عمل افراد، جماعتوں اور حکومتوں سے بھی سرزد ہوتا ہے اور اس کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں، اس لئے دہشت گردی کو درج ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

انفرادی دہشت گردی، اجتماعی دہشت گردی، فکری و مذہبی دہشت گردی، ثقافتی دہشت گردی، سرکاری دہشت گردی، جراثیمی وحیاتیاتی دہشت گردی۔اس لئے اگر حکومتی سطح پر کوئی دانستہ ایسا اقدام کیا جائے یا ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے مساوات اور عدل و انصاف کا خون ہو رہا ہو تو اسے بھی دہشت گردی کے ذیل میں شمار کیا جائے گا، عدل وانصاف کے جو بہت سارے فوائد اور منافع ہیں ان میں ایک اہم ترین یہ ہے کہ اس سے انتظام حکومت میں کافی مدد ملتی ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"الرابعة: العدالة وهى ملكة فى النفس تصدر عنها الأفعال التى يقام بها نظام المدنية والحي بسهولة" (چوتھی صفت عدالت ہے، اور عدالت نفس میں راسخ ایک کیفیت ہے، اس سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جن سے قبیلہ اور مملکت کا نظام بسہولت قائم ہوتا ہے)۔

۳- حدیث شریف ہے: **"من قتل دون ماله فهو شهيد"** (مسلم ۱/۸۱)، اور ایک حدیث ہے: **"عن سعيد بن زيد قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد،**

ومن قتل دون أهله فهو شهيد"(ترمذی ۲۱۶/۱ ابواب الدیات، نیز دیکھئے: نسائی ۱۵۵/۲ کتاب المحاربہ)۔

مذکورہ احادیث سے پتہ چلا کہ جان و مال وعقیدہ وعزت وآبرو کی حفاظت لازمی ہے۔
علامہ شاطبی نے اپنی مشہور کتاب "الموافقات" (۲۷/۴، ۲۸) میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:
"**اتفقت الأمة ......علی أن الشريعة وضعت للمحافظة علی الضروريات الخمسة وهی الدين و النفس والنسل والمال والعقل**"(امت کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ دین، نفس، نسل، مال اور عقل کی محافظت کی خاطر وضع کی گئی ہے)۔

بہر کیف احقر کے خیال میں اس طرح کے دفاع کو دہشت گردی کے ذیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں جن لوگوں نے جان و مال، عزت وآبرو کی قربانی دی، اپنی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کیا انہیں ہرگز ہرگز دہشت گرد نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ دہشت گردی اصلاً وہ ہے جو جواب (۱) میں گذر چکی۔

۴- ظالمین کے گروہ سے جو بذات خود ظالم نہ ہوں اور ان سے اشارۃً و کنایۃً بھی ظلم نہ پایا جاتا ہو ان سے بدلہ لینے کی شریعت نے بڑی سختی سے مخالفت کی ہے، مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رقم طراز ہیں:

"مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے، مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملے کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے" (کفایت المفتی ۳۳۹/۹)۔

ایک موقع پر چند ایسے لوگوں کو جو مجرم نہ تھے حکومت کی طرف سے جلا وطنی کا حکم دے دیا گیا، اس وقت امام اوزاعی موجود تھے، انہوں نے اس علاقہ کے صوبیدار کے نام ایک مراسلہ

لکھا، اس مراسلہ کے بعض اجزاء علامہ بلاذری نے تحریر فرمائے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے: ''چند خاص لوگوں کے جرم میں تمہیں کیا حق تھا کہ جرم میں جو شریک نہ تھے ان کو بھی سزا میں تم نے شریک کرلیا، قرآن کا حکم یہ ہے: ''ولا تزر وازرة وزر أخرى'' (سورۂ فاطر/۱۸)۔

۵- سربراہان مملکت کے واجبات سے ہے کہ لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف اور ادائیگی حقوق میں مساوات سے کام لیں، ملک میں بسنے والے سارے لوگوں کے مفاد عامہ اور مصالح کا بلاتفریق مذہب وملت خیال رکھیں، علامہ ماوردی اپنی مشہور کتاب ''الاحکام السلطانیہ/ص ۶'' پر تحریر فرماتے ہیں:

''وأما أهل الإمامة فالشروط المعتبرة فيهم سبعة أحدها: العدالة على شروطها الجامعة...... الخامس الرأى المفضى إلى سياسة الرعية وتدبير المصالح''۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان ومال وعزت وآبرو پر حملہ ہو تو اس صورت میں دفاع کی بابت تفصیلات ہیں، بعض صورتوں پر دفاع واجب بھی ہے، اور بعض میں جائز اور مستحب بھی۔ مشہور شارح مسلم علامہ نووی مسلم شریف ۱/۸۱ کے تحت مرقوم حدیث: **''من قتل دون ماله فهو شهيد''** کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ففيه جواز قتل القاصد لأخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلاً أو كثيراً لعموم الحديث، وهذا قول لجماهير العلماء، وقال بعض أصحاب مالك لا يجوز قتله إذا طلب شيئاً يسيراً كالثوب والطعام وهذا ليس بشئ، والصواب ما قاله الجماهير، وأما المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف وفي المدافعة عن النفس بالقتل خلاف في مذهبنا و مذهب غير نا، والمدافعة عن

المال جائزة غير واجبة“(اس میں ناحق مال لینے والے کے قتل کرنے کا جواز ہے کیونکہ حدیث میں عموم ہے،خواہ مال کم ہو یا زیادہ، یہ جمہور علماء کا قول ہے، بعض مالکیہ کا کہنا ہے کہ اس کا قتل جائز نہیں ہے اگر وہ کوئی معمولی چیز لے،مثلاً کپڑا اور کھانا،اور یہ کوئی اہم شئ نہیں ہے،لیکن درست جمہور کا قول ہے،اور عزت وحرمت کی طرف سے دفاع کرنا بلا اختلاف واجب ہے،اور قتل کے ذریعہ جان کی طرف سے دفاع کرنے میں ہمارے مسلک اور دوسرے مسالک کے درمیان اختلاف ہے،اور مال کی طرف سے دفاع کرنا جائز ہے واجب نہیں)۔

دہشت گردی اور اسلامی نقطہ نظر

مولانا عطاء اللہ قاسمی
جامعہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو

۱- ہر ایسی حرکت جس سے سماج یا سماج کے کسی طبقہ میں بے چینی، بے اطمینانی اور خوف وہراس پیدا ہو دہشت گردی کہلائے گی، خواہ یہ حرکت کسی ایک فرد یا سماج کے کسی طبقہ یا حکومت کی طرف سے ہو۔

۲- اگر حکومتوں کے ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ سے بعض طبقات میں بے چینی، خوف اور غم وغصہ پھیلتا ہے تو حکومتوں کا ایسا رویہ بھی دہشت گردی ہے۔

۳- مظلوم اور انصاف سے محروم، استحصال کا شکار گروہ یا طبقہ کا ظلم واستحصال پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز بلکہ واجب ہے۔ ظلم وجبر کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور اپنے حقوق حاصل کرنے کی جد وجہد کرنا دہشت گردی قطعاً نہیں بلکہ پیدائشی اور انسانی حق ہے، اسے دہشت گردی کا نام دینا خود ایک طرح کی دہشت گردی ہے۔

۴- مظلوم کو صرف ظالم افراد سے بدلہ لینا جائز ہے، اس کے فرقہ کے بے قصور افراد سے بدلہ لینا بزدلی ہے اور ممنوع ہے۔

۵- اسلام ہر طرح کے ظلم وناانصافی کے خلاف ہے چاہے سیاسی ہو یا معاشی یا سماجی،

چنانچہ وہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے ایسے عادلانہ اور مبنی بر انصاف احکامات دیتا ہے جس سے دہشت گردی کے اسباب خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

۶- جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ کی صورت میں حتی المقدور مدافعت واجب ہے۔ یہ ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس میں جان چلی جائے تو مرتبہ شہادت نصیب ہوگا۔

حق مدافعت کے حدود یہ ہیں کہ صرف حملہ آور ظالم سے بدلہ لیا جائے اور لڑا جائے، اس کے فرقہ کے بے قصور افراد سے نہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی حال میں عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے، یہاں تک کہ مخالف کی ظلم وزیادتی کا شکار ہونے کے باوجود ارشاد ربانی ہے: "**لا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوی**" (سورۂ مائدہ/۸) (خبردار کسی جماعت کی دشمنی تم کو ناانصافی پر آمادہ نہ کردے، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوی سے بہت قریب ہے)۔

دہشت گردی اور اسلام

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی
جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ

۱- اپنے دشمنوں کے دلوں میں دہشت آفرینی (ارہاب) ایک عسکری حکمت عملی ہے(**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدو كم**......الآیۃ)۔اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کوئی عسکری کارروائی کی جائے، کبھی صرف قوت ضرب وحرب کے اضافہ سے بھی یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے، کبھی اس کے لئے عملی اقدام بھی ہوتا ہے جب حکمت عملی اور ضرورت اس کی متقاضی ہو، اس کی معقولیت وضرورت (Justification) ویسے ہی واضح ہے جیسے عسکری قوت رکھنے کی ضرورت۔ دہشت آفرینی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن لقمۂ تر سمجھ کر نگلنے کی کوشش نہ کرے، البتہ ''دہشت گردی'' ایک بدنام اصطلاح ہے جو قرآنی اصطلاح ''فساد فی الأرض'' کے ہم معنی ہے، طاقت وقوت کا بے جا مظاہرہ اور خوف ودہشت پھیلا کر تخریبی کارروائیوں کو انجام دینا دہشت گردی ہے جس کا دوسرا نام ''فساد فی الأرض'' ہے، خواہ یہ کسی فرد یا جماعت کی طرف سے ہو یا کسی حکومت کی طرف سے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۲- حکومتیں اگر اپنے باشندوں کے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں اور ناانصافی روا رکھتی ہیں تو اسے ظلم وجور اور ناانصافی کا نام دیں گے، دہشت گردی کا

نہیں، کیونکہ اس سے متاثرین کے دلوں میں خوف و ہراس اور دہشت کے بجائے عام طور پر احساس محرومی وناامیدی پیدا ہوتا ہے، البتہ جب کوئی حکومت اس طرح کے کام اس طرح اقدامی طور پر کرتی ہے کہ ان کی اپنی زندگی اور آنے والی نسلوں اور جائدادوں (**إفساد فی الأرض و إهلاک الحرث والنسل**) کی بقا خطرے میں پڑ جائے اور اس سے ان میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا کردے تو اس کو بجا طور پر حکومتی دہشت گردی (State Terrorism) کہہ سکتے ہیں۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کے اظہار کا اس کو پورا حق ہے، لیکن اس احتجاج و ردعمل کے مناہج و مدارج ہیں، مثلاً عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانا، رائے عامہ کا سہارا لینا، میڈیا کے ذریعہ اس کو طشت از بام کرنا، معروف طریقے مثلاً دھرنا، اسٹرائک، بائیکاٹ، راستہ روکو، کام چھوڑو، میمورنڈم دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے طریقے ہیں جو آج کی دنیا میں اپنے خلاف ہونے والے بھید بھاؤ اور ظلم وزیادتی کے ازالے کے لئے اپنائے جاتے ہیں، اور ان کے اپنانے کا ہر گروہ کو حق ہے، باقی ان درمیانی راستوں کو چھوڑ کر ابتداءً تشدد کے ذریعہ کی جائے تو اس کا نتیجہ بالآخر دہشت گردی ہی ہوگا۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اور حتی الامکان اس کو قائم رکھنے پر زور دیتا ہے، خواہ اس کے لئے آدمی کو بعض محرومیوں اور تفریقات سے دوچار ہونا پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود پیشین گوئی فرمادی تھی کہ میرے بعد ایسے حکمراں آئیں گے جو تفریق اور ظلم وزیادتی سے کام لیں گے لیکن انہیں برداشت کرنا جب تک نماز قائم کریں (سیکولر نظام میں کہہ سکتے ہیں کہ جب تک نظام عبادات کو قائم کرنے کی اجازت ہو)، البتہ جب سارے درمیانی راستے بے نتیجہ ہوں اور آدمی کو اپنے دین و ایمان اور خود اپنے وجود کو خطرہ لاحق ہو تو ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے اصول پر پُرتشدد راستے اختیار کرنا

دہشت گردی نہیں بلکہ موت وزیست کی کشمکش ہوگی۔

۴- اسلام نے باقاعدہ اعلانیہ جنگ کے موقع پر بھی بوڑھوں، بچوں، عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، جو کہ جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے، اور جنگ میں حصہ لینے کے لائق لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے، اگر انہوں نے عملی طور پر جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے: **''لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم**......'' (سورۂ ممتحنہ/۸)۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی اخلاق کے خلاف یہ بات ہوگی کہ ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لیا جائے جو بے قصور ہوں اور خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں۔

فساد فی الارض اور اسلامی نظریہ

مولانا محی الدین غازی فلاحی، لکھنؤ

۱- اسلام کسی مسئلہ کو اس کے محدود تناظر اور تنگ دائرہ میں نہیں دیکھتا ہے۔ اس کا جائزہ عمومی اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ ہمیں اس وقت تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی کے مسئلے پر کوئی فوکس یا مرکوز روشنی نہیں پڑتی لیکن اس وقت تعجب دور ہوجاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا فوکس دہشت گردی سے بھی زیادہ اہم اور وسیع تر دائرہ پر پڑتا ہے اور بھرپور طریقہ سے پڑتا ہے، اسلام کی نظر میں روئے زمین کا اصل مسئلہ دہشت گردی نہیں بلکہ اِفساد فی الأرض ہے۔ وہ اِفساد فی الأرض کی ہر صورت کو ناپسند کرتا ہے۔ دہشت گردی بھی اِفساد فی الأرض ہی کی ایک صورت ہے۔

چونکہ اسلام دہشت گردی کو الگ سے ایک مستقل مسئلہ نہیں بناتا بلکہ اسے اِفساد فی الأرض کے تناظر میں اور اسی کے دائرے میں دیکھتا ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسلام کی رو سے دہشت گردی کی تعریف کی جائے۔

اسلام کی اپنی تعبیرات ہیں اور وہ سوچی سمجھی تعبیرات ہیں، دہشت گردی کی تعبیر مغرب میں پیدا ہوئی اور پوری دنیا میں پھیل گئی، دہشت گردی پر اتنا زور صرف کیا گیا کہ اصل مسئلہ یعنی اِفساد فی الأرض نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

بہرحال خود مغرب جو اس تعبیر کا خالق اور خود اس مسئلہ کا خالق ہے دہشت گردی کی

تعریف پر متفق نہیں ہوسکا، البتہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق دہشت گردی:

"The systematic use of terror or unpredictable violence against governments, publics or individuals to attain a political objective".

دہشت کا یا غیر متوقع تشدد کا منظّم استعمال ہے، خواہ وہ حکومتوں کے خلاف ہو، عوام کے خلاف ہو یا افراد کے خلاف ہو، سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر۔

مغرب کی طاقتور اقوام دہشت گردی کی جو تعریف دنیا پر تھوپنا چاہتی ہیں وہ محض ان کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ:

☆ اپنے حقوق (غصب شدہ حقوق) کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کو یہ تعریف دہشت گرد قرار دیتی ہے۔

☆ اپنی سلب شدہ آزادی کی خاطر جدوجہد کرنے والے بھی دہشت گرد قرار پاتے ہیں۔

☆ ظلم کے خلاف ہونے والا ردعمل بھی دہشت گردی قرار پاتا ہے۔

جبکہ:

☆ طاقتور ملکوں کا کمزور ملکوں کو ہراساں کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔

☆ حکومتوں کا اپنے ملک کے بعض طبقات پر ظلم کرنا اور انہیں ہراساں کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔

لیکن:

اسلام کی رو سے اول الذکر تینوں چیزیں اِفساد فی الأرض سے خارج اور مؤخر الذکر دونوں چیزیں افساد فی الأرض میں داخل ہیں۔

واضح رہے کہ ارہاب اور دہشت گردی ہم معنی الفاظ نہیں ہیں، اس کے لئے ارہاب کے کتب شریعت میں استعمالات کا تتبع کرنا چاہئے، راقم السطور کا اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ موجود ہے۔

۲- حکومتوں کے اس رویہ کو اگر دہشت گردی سے تعبیر نہ کریں تو بھی اس کے ظلم اور إفساد فی الأرض ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، "**إن الملوک إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة**" (النمل/۳۴)۔

۳- اگر یہ ناانصافی وقتی اور دیرپا اثرات کی حامل نہ ہو اور اس کے نقصانات محدود اور قابل تلافی ہوں تو اس پر احتجاج اور ردعمل جائز ہے، لیکن اگر یہ رویہ دیرپا اثرات کا حامل ہو اور اس کے نتیجہ میں پورے حلقے کو اور آنے والی نسلوں کو ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے تو پھر احتجاج اور ردعمل بلکہ بچاؤ اور مدافعت کی ٹھوس تدابیر اور طویل المدت منصوبہ بندی واجب ہو جائے گی۔

☆ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انسانی حق اور مثبت رویہ ہے، اگر ایسا نہ ہو اور ظالم کے دل سے ردعمل کا اندیشہ نکل جائے تو پوری دنیا ظلم کی آماجگاہ بن جائے، "**ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض**" (بقرہ/۲۵۱) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**" (بقرہ/۱۹۴) اور "**فإن قاتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكافرين**" (بقرہ/۱۹۱) میں اسی ردعمل کا حکم دیا گیا ہے۔

"**فلا عدوان إلا على الظالمين**" (بقرہ/۱۹۳) بالکل واضح اور انتہائی ٹھوس قرآنی اصول ہے۔

۴- بے قصور لوگوں سے اصولی طور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، قرآنی اصول ہے: "ولا تزر وازرة وزر أخرى" (أنعام/ ۱۶۴)، لیکن غور طلب امر یہ بھی ہے کہ ظلم ہوتے ہوئے اور ظلم کو دیکھتے ہوئے جو لوگ خاموش تماشائی بنے رہیں کیا وہ حقیقت میں بے قصور کہلائیں گے، بطور خاص جمہوری ممالک میں اگر یہ بے قصور لوگ ظالم طاقتوں کو اپنے ووٹ دے کر بار بار حکومت کرنے اور حکومت کے وسائل کو ظلم و زیادتی کے لئے استعمال کرنے کا موقع دیں۔

اسی سے متعلق ایک نکتہ یہ بھی غور طلب ہے کہ فلسطین کی مبارک سرزمین میں آ کر بسنے والے تمام یہودی من حیث القوم مجرم اور ظالم نیز غاصب ہیں یا ان کے اہل حل وعقد میرا خیال ہے کہ پوری قوم اس جرم میں برابر کی شریک ہے۔

۵- اسلام کا مادی اور روحانی نظام ہے، نیز اسلام نے ہر گروہ اور ہر طبقے کے حقوق وفرائض اور حدود متعین کر دیئے ہیں۔ حقوق وفرائض پر مبنی ایک پورا نظام ہے وہ اگر قبول کر لیا جائے تو بالیقین دہشت گردی اور اس سے آگے بڑھ کر اِفساد فی الأرض کا مکمل سد باب ہو سکتا ہے۔

٦- جان و مال اور عزت پر حملے کا دفاع اگر معمولی نقصان کے ساتھ ہو سکے تو یہ دفاع مستحب ہوگا، اور اگر غیر معمولی نقصان کا اور مفسدہ اکبر کا اندیشہ ہو تو بھی دفاع جائز اور مباح ہے۔

اسلام اور نظریہ تشدد

مولانا ابوالعاص وحیدی (سدھارتھ نگر)

تمہیدی باتیں:

اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے تو یہ صورتحال تاریخ انسانی کی کوئی نئی چیز نہیں ہے، عہد بنو اسرائیل میں قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اوران کے ماننے والوں کو یہی الزام دیا تھا، اللہ تعالی نے فرمایا: ''**وقال الملأ من قوم فرعون أتذر موسی وقومه لیفسدوا فی الأرض ویذرک وآلهتک قال سنقتل أبناء هم ونستحیی نساء هم......**'' (الأعراف:۱۲۷)۔

قرآن کریم میں اس کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا گیا ہے، اسی طرح عہد نبوی میں منافقین اپنے آپ کو مصلح اور مسلمانوں کو مفسد کہتے تھے، جس پر اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا: ''**ألا إنهم هم المفسدون ولکن لا یشعرون**'' (سورۂ بقرہ:۱۲)۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو عالمی صورتحال ہے اس کے دو اسباب ہیں:

اول: مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور تعلیم جہاد کے بارے میں غیر مسلموں کو غلط فہمیاں ہیں جن کے ازالہ کی ضرورت ہے۔

دوم: عصر حاضر میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے پوری دنیا کو خوف وہراس ہے،

اس لئے کہ اس وقت اسلام فکری طور پر غالب نظر آ رہا ہے اور امریکہ وغیرہ میں لوگ بڑی تیزی سے مسلمان ہو رہے ہیں۔ لہذا موجودہ صورتحال سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

۱- ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ حادثہ کے بعد اخبارات میں، ریڈیو میں اور ٹی وی پر لفظ دہشت گردی کا استعمال بہت ہوا ہے، پوری دنیا میں دہشت گردی کے مفہوم ومعنی کی تعیین وتحقیق کی کوشش کی گئی لیکن مغربی دنیا اب تک اس کی صحیح وجامع تعریف نہیں کرسکی ہے، ذیل میں اسلامی نقطہ نظر سے اس کی تحقیق کی جارہی ہے اور اس کے مفہوم ومعنی پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں تشدد اور دہشت گردی کے لئے، ظلم، عدوان، طغیان اور فساد فی الارض کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جنہوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا، اللہ ورسول سے سرکشی کی اور اللہ کے بندوں پر ظلم وتعدی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کیا چاہے وہ افراد ہوں یا اقوام، وہ سب اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گرد ہیں۔ اس سلسلہ کی آیات واحادیث سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔

جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ کے آخری عشرہ میں جنوبی افریقہ کی راجدھانی جوہانسبرگ میں ایک عالمی کانفرنس اس موضوع پر ہوئی، جس میں مختلف ملکوں کی تنظیموں نے شرکت کی، اس کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی کے وفد نے دہشت گردی کی ایک جامع تعریف پیش کی جسے مختلف تنظیموں نے پسند کیا، اخبار العالم الاسلامی کے حوالہ سے وہ تعریف درج ذیل ہے:

"الإرهاب هو العدوان الذی یمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغیاً علی الانسان، دینه و دمه و عقله و ماله و عرضه، ویشمل صنوف التخویف والأذی والتهدید والقتل بغیر حق و ما یتصل بصور الحرابة وإخافة السبیل وقطع الطریق وکل فعل من أفعال العنف أو التهدید، یقع تنفیذاً لمشروع

إجرامي، فردي أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر ومن صنوف إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد فی الأرض التی نهی الله سبحانه و تعالی المسلمين عنها: ''ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا يحب المفسدين''(القصص:۷۷)(العالم الاسلامی: العدد/۱۷۶۱ ،الجمعہ، ۶/رجب ۱۴۲۳ھ)۔

(دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کسی انسان، اس کے دین، اس کے خون، اس کی عقل، اور اس کے مال اور اس کی عزت پر زیادتی کے طور پر کرتی ہیں، اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی دینے، ناحق قتل کرنے، خونریزی کی مختلف صورتیں، راستے کو پر خطر بنانے اور ڈاکہ زنی کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز اس میں تشدد یا دھمکی کی ہر وہ کارروائی شامل ہے جو کسی فرد یا گروہ کے مجرمانہ منصوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کی جائے اور جس کا مقصد لوگوں میں رعب پیدا کرنا یا ان کو تکلیف پہنچا کر خوف زدہ کرنا یا ان کی زندگی، ان کی آزادی، ان کی سلامتی اور ان کے حالات کو خطرہ سے دوچار کرنا ہو، اس کی اقسام میں ماحولیات کو بگاڑنا، انتفاع کی چیزوں یا عمومی یا پرائیوٹ املاک کو تباہ کرنا یا ملکی اور قدرتی ذرائع پیداوار کو خطرہ سے دوچار کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کارروائیاں فساد فی الارض کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع کیا ہے: ''اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ بے شک اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا'')۔

دہشت گردی کی مذکورہ تعریف سے ملتی جلتی تعریف جناب شفیق الرحمٰن صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''اگر چہ دہشت گردی کی کوئی متعین تعریف ابھی تک نہیں کی جاسکی ہے، اس کے جو معنی و مفہوم بتائے جاتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فرد، گروہ، ادارہ، تنظیم، قوم یا ملک کے اس عمل کو دہشت گردی کہا جائے گا جس کا مقصد عام لوگوں کو بالعموم اور مخالف طاقت وقوت کو بالخصوص خوف و دہشت میں مبتلا کر کے اپنا مقصد و مطلب حاصل کرنا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ مقصد و مطلب جائز ہے کہ ناجائز۔ خوف و دہشت پھیلانے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں جس میں آلات حرب کا استعمال بھی شامل ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر حال میں بندوق اٹھائی جائے، کہیں محض آنکھ دکھا کر اور کہیں گھڑکی سے بھی یہ کام نکالا جاسکتا ہے مگر دونوں صورتوں میں یہ کام خوف کی نفسیات پیدا کر کے ہی نکالا جاتا ہے'' (ماخوذ از مقالہ: ''دہشت گردی کا خاتمہ یا فساد فی الأرض''، خصوصی نمبر سہ روزہ دعوت ۲۹ رنومبر ۲۰۰۱ء)۔

مختصر طور پر اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر وہ عمل جو دولت و ملک گیری کی ہوس اور مذہبی جبر کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ جنگ عظیم اول و ثانی میں اور دوسرے مواقع پر ہوا ہے، اسلام کا تصور جہاد اس سے بالکل دور ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جناب محمد سہیل صاحب کا مقالہ: ''دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت'' سہ روزہ دعوت خصوصی نمبر)۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ رویہ اور ظالمانہ روش کے خلاف اگر کوئی قوم عملی اقدام کرے تو اسے دہشت گردی نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ اس اقدام کو ناحق نہیں کہا جائے گا، موجودہ سیکولر اور جمہوری دور میں تو بہر حال وہ اقدام درست ہوگا۔

۳- کسی ناانصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے، لہذا کسی مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں اور دوسرے افراد جو اگرچہ بے قصور ہیں مگر وہ اس ظلم و زیادتی سے راضی ہوں بلکہ وہ ظلم کرنے والوں کی مدد کرتے ہوں تو ان بے قصور افراد سے بدلہ لے لینا جائز ہوگا، دفاعی نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ عہد نبوی میں اس کی مثال صلح حدیبیہ کے بعد ان صحابہ کرام کا رویہ ہے جو ساحل بحر پر رہتے ہوئے گذرنے والے کفار سے بدلہ لیتے تھے، دربار نبوی سے جس کی ممانعت ثابت نہیں۔

۵- یقیناً تشدد اور دہشت گردی کے کچھ بنیادی اسباب ہوتے ہیں، ان اسباب کے تدارک کے لئے مذہب اسلام نے بڑی مفصل ہدایات دی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

الف- انسانی اخوت کی بنیاد پر محبت ورحمت کا وجدان وشعور ضروری ہے۔

ب- زندگی گذارنے کے انفرادی واجتماعی آداب کا لحاظ ہونا چاہئے۔

ج- ایسا نظام حکومت جس میں تمام لوگوں کو قانونی عدل، امن وسلامتی، نیز اقتصادی زندگی کی ضمانتیں حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید قطبؒ کی کتاب ''امن عالم اور اسلام'' کا باب: ''معاشرے کا امن'' (شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی ہند دہلی)۔

٦- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت وآبرو پر حملہ ہو تو اس کا دفاع واجب ہے اور اس راہ میں موت شہادت ہے، حق مدافعت کی درج ذیل حدود ہیں:

الف- اس وقت دفاع کیا جائے جب کسی بڑے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

ب- دفاع میں ظلم و زیادتی شامل نہ ہو۔

ج- جائز حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

✧ ✧ ✧

تصور امن اور اسلام

مولانا سعید الرحمٰن فاروقی (ممبئی)

۱- دہشت گردی کی تعریف قرآنی الفاظ میں فساد فی الارض ہے، اور اس عمومیت میں شرک، کفر، لا مذہبیت، دہریت وغیرہ سب شامل ہے، موجودہ دور کے عمومی مفہوم کے پیش نظر ایک جامع تعریف حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اس طرح فرمائی ہے: ''دہشت گردی فارسی زبان کا ایک واضح اور عام فہم کلمہ ہے، یعنی حد سے تجاوز کرنا، بے قصور اور معصوم افراد کو ہراساں کرنا، لوگوں پر دھاندلی اور زور زبردستی کرنا، ناجائز مقاصد کی تکمیل کے لئے ناحق ظلم وستم برپا کرنا، ہیبت پھیلانا وغیرہ۔ یہ رویہ کسی ایک فرد کی جانب سے ہو یا کسی حکومت اور قوم کی طرف سے، اسی طرح یہ طاغوتی عمل بم، راکٹ اور بندوق جیسے ہتھیاروں کو استعمال میں لاکر انجام دیا گیا ہو یا زبان اور ہاتھ کو حرکت دے کر یا ان کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو، یہ تمام دہشت گردی میں شامل ہیں، البتہ اگر ظالم کے ظلم کو ختم کرنے کے لئے فتنہ اور فساد کو دبانے اور نوع انسانی کو خطرے سے بچانے کے لئے طاقت کا استعمال کیا جائے تو وہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا (اسلام، امن اور دہشت گردی رص ۱۹، ۲۰)۔

۲- حکومت کے اس رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا جیسا کہ تعریف بالا سے ظاہر ہے۔

۳- مفید اور مؤثر احتجاج جو ظلم کا رخ موڑ دے اور احتجاجیوں کو اس کا یقین بھی ہو تو ایسا احتجاج کرنا واجب ہے۔ کیونکہ بقدر استطاعت ظلم کو دور کرنا اور ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔ "**وأعدوا لهم ما استطعتم الخ** ۔ اور "**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة** " (بقرہ/۱۹۵) اس کی واضح دلیلیں ہیں۔

اور اگر محض سیاسی مقصد کارفرما ہو جس سے ظلم دور ہونے کا کوئی امکان نہ ہو تو احتجاج واجب نہیں ہوگا۔

۴- بے قصوروں سے بدلہ لینا جائز نہیں۔"**ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق الآية**"(أنعام/۱۵۱)۔ ہر نفس محترم ہے لہذا ناحق قتل کرنا جائز نہیں۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: اگر کافر بالمقابل ہو یا مسلمان کو قتل کر چکا ہو یا اس سے خطرہ ہو یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جا سکتا ہے، اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۷۴)۔

۵- قرآن کریم نے بنیادی غلطیوں اور فساد کو جڑ سے مٹانے اور ختم کرنے کی دعوت دی ہے۔ منافقت مستقل جرم ہے:"**إن المنافقين فى الدرك الأسفل من النار**" (نساء/۱۴۵)۔ جھوٹ حرام ہے:"**أو كذب بالحق إذ جاء ه أليس فى جهنم مثوى للكافرين** "(عنکبوت/۶۸)۔ دھوکہ دہی کی اجازت نہیں ہے:"**يخدعون الله والذين آمنوا وما يخٰدعون إلا أنفسهم وما يشعرون**"(بقرہ/۹)۔ بے جا تسلط ممنوع ہے:"**إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة**"۔ حقوق کا غصب کرنا کسی طرح درست نہیں ہے:"**من انتهب نهبة فليس منا**"(مشکوۃ/۲۵۵)۔

عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم اتنا ضروری ہے کہ اپنے خاندان بیٹے اور باپ کا بھی

اس باب میں لحاظ نہیں کیا جاسکتا ہے۔"اعدلوا ولو کان ذا قربی "۔جب تک نفاق یعنی ظاہر و باطن کا فرق نہیں مٹتا جھوٹ کی نحوست نہیں جاتی، دھوکہ دہی کا بازار نہیں بند ہوتا، نااہل حکومتوں سے سبکدوش نہیں ہوتے، حقوق کا تحفظ نہیں کیا جاتا، عدل وانصاف قائم نہیں ہوتا، اس وقت تک دنیا سے دہشت گردی ختم بھی نہیں ہوسکتی۔اسوہ رسول اکرم ﷺ یہ درس دیتا ہے کہ نفاق سب سے بڑا جرم ہے، اور منافقوں کی عادت یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو مصالحانہ سرگرمیاں بنا کر پیش کرتے ہیں، دہشت گردی اور فساد کو امن وسلامتی کے عنوان سے عام کرتے ہیں۔قرآن ناطق ہے:

"وإذا قيل لهم لا تفسدوا في الأرض قالوا إنما نحن مصلحون ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون"(بقرہ/۱۱-۱۲)۔

پیغمبر علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ موت آنے سے پہلے پہلے توبہ کرلو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کوتاہیوں سے سبکدوش ہوجاؤ۔خود آپ ﷺ نے یہ پیش کش فرمائی کہ اگر کسی کا کوئی حق مجھ پر ہے تو وہ یہیں دنیا میں مجھ سے لے لے۔

یہ ہے حقیقی تدارک اور علاج کہ انصاف، عدل، امن و امان، سلامتی اور راحت پھیلانے کے علمبرداروں کو اس سے سبق لینا چاہئے اور سب سے پہلے دنیا کے سامنے خود اپنا محاسبہ پیش کرنا چاہئے تاکہ نفاق ظاہر و باطن کے فرق کرنے والوں میں شمار نہ ہوں، اپنے دعوے میں جھوٹے نہ قرار دیئے جائیں، بے جا روش پر گامزن ہونے کے الزام سے بری ہوسکیں اور حقوق انسانی ضائع کرنے کے مجرم نہ گردانے جائیں۔

اس کے بعد نہ دہشت گردی رخصت ہونے کا امکان بظاہر معلوم ہوتا ہے، نہ ہی امن وسلامتی لفاظی سے آگے بڑھ کر حقیقت بن سکتی ہے۔

۶- مدافعت کا حق ہر انسان میں فطرتاً ودیعت ہے، جب تک یہ قوت موجود ہے انسان صحتمند ہے، اور اگر یہ قوت ختم ہوجائے تو انسان ایڈز کا مریض ہوجاتا ہے، بالفاظ دیگر نا قابل علاج مریض ہوجاتا ہے، اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے یہ حق تو جانوروں اور حیوانوں تک کو دیا گیا ہے۔

مدافعت کا حق خود اللہ پاک نے فراہم فرمایا اور وہ قدرتی طور پر جاری ہے، اگر کوئی حملہ زیادہ طاقتور ہے تو اس کا مقابلہ اس طرح کی قوت سے کرنا واجب اور فطری عمل ہے، دوا علاج سے لے کر ہلاکت خیز حملوں سے بچانے کے احکامات اسی لئے دیئے گئے ہیں، کہیں ارشاد ہے: ''**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**'' یعنی دانستہ خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کسی قاتلانہ حملہ کا مقابلہ نہ کرنا قوت وطاقت ہونے کے باوجود خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

اسلام اور دہشت گردی کی حقیقت

مولانا محمد ظفر عالم ندوی
ندوۃ العلماء لکھنو

یوں تو دہشت گردی کی مختلف تعریفیں مختلف لوگوں اور تنظیموں نے کی ہیں، لیکن اسلامی نقطہ نظر سے اس کی تعریف اور حقیقت درج ہے:

۱- ہر وہ عمل جو ظلم پر مبنی ہو اور مجرمانہ نوعیت کا ہو، جس کے نتیجہ میں فساد اور بدامنی پیدا ہوتی ہو وہ دہشت گردی ہے، خواہ یہ عمل افراد کی جانب سے ہو یا جماعت یا حکومت کی جانب سے، اس طرح کے عمل کو قرآن نے ''فتنہ''، ''فساد''، اور ''محاربۃ اللہ'' سے تعبیر کیا ہے، قرآن نے مشرکین عرب کے اس طرح کے دہشت گردانہ عمل کو فتنہ کہا ہے اور واضح کر دیا ہے: **''الفتنة أكبر من القتل''** (سورۂ بقرہ/۲۱۷)۔

فتنہ:

قرآن میں لفظ ''فتنہ'' آزمائش وامتحان کے علاوہ انسان کی نسبت سے درج ذیل معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱- کمزوروں پر ظلم کرنا، ان کے جائز حقوق کو سلب کرنا، انہیں ملک بدر کرنا اور تکلیفیں دینا، ارشاد باری ہے: **''ثم إن ربک للذین هاجروا من بعد مافتنوا''** (النحل/۱۱۰)۔

دوسری جگہ ہے:"**وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل**"(البقرہ:۲۱۷)۔

۲-کسی کے حق کوزبردستی دبانااور قبول حق سے لوگوں کوروکنا۔ارشادخداوندی ہے:

"**فما آمن لموسى إل اذرية من قومه على خوف من فرعون وملأهم أن يفتنهم**"(یونس/۸۳)۔

۳-لوگوں کوگمراہ کرنااورحق کے خلاف فریب ودھوکہ دینا۔ارشادباری ہے:

"**وإن كادوا ليفتنونک عن الذى أوحينا إليک لتفترى علينا غيره**"(بنی اسرائیل:۷۳)۔

"**واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله إليک**"(المائدہ:۴۹)۔

۴-دوسروں کے حقوق پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ کرنااورناجائزاغراض کے لئے قتل وخونریزی کرنا،سورۂ احزاب میں ہے:"**ولو دخلت عليهم من أقطارها ثم سئلوا الفتنة لآتوها وما تلبثوا بها إلا يسيراً** "(احزاب:۱۴)۔سورۂ نساء میں ہے:"**كلما ردوا إلى الفتنة أركسوا فيها**"(نساء:۹۱)۔

۵-حق کے پرستاروں پر باطل پرستوں کا غلبہ اورظلم وزیادتی کرنا،سورۂ انفال میں ہے:"**إلا تفعلوه تكن فتنة فى الأرض وفساد كبير**"(انفال:۷۳)۔

فساد:

اسی طرح قرآن میں لفظ''فساد'' ہراس فعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے جوعدل وصلاح کے خلاف ہو،عموماً اجتماعی، اخلاقی اور نظام تمدن و سیاست کے بگاڑ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔"**الذين طغوا فى البلاد فأكثروا فيها الفساد**"(الفجر۱۱-۱۲)۔

بادشاہوں کی ملک گیری اور ظالمانہ اقتدار سے جو تباہی ہوتی ہے اس کو قرآن نے ''فساد'' کہاہے،''وإذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة''(النمل:۳۴)۔

وہ طرز حکومت جس میں حاکمانہ طاقت کوظلم وستم کے لئے استعمال کیاجائے وہ بھی فساد ہے:''وإذا تولّى سعى فى الأرض ليفسد فيها ويهلک الحرث والنسل'' (بقرہ:۲۰۵)۔

فتنہ وفساد کی مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہر وہ عمل جوظلم پر مبنی ہو، حقوق انسانی پر دست درازی اور پامالی، جبروتشدداور خونریزی کا ذریعہ ہو، کمزوروں کو طاقتوروں کا غلام بنانے والا ہو، خواہ یہ عمل افراد کی جانب سے ہو یا جماعت یا حکومت کی طرف سے، یہ فتنہ اور فساد ہے۔

لہذا دہشت گردی کی جامع ترین تعبیر فتنہ وفساد ہے، جس کو اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے بلکہ اس کی شدید مذمت کی ہے۔

۲- اسلام میں دہشت گردی کا جو مفہوم ہے اس کے اعتبار سے اگر حکومتیں بھی اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا معاملہ نہیں کرتیں بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھتی ہیں، ان کے جان ومال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں جن سے وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہوتا ہے، تو اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

۳- اگر کوئی حکومت کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، ہاں اگر ناانصافی اور ظلم کے خلاف احتجاج اور ردعمل کے اظہار میں مزید خطرے اور برے نقصانات کا اندیشہ ہو تو زیادہ نقصانات سے بچنے کے لئے

ملکی قانون اور ضابطے کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسی تدبیریں اختیار کی جائیں جو نقصان دہ نہ ہوں، مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو یہ ہرگز دہشت گردی نہیں کہلائے گی۔

۴- بدلہ صرف ظالموں سے لیا جا سکتا ہے، جو بے قصور ہوں ان سے بدلہ لینا درست نہ ہوگا۔ مسلمان ملکوں میں غیر مسلم اقلیت کو جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ اور دیگر شہری حقوق کے علاوہ مذہبی آزادی اسی حد تک حاصل ہوگی جس سے شعائر اسلامی متاثر نہ ہوں۔

۵- دہشت گردی جن اسباب و محرکات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ان اسباب و محرکات کو دور کرنے کی کوششوں کی ہدایات اسلام نے دیئے ہیں، ظالم و مظلوم دونوں کی مدد کی ہدایت والی روایت ان ہی کوششوں کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

٦- جان و عزت و آبرو کی حفاظت واجب ہے اور مال کی مدافعت بقدر طاقت و وسعت جائز ہے، اگر مال کے دفاع میں مزید بڑے مفاسد کا خطرہ ہو تو بڑے مفاسد سے بچنا ضروری ہے۔ مدافعت کے حدود بقدر طاقت و وسعت ہیں۔

اسلام اور تشدد

مفتی عبدالرحیم قاسمی
جامعہ خیرالعلوم، بھوپال

۱ـ دہشت کے معنی خوف، حیرت اور پریشانی کے ہیں (لغات کشوری رص ۱۹۹)۔

مشہور عرب مفکر محمد ابوزہرہ نے لکھا ہے کہ آج دنیا کو جن مسائل کا سامنا ہے خواہ وہ اقتصادی ہوں، یا سیاسی اور سماجی، ان کا سبب غلبہ واقتدار کی وہ خواہش ہے جس کے تحت انسان ایک دوسرے کا گلا گھونٹ دینے کے لئے تیار ہے، نیز یہ خواہش کہ زمین کے سارے وسائل تنہا ایک طبقہ یا ایک فرقہ کو مل جائیں اور تمام قوموں کی محنت ومشقت کا ثمرہ ایک یا چند حکومت کے ہاتھ میں سمٹ آئے، آج انسانی عقل کا رخ مہلک ہتھیاروں کی طرف مڑ چکا ہے اور انسان کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ وہ زمین اور اہل زمین کی ہلاکت کا سامان کرے۔

زمین کو صرف ایک چیز آباد رکھ سکتی ہے اور وہ انسانی ضمیر ہے، انسانی ضمیر اس وقت بیدار ہوتا ہے جب انسان سلامتی پر آمادہ ہو، سلامتی اور رواداری مذہب کے سوا کوئی دوسری طاقت نہیں سکھا سکتی، اسلام اسی رواداری اور سلامتی کا نام ہے جس کی آج کی دنیا کو شدید ضرورت ہے۔

قدیم زمانہ میں اہل عرب کہا کرتے تھے کہ خونریزی کو خونریزی ختم کرتی ہے، لیکن اسلام نے اس تصور کو مبنی بر جہالت اور دائمی ہلاکت کا سبب قرار دے کر مسترد کردیا، یہ کر ہیں

جنہیں آج کا انسان لگا تا جا رہا ہے انہیں ایک طاقتور اور ہمہ گیر دین ہی کھول سکتا ہے، ایسا دین جس کے ماننے والے صرف عبادت گاہوں میں کچھ وقت گذار لینے کو ہی کافی نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس کا دائرہ انسان کی ایک ایک حرکت وعمل تک وسیع ہو، جو دین صرف خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو قائم نہ کرتا ہو، بلکہ باہم انسانوں کے تعلقات کو استوار کرتا ہو، جو دین سپہ سالار جنگ سے یہ کہتا ہو کہ جو شخص برسر پیکار ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل نہ کرنا، کسی آبادی کو ویران نہ کرنا، عورتوں، بچوں کو قتل نہ کرنا، مذہبی پیشواؤں کو قتل نہ کرنا، درختوں کو نہ کاٹنا، کھیتیوں کو تباہ نہ کرنا، مختصر یہ کہ فتنہ وفساد کی ہر صورت سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ اللہ تعالی فساد پھیلانے والے کو پسند نہیں کرتا، اگر انسانیت پر اس طرح کے دین کی حکمرانی قائم ہو جائے تو مسائل حل ہو سکتے ہیں پھر اس دین کی یہ بھی خصوصیت ہونی چاہئے کہ پوری انسانیت کو ایک امت تصور کرے اور رنگ ونسل کی بنیاد پر امتیاز روا نہ رکھے، بلکہ سارے انسانوں کو اللہ کی مخلوق سمجھے اور ہر ایک کو یکساں طور پر اس کا بندہ تصور کرے، اس لئے کہ سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور سب کے خمیر میں ایک ہی مٹی شامل ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس دین کا مدار اس ذات پر ہو جو ساری کائنات کی پیدا کرنے والی ہے اور تمام مخلوقات جس کا کنبہ ہے، بلاشبہ وہ دین اسلام ہے جو اپنے اندر یہ تمام اوصاف رکھتا ہے ہم پر یہ عقدہ اس مقدس کلام نے کھولا ہے جو اشرف المخلوقات یعنی خدا کی محبوب ترین ہستی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا اور تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک کی سورہ مائدہ میں ایک مقام پر اسلام کو سبل السلام کہا گیا ہے، یعنی امن وسلامتی کا راستہ، اسی طرح دوسرے مقام پر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا: ''لا إكراه في الدين '' (دین میں کوئی زبردستی نہیں)۔ قرآن نے یہ اعلان کر کے صاف طور پر بتا دیا کہ مذہبی جارحیت سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلام امن وسلامتی کو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے

بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے اور اس کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی جان و مال پر حملہ کرے، اسی کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ جس نے کسی جان کو بھی قتل کر دیا اور ایسا نہ تو کسی جان کا بدلہ لینے کے لئے کیا اور نہ زمین پر پھیلے ہوئے فساد سے نمٹنے کے لئے کیا، تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک جان کو بچالیا تو گویا سارے انسانوں کو زندہ بچالیا۔ قرآن کے اس واضح بیان کے بعد بھی کیا اس امر کی شہادت کی مزید کوئی ضرورت باقی رہتی ہے کہ اسلام دہشت کا نہیں امن و سلامتی کا مذہب ہے (دعوت خیر ص ۹۴)۔

اسلام اور تشدد دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جہاں اسلام ہوگا تشدد وہاں کھڑا ہو ہی نہیں سکتا، اسلام تشدد کے مقابلہ کے لئے سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔

دراصل اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی کی دعوت دیتا ہے، جنگ پر صلح کو فوقیت دیتا ہے، چنانچہ قرآن پاک کی سورۂ انفال میں حکم دیا گیا ہے، اور دیکھو اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو چاہئے کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ، اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو جو سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کی فیصلہ کن جنگ نے مسلمانوں کی فتح مندی کو ظاہر کر دیا تھا اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا، تاہم حکم ہوا کہ جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف مائل ہوں تو چاہئے کہ تم بھی بلا تامل آمادہ ہو جاؤ، اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو اس کی پرواہ نہ کرو، اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرنی چاہئے، اسلام کو صلح اتنی عزیز ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں دشمن منافقت سے کام لے کر امن کی پیش کش کر رہا ہے اور موقع ملتے ہی وہ معاہدہ سے پھر جائے گا، اسلام صلح و امن کا حکم دیتا ہے۔ لیکن آج باطل ادیان کے پیروکار حقانی مذہب کو باطل قرار دیتے ہیں، جو خود دہشت گرد ہے وہ دوسروں کو دہشت گرد قرار دیتا ہے جو خود ظالم ہے وہ دوسروں کو ظالم کہتا ہے۔

۲- جو حکومتیں اپنی رعایا کے بعض طبقات کے ساتھ سیاسی، معاشی حق تلفیوں کا برتاؤ کرتی ہیں وہ ظالم ہیں ان کے ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ پر سرکاری دہشت گردی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے۔ عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی کی مظلومانہ جنگ یقیناً لڑ سکتے ہیں، اور اگر احتجاج کرنے والے اس کے لئے تیار ہیں کہ لاٹھیاں کھائیں، سنگینیں، برچھیاں، چھرے اور گولیاں اپنے سینوں پر لیں تو یقیناً ان کو اپنے حق کے مطالبہ کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کا فعل فی حد ذاتہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنا حق طلب کرتے ہیں اس کے جواب میں اگر حکومت لاٹھیاں برسائے، یا سنگینیں گھونپے، یا چھرے اور گولیاں مارے تو یہ بربریت اور ظلم حکومت کا فعل ہے، اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے نہ کہ ان مظلوموں پر جو اپنا حق مانگتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ جانتے ہوئے کہ حکومت بسا اوقات اپنی بربریت کے مظاہرہ کے لئے لاٹھیاں چلاتی ہے، گولیاں برساتی ہے، کسی کو ایسے خطرے میں پڑنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ حقوق ہمیشہ خطرات سے پُر ہوتا ہے، بغیر خطرے کے تو کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا، احتجاج کرنے والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس کا نتیجہ حکومت کی جانب سے تشدد ہو، اور اگر حکومت بلاوجہ تشدد پر اتر آئے تو اس کی ذمہ داری حکومت کی ہوگی۔ مثلاً یہ قصد ہو کہ دفعہ (۱۴۴) کی خلاف ورزی کریں اور پانچ سو اشخاص ایسے مہیا کئے جائیں جو جمع ہو کر جلسہ کریں اور حکام کے اس حکم سے کہ منتشر ہو جاؤ منتشر نہ ہوں، مگر کوئی اور حرکت نہیں کی، تو اس صورت میں حکومت کا فرض یہ ہے کہ ان سب کو آدمیت کے ساتھ گرفتار کرے۔ مگر بسا اوقات حکومت آئین اور انسانیت کے ساتھ ان کو گرفتار کرنے کے بجائے

کبھی تو لاٹھیوں سے پٹوا کر منتشر کراتی ہے اور کبھی گولیاں چلوا کر بہیمیت اور بربریت کا انتہائی مظاہرہ کرتی ہے۔

اس ظالمانہ کارروائی کی وجہ سے مظلوموں کا وہ فعل ناجائز نہ ہوجائے گا جو عقل وانصاف اور مذہب کے خلاف نہ تھا، اور جو لوگ اس بربریت اور بہیمیت کا شکار ہو کر شہید ہوں گے وہ یقیناً مظلومیت کی وجہ سے شہادت کا درجہ پائیں گے، ان کو خودکشی کا مرتکب کہنا سخت جہالت اور ناواقفیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے (کفایت المفتی ۹/ ۳۴۵،۳۴۶)۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو اور ظلم کرنے والے کچھ افراد ہوں تو ظالم گروہ کے دوسرے بے قصور لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں۔

۵- کسی گروہ کے اندر اقتدار اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی حرص اور کمزور طبقات کو محروم رکھنے کا جذبہ دہشت گردی کے بنیادی اسباب ومحرکات میں سے ہے۔ اس قسم کے اسباب کا تدارک کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، عوام کو بھی اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

۶- حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے۔

"قال رسول الله ﷺ: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد" (نسائی ۲/ ۱۵۵)۔

فتح الباری میں ہے: **"قال النووی فيه جواز قتل من قصد أخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلاً أو كثيراً وهو قول الجمهور وشذ من أوجبه"** (علامہ

نووی نے کہا: ناحق مال لینے والے کوقتل کرنا جائز ہونے کی اس حدیث میں دلیل ہے خواہ مال کم ہو یا زیادہ ہو، جمہور کا یہی قول ہے، واجب کہنے والے شاذ و نادر ہیں)۔

اور ان کا قول شاذ ہے: "**والذی علیه أهل العلم أن للرجل أن یدفع عما ذکر إذا أرید ظلماً**" (اہل علم کا قول یہ ہے کہ جان مال، عزت آبرو کی حفاظت اور ظالموں کو دفع کرنے کی آدمی کو اجازت ہے)۔

ابن بطال نے کہا کہ ان ابواب پر امام بخاری نے یہ عنوان اس لئے قائم کیا ہے کہ انسان کو اپنے جان و مال پر حملہ کرنے والے کو دفع کرنے کا حق ہے، اس پر کوئی حرج نہیں، اس میں قتل کر دیا گیا تو شہید ہے، اور حملہ آور کو قتل کر دے تو مدافعت کرنے والے پر قصاص اور دیت نہیں۔

"**قال ابن بطال: إنما أدخل البخاری هذه الترجمة فی هذه الأبواب لیبین أن الإنسان أن یدفع عن نفسه وماله ولا شیء علیه فإنه إذا کان شهیداً إذ قتل فی ذلک فلا قود علیه ولا دیة إذا کان هو القاتل**" (فتح الباری ۵/ ۱۲۴)۔

امن عالم اور اسلام

نیاز احمد عبدالحمید المدنی
الجامعۃ الاسلامیہ خیر العلوم، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر

۱- دہشت گردی کی تعریف میں بڑا اختلاف ہوا ہے، "**کل ینظر بمنظازہ الخاص**" کے تحت مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، ماضی میں جنوبی افریقہ میں ۲۶/ جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ میں جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں رابطہ عالم اسلام کے وفد نے جو تعریف پیش کی تھی اسے یورپی اور امریکی ساری تنظیموں نے پسند کیا تھا، وہ تعریف درج ذیل ہے:

"الإرهاب: هو العدوان الذى يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغيا على الإنسان، دينه و دمه و عقله و ماله و عرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و ما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق، وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذاً لمشروع إجرامى، فردي أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر ومن صنوف إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد فى الأرض التى نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها: "ولا تبغ الفساد في

الأرض إن الله لا يحب المفسدين"(القصص: ۷۷)(العالم الاسلامی :العدد/ ۱۷۶۱، جمعہ، ۶/رجب ۱۴۲۳ھ)۔

(دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کسی انسان، اس کے دین، اس کے خون، اس کی عقل، اوراس کے مال اوراس کی عزت پر زیادتی کے طور پر کرتی ہیں، اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی دینے، ناحق قتل کرنے، خونریزی کی مختلف صورتیں، راستے کو پرخطر بنانے اور ڈاکہ زنی کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز اس میں تشدد یا دھمکی کی ہر وہ کارروائی شامل ہے جو کسی فرد یا گروہ کے مجرمانہ منصوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کی جائے اور جس کا مقصد لوگوں میں رعب پیدا کرنا یا ان کو تکلیف پہنچا کر خوف زدہ کرنا یا ان کی زندگی، ان کی آزادی، ان کی سلامتی اور ان کے حالات کو خطرہ سے دوچار کرنا ہو، اس کی اقسام میں ماحولیات کو بگاڑنا، انتفاع کی چیزوں یا عمومی یا پرائیوٹ املاک کو تباہ کرنا یا ملکی اور قدرتی ذرائع پیداوار کو خطرہ سے دوچار کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کارروائیاں فساد فی الارض کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع کیا ہے: "اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ بے شک اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا")۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ کے خلاف اگر کوئی قوم عملی اقدام کرے تو اسے دہشت گردی نہیں کہیں گے، لیکن ظالم حاکم کے خلاف آواز اٹھانے اور بغاوت کرنے کے اصول اور ضوابط ہیں، اگر عملی اقدام سے جانی و مالی ضرر لازم آتا ہے اور فتنے کی آگ بھڑک سکتی ہے تو ایسے حالات میں حاکم کے حق کو ادا کرنا چاہئے اور اپنے حق کو اللہ سے مانگنا چاہئے اور صبر کرنا چاہئے، کیونکہ مسلمان کی جان کی قیمت بہت زیادہ ہے شریعت تو اس کی حفاظت کے لئے بعض حالات میں حرام کو بھی حلال کر دیتی ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہی تعلیم دی گئی ہے۔

۳- کسی ناانصافی پر احتجاج اور ردعمل جمہوری حکومتوں میں جائز ہے، لہذا کسی مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو اور اس میں اس طبقہ کے دوسرے افراد شریک ہوں، اور کچھ دوسرے افراد جو اس میں شریک نہیں ہیں اور بے قصور ہیں مگر وہ اس ظلم و زیادتی سے راضی ہیں تو ان بے قصور افراد سے انتقام لینا جائز ہوگا، دفاعی نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے، عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، ابوبصیر نے اسی طرح کی کارروائی کی تھی، اور کفار سے بدلہ لیتے تھے، اور دربار رسالت سے ممانعت ثابت نہیں۔ اگر آپ ﷺ نے روک دیا ہوتا تو صحابہ کرام اتنے وفادار اور فرمانبردار تھے کہ فوراً باز آ جاتے۔

۵- اس میں کوئی شک نہیں کہ بندوق اٹھانے اور دہشت گردی کے موقف کے اپنانے کے کچھ اسباب و محرکات ہوا کرتے ہیں، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں، جن پر قرون اولی ہی سے عمل ہوتا رہا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بنا رہا:

۱- انسانی اخوت کی بنیاد پر محبت ورحمت کا وجدان وشعور۔

۲- زندگی گذارنے کے انفرادی واجتماعی آداب کا لحاظ۔

۳- ایسی صالح حکومت جو سب کو انصاف دے، امن وامان قائم کرے، اور اس نظام حکومت میں لوگوں کو اقتصادی زندگی کی ضمانتیں حاصل ہوں۔

۶- اگر کسی جماعت یا فرد کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع واجب ہے، اگر دفاع میں کوئی مر جائے تو یہ شہید ہے: ''**من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد**'' (ترمذی ۲۶۱/۱)۔ اگر ظالم مارا

جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، اس کے ورثاء دیت یا قصاص کے حقدار نہ ہوں گے۔

لیکن دفاع کے کچھ حدود ہیں:

۱-اس وقت دفاع کیا جائے جب کسی بڑے فتنے اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

۲-دفاع میں ظلم و زیادتی نہ ہو۔

۳-جائز حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

✧ ✧ ✧

اسلام میں امن کا تصور

مولانا اسعد قاسم سنبھلی

۱- ہمارے نزدیک دہشت گردی کی مختصر و جامع تعریف وہ ہے جو امیر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے سعودی روزنامہ ''الندوہ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کی ہے: ''**وإنما یکون الإرهاب عند ما یقوم رجل بالشده والظلم بدون حق له فی إختیار الشدة والاعتداء**'' (الرائد: السنہ: ۴۴، العدد: ۱) یعنی کسی حق و اختیار کے بغیر دوسروں پر ظلم کیا جائے اور ماحول میں خوف و دہشت پیدا کردی جائے تاکہ مخالف حوصلہ ہی ہار بیٹھے۔

۲- بعض اوقات نہیں بلکہ اقوام متحدہ کی سرپرستی میں حکومتیں مسلسل پچاس سال سے دہشت گردی انجام دے رہی ہیں اور مسلم ملکوں یا غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ جو ہر سطح پر ظلم و ستم توڑے گئے ہیں وہ بلاشبہ سرکاری دہشت گردی ہے اور اسی پر دہشت گردی کا اطلاق صحیح منطبق ہوتا ہے۔

۳- شرعاً دو صورتیں ہیں: عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا جو مطلوب و واجب ہے، طاقت و ہمت کی عدم موجودگی میں صبر کرنا۔ ہڑتالیں، دھرنے اسلامی طریقہ نہیں لیکن اس کے ساتھ مستقبل میں نبرد آزمائی کے لئے ہمت و طاقت کی فراہمی ضروری ہے۔ عام حالات میں پہلی صورت واجب اور مخصوص ماحول میں دوسری صورت جائز ہے، مظلوم کا ظلم کے

خلاف اٹھنا "**من قتل دون نفسه ...... دون ماله فهو شهيد**" (ترمذی ۱/۲۶۱) کے زمرہ میں آئے گا، اور اس پر دہشت گردی کا اطلاق درست نہیں۔

۴- اگر ظالم طبقہ کی زیادتیوں پر اس کے تمام افراد اس کی اخلاقی یا سیاسی حمایت کرتے ہوں یا محض خاموش ہی ہوں اور مظلوم کے تئیں ان سے کسی ہمدردی کا اظہار نہ ہو تو انتقام کے وقت حتی الامکان تو "**فقاتلوا أئمة الكفر**"، پر عمل کیا جائے گا، لیکن جب یہ ممکن نہ ہو تو اس طبقہ کے کسی بھی فرد کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ حالت جنگ محض دو گروہوں کی تفریق کرتی ہے، اس میں دشمن کے ایک ایک فرد سے متعلق تحقیق وتفتیش نہیں کی جاتی، جو لوگ اپنی قوم کے ظالموں کو ظلم سے نہ روکتے ہوں وہ خود ظالم ہیں، انہیں کبھی بے قصور نہیں کہا جاسکتا، سیرت رسول کے باب میں حضرت ابو جندل اور ابو بصیر کے کردار ہمیں یہی اصول عطا کرتے ہیں۔

۵- سوال قدرے مجمل ہے، غور کرنے پر بھی اس کا تناظر سمجھ میں نہیں آتا، اگر وہ غیر اسلامی ملک سے متعلق ہے تو معاشی ناانصافی اور وسائل پر تسلط کے سلسلہ میں ان کو اسلامی ہدایات کی ضرورت ہی کیا ہے جو ان کی روشنی میں بحران کے تدارک کے اسباب پر غور کریں گے، وہ تو صاف صاف اسلام ہی کو دہشت گرد کہتے ہیں، جبکہ مسلم ملک ہونے کی صورت میں ہم انہیں ہر سطح پر انصاف فراہم کرنے کے تو پابند ہیں لیکن انہیں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ ان موضوعات کو بہانہ بنا کر خلافت وامارت یا مسلم حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، اس صورت میں مصالحت ٹوٹ جائے گی اور ارباب اقتدار ان کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کریں گے۔

۶- جان ومال یا عزت وآبرو کی حفاظت پر انسان کا پیدائشی حق ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں وہ ایک مبارک ومقدس عمل ہے، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ دشمن کو اقدامی پوزیشن میں چھوڑنا اور اپنے دفاع سے اغماض برتنا اللہ کو پسند نہیں ہے، اس لئے حملہ کے

وقت اس حد تک مدافعت تو لازم وواجب ہے کہ وہ خود فکر وتشویش میں مبتلا ہو جائے، نیز بھرپور وار کر کے اس کو ظلم ڈھانے کے قابل نہ چھوڑا جائے، قرآن وحدیث اور فقہاء کی تشریحات کی رو سے یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

اسلام میں تشدد کی حقیقت

مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی
مدرسہ اسلامیہ جلالیہ، نوگاؤں، آسام

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے اگر ہم دہشت گردی کی تعریف کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے قصور اور معصوم افراد یا جماعت پر ظلم وزیادتی کے حوالہ سے خوف وہراس پھیلانا یا قتل وغارت گری کرنا کہ امن عام فوت ہو جائے ''دہشت گردی'' ہے۔

۲- حکومت اگر اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہ کرے بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی کو روا رکھے، یا ان کی جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی سے کام لے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں اختیار کرے جن سے وہ طبقے جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہو جائیں تو دیکھیں گے کہ حکومت کا یہ اقدام تقاضائے عدل کے مطابق ہے یا نہیں، اگر ہاں تو اسے دہشت گردی نہیں کہا جائے گا، اور اگر نہیں تو بلا شک وشبہ یہ بھی دہشت گردی کے زمرہ میں شامل ہوگا۔

۳- کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ حکومت کی ناانصافی کی دو صورتیں ہیں: ۱- اس کا تعلق دین و مذہب سے ہوگا، ۲- یا نہیں ہوگا، اگر نہیں تو احتجاج کے تمام وسائل جمہوری طریقہ پر اختیار کرنا درست ہے، ان میں مظاہرے، ہڑتال وغیرہ سب داخل ہیں، البتہ تشدد کا راستہ اختیار کرنا جس سے کسی گروہ یا فرد کو نقصان پہنچے، مسافروں کو تکلیف ہو، راستے بند ہو جائیں جائز نہیں، اس

احتجاج کی دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کی جاسکتی ہے:"**لا یحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم**"(سورۂ نساء:۱۴۸)۔

اور اگر ناانصافی کا تعلق دین و مذہب سے ہو، مثلاً حکومت برادارانِ وطن کو تو مندر تعمیر کرنے کی اجازت دے لیکن مساجد کی تعمیر پر پابندی لگائے، اس صورت میں:"**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الايمان**"(ترمذی) کی روشنی میں صدائے احتجاج بلند کرنا واجب ہے۔

باقی رہا کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کو دہشت گردی کا نام دیا جاسکتا ہے تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت میں ظالموں سے لڑنا اور ان کے حملوں کو ناکام بنانا دہشت گردی نہیں بلکہ جہاد ہے، اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو شہید کہلائے گا، فرمان نبوی ہے:"**من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد**" (ترمذی ۱/۲۶۱)۔

۴- جواب نمبر ۳ کے شق اول سے واضح ہوگیا کہ مظلوم کو اپنے ظلم کا بدلہ لینے کا حق ہے مگر صرف ظالم سے اور وہ بھی بقدر ظلم، اس لئے کہ اگر اس کا بدلہ غیر سے لیا جائے تو "**لاتزر وازرة وزر أخرى**" کے خلاف ہوگا، نیز آپ ﷺ کا جہاد وغیرہ کے موقع پر عورتوں اور بچوں کے قتل سے باز رہنے کی تعلیم دینا اس کی غمازی کرتا ہے کہ بے قصور اور بے گناہ لوگوں سے بدلہ نہ لیا جائے:"**نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان**"(متفق علیہ، مشکوۃ ۲/۳۴۲)۔

۵- اس سلسلہ میں اسلام کی اعلیٰ تعلیم یہ ہے کہ "**تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم**"(آل عمران) یعنی اگر اسلام کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور زندگی کے ہر موڑ اور شعبے کو

اسلامی ڈھانچہ میں ڈھال لے تو کبھی بھی ایسی بری حالت سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔

۶- اس سوال کے اکثر پہلو کا جواب تیسرے جواب کے ضمن میں موجود ہے، ازراہ کرم ملاحظہ فرمالیا جائے۔

امن کا تصور اسلام میں

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم (مئو)

۱۔ دہشت گردی متعدد انواع و اقسام کی ہوتی ہے، مثلاً سیاسی دہشت گردی، فکری دہشت گردی، مذہبی دہشت گردی، ثقافتی دہشت گردی، سرکاری دہشت گردی اور انفرادی دہشت گردی۔ کسی بھی جمہوری طریقۂ عمل میں افراط اور غلو غیر مقبول سے پیدا شدہ حالات کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

سیاسی دہشت گردی کی مثال: اقوام متحدہ میں چند بڑے ممالک کو ویٹو پاور کا حصول اور کمزور ممالک کی معاشی ناکہ بندی۔

فکری دہشت گردی کی مثال: گلوبلائزیشن کی تحریک اور فضائی آلودگی کا ہوّا کھڑا کرنا۔

مذہبی دہشت گردی کی مثال: ہندوتو کی شدت پسندانہ تحریک۔

ثقافتی دہشت گردی کی مثال: استشراقیت، یا طالبان کی مجسمہ شکنی پر ذرائع ابلاغ کا بے جا استعمال۔

سرکاری دہشت گردی کی مثال: گجرات کے حالیہ فسادات یا بوسنیا، چیچنیا وغیرہ میں مسلم نسل کشی، اور اسرائیلی حکومت کی فلسطینیوں کے خلاف جارحانہ سرگرمیاں۔

انفرادی دہشت گردی کی مثال: جنوبی ہندوستان کے جنگلات میں ویرپن کی حرکات و سکنات۔

بنابریں ہمارے نزدیک دہشت گردی کی تعریف قرآنی الفاظ میں یہ ہے: ''**فساد فی الأرض**''، جس کی صراحت کچھ یوں ممکن ہے: مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں یا اداروں کی طرف سے کسی انسان، یا ملک یا حکومت یا کسی قوم پر ظلم وستم اور ایسی جارحانہ سرگرمیاں روا رکھنا جس سے انسانی جان و مال، عزت و آبرو اور دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو، تشدد، خوف وہراس، ایذا رسانی، قتل ناحق اور انسانی جان و مال کے ضیاع کرنے کی دھمکیاں، اغوا اور یرغمالی دہشت گردی کے ضمن میں شامل ہیں، ڈاکہ زنی، اور رہزنی کی واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں، لوٹ مار اور دشمنی میں کسی کو خوفزدہ کرنے کی ایسی تمام شکلیں دہشت گردی میں داخل ہیں جو مجرمین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر سرزد ہوں، اوراس مقصد کے لئے مجرمین لوگوں میں اپنا رعب اور دبدبہ اس طرح قائم کرنا چاہیں جس سے جان و مال، امن وسلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو خطرہ درپیش ہو، معاشرہ اور سوسائٹیوں میں ایسی فضا پیدا کرنا بھی دہشت گردی ہے جس سے لوگوں میں اضطراب و ہیجان کی لہریں پیدا ہوں اور منفعت بخش وسائل زندگی کی تباہی کا خطرہ لاحق ہو۔

لفظ ''فساد'' اوراس سے مشتق الفاظ کی آیات ملاحظہ کی جائیں: ''**بغیاً و عدواً**'' کے الفاظ بھی دہشت گردی کے معنی کی بہترین تعبیر ہیں۔

۲- حکومتوں کی یہ ناانصافیاں اور ظالمانہ سرگرمیاں یقیناً دہشت گردی ہیں، فرعون اور فرعونی پالیسیاں اس کی واضح مثال ہیں۔

۳- حسب استطاعت احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز بھی ہے اور واجب بھی، اور اگر استطاعت نہ ہو تو محض صبر اور دعا سے کام لینا چاہئے اور جب بھی موقع ملے احتجاج اور ردعمل کا اظہار کرنا چاہئے، مستقل خاموشی بے معنی ہے، موسی علیہ السلام، بنی اسرائیل، ساحران فرعون اور

فرعون ملعون کے حالات وواقعات اور سیرت نبوی سے غزوات وسرایا، کعب بن اشرف کا قتل وغیرہ وغیرہ اس کی عظیم مثالیں ہیں۔

۴- ظلم وزیادتی اگر انفرادی سطح پر ہوتو انتقام انفرادی سطح پر انہیں چند افراد سے لیا جائے گا، لیکن اگر وہ قومی یا طبقاتی سطح پر ہوتو قوم حربی ہوتی ہے، افراد اور سرگن کر قصوروار نہیں قرار دیئے جاتے، حالت جنگ کے مراتب اور درجات ہوتے ہیں، پوری اسلامی تاریخ اس کی عمدہ مثال ہے۔

۵- ایسی تمام دہشت گردیوں کے اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کے قانون عدل اور قانون جہاد وقتال کو مکمل طور پر اپنایا جائے اور اس میں کوئی کوتاہی اور تفریط نہ برتی جائے، مدت دراز سے مسلمانوں کی غفلت ہی نے قوموں کو ایسے مواقع فراہم کئے ہیں۔ "**فأعاذنا الله منها، ووفقنا بالجهاد في سبيله**"۔ آمین۔

۶- قرینہ صادقہ کے بغیر امر ونہی کے صیغے وجوب کا معنی اور فائدہ دیتے ہیں، قرینۂ صادقہ مقتضائے حال بھی ہوتا ہے، "**قاتلوا**"، "**لاتبغوا**"، "**لا تعتدوا**" وغیرہ قرآنی الفاظ امر ونہی ہی کے صیغے ہیں۔ جس کسی گروہ یا فرد کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے اسے دفاع کا پورا پورا اختیار حاصل ہے، جو حتی المقدور واجب بھی ہے، مباح بھی ہے اور مستحب بھی، حکم مقتضائے حال کے مطابق نافذ ہوگا، جہاد کی بحثوں میں ہر شخص کو معلوم ہے کہ جہاد فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی، صبر اور تاخیر بھی اس میں جائز ہے اور انتقام اور تعجیل بھی۔

جان ومال اور عزت وآبرو پر حملہ کی مدافعت اور اس کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- "**جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء**

رجل يريد أخذ مالی؟ قال:فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله ، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو فی النار''(مسلم فی الإیمان عن ابی ہریرہ)۔

۲-من قتل دون ماله فهو شهيد(متفق علیہ واحمد وغیرہ)۔

۳-من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل فهو شهيد(ابوداوٗد، ترمذی، ابن ماجہ واحمد عن عبداللہ بن عمرو)۔

۴-''من أصيب(قتل)دون ماله أو دون دمه، أو دون دينه، أو دون أهله فهو شهيد''(ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، السنۃ للخلال وغیرہ عن سعید بن زیدؓ)وفی رواية :''من قتل دون حرمته......''۔

۵-''من قتل دون مظلمة فهو شهيد''(الجنائز للالبانی ص ۴۲ رواہ احمد فی مسندہ عن ابن عباس)۔

۶-''من قتل دون جاره فهو شهيد''(ضعفہ احمد، السنۃ للخلال ص ۱۶۸)۔

اور اس موضوع پر استدلال کے لئے یہ آیت کریمہ کافی ہے:''إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فی الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم و أرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلک لهم خزي في الدنيا ولهم فی الآخرة عذاب عظيم''(سورۂ مائدہ:۳۳)۔

رہا مسئلہ کہ حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟ تو یہ بھی مقتضائے حال ہی پر منحصر ہے، لہذا: ایک حد یہ ہے جو مذکورہ بالا آیت کے بعد کی آیت میں ہے:''إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم''،اور ایک حد یہ ہے :''قاتلوهم حيث ثقفتموهم وأخرجوهم من حيث أخرجوكم''(البقرہ/۱۹۱) ،اور ایک حد یہ ہے:''وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة

ويكون الدين لله......"(البقرہ/ ۱۹۳)۔

نیز ایک اور حد وہ ہے جو احادیث مذکورہ بالا میں سے پہلی حدیث میں ہے، امام احمدؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "**قاتلهم حتى تمنع نفسک و مالک**"۔ ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا: "**کل من عرض لک يريد مالک و نفسک فلک أن تدفع عن نفسک و مالک**" (السنۃ للخلال/ ص ۱۶۱، ۱۶۲)، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: کتب فقہ؛ احکام المحاربین والبغاۃ۔

دہشت گردی کی حقیقت اسلام میں

مفتی مجاہدالاسلام قاسمی (آسام)

۱- دہشت گردی انگریزی لفظ (Terrorism) کا اردو ترجمہ ہے، ٹیرر کا مطلب ہے ہیبت و ہولنا کی، دہشت اور خوف و ہراس وغیرہ، اس لفظ (Terror) کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے فارسی لفظ ''دہشت'' کا استعمال کیا گیا، اور انگریزی کے لفظ (ISM) کے مطلب کی ادائیگی کے لئے لفظ ''پسندی'' اور ''گردی'' کا استعمال کیا گیا، دونوں لفظوں کو جوڑا گیا تو دہشت پسندی اور دہشت گردی ہو گیا، جس کا مفہوم ہوا کہ وہ مسلک یا نظریہ جو لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا پسند کرتا ہو یعنی وہ لوگ یا وہ مسالک و مذاہب یا افکار و نظریات جو لوگوں پر قتل و غارتگری اور لوٹ مار کے ذریعہ اپنے گھناؤنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ''دہشت پسند'' اور ''دہشت گرد'' ہیں۔

صحیح تعریف: بے قصور اور معصوم افراد کو ہراساں و پریشان کرنا، ہیبت پھیلانا اور ستانا وغیرہ، خواہ وہ تکلیف پہنچانا کسی ایک فرد کی جانب سے ہو یا کسی حکومت اور قوم کی طرف سے، ایسے ہی وہ تکلیف بم، راکٹ اور بندوق اور اغوا جیسے ہتھیار کو استعمال میں لاکر پہنچائی گئی ہو، یا زبان اور ہاتھ کو حرکت دے کر یا کسی ذریعہ کو استعمال کر کے، یہ سب دہشت گردی کی حدود سے باہر نہیں ہیں، اسلام کی لغوی و اصطلاحی تعریف: اسلام عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ ''س ل م'' ہے، ترجمہ ''امن'' ہے۔'' **سلم يسلم سلاماً و سلامة**'' حفاظت کرنا، ''**أسلم يسلم**

إسلاماً'' فرمانبرداری کرنا، اطاعت کرنا، کیونکہ مذہب اسلام بھی خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتا ہے، اس لئے اسے بھی اسلام کہا گیا۔ اصطلاح میں آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن کریم نے جس کی صراحت کی ہے:'' **اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الإسلام دينا**''(سورۂ مائدہ:۳)۔

''اسلام'' اور'' دہشت پسندی'' کے لفظی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ'' اسلام'' اور'' دہشت پسندی'' دونوں باہم متضاد ہیں، ان کے مابین کسی بھی جہت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اسلام ایک ایسی شئ ہے جس کے جزء جزء میں سلامتی وامن ہے جبکہ ''دہشت پسندی'' میں سراسر ہولناکی اور ہیبت، مارکاٹ، قتل وغارت گری ہے،''**والفتنة أشد من القتل**''(بقرہ/۱۹۱)۔

دہشت گردی اسلام کی نظر میں ایک مہلک شئ ہے، دہشت گرد اسلام کی نظر میں سخت سزا کے مستحق ہیں۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، ارشاد باری ہے:''**إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذى القربى**''(نحل:۹)۔اس کی خلاف ورزی دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے، امن وامان کی راہ میں حائل چیزیں ظلم کرنا، گالی دینا، الزام لگانا، بہتان تراشی وغیرہ چیزیں جو دہشت گردی ہے وہ اس حدیث نبوی میں مذکور ہیں، ''**عن أبى هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال : أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال: إن المفلس من أمتى من يأتى يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتى قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا**

وسفک دم هذا وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، فان فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت ثم طرح في النار"(مسلم)۔

۳- ایسی صورت میں احتجاج اور ردعمل کا اظہار فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، ارشاد باری ہے:"أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير، الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله"(حج/۳۹،۴۰)،گرچہ آیت کریمہ کا مورد خاص ہے مگر مفہوم عام ہے،لہذا ہر ظلم وتشدد کے خلاف لڑنے کی طرف اشارہ ہے،لیکن اس کے لئے بہترین اسلوب جیسے پرسکون جلوس اور میمورنڈم وغیرہ اختیار کرنا چاہئے،"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده الخ"(حدیث)۔ اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا "دہشت گردی" کے دائرہ میں نہیں آتا ہے،"فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين"(بقرہ/۱۹۴)۔

۴- ظالموں کے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں جو بےقصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں،"ولا تزر وازرة وزر أخرى"(فاطر/۱۷)۔

حضرت عمرؓ کی وصیتوں میں ہے:"ولا تقتلوا هرماً ولا امرأة ولا وليداً وتوقوا قتلهم إذا التقى الزحفان وعند شنّ الغارات"(کسی بوڑھے،عورت اور بچے کو قتل مت کرو،اور جب دونوں فریق میں جنگ شروع ہوجائے اور حملے کرنے کے وقت ان کو قتل کرنے سے اجتناب کرو)۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا گزر ایک مقتول عورت پر ہوا،حضور ﷺ وہاں رکے اور فرمایا:"ما كانت هذه لتقاتل "(عورت لڑنے والی نہ تھی)،اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا:"الحق بخالد بن وليد، فلا

يقتلن ذرية ولا عسيفا(أجيراً) ولا امرأة"،اس سے معلوم ہوا کہ بے قصوروں پر حملہ نہیں کرنا چاہئے (اسلام،امن اور دہشت گردی)۔

۵- اس بارے میں اسلام کی ہدایات ہیں کہ حکومت بلا امتیاز ہندو اور مسلم تمام لوگوں کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرے، کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے، کسی قرض دار کو مقروض نہ رہنے دے، کسی کمزور کو بے سہارا نہ رہنے دے، کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم نہ رکھے، کسی ننگے کو لباس سے محروم نہ رکھے۔"**ولا يدع فقيراً ولايته إلا أعطاه، ولا مديوناً إلا قضى منه دينه ولا ضعيفاً إلا أعانه ولا مظلوماً إلا نصره ولا عارياً إلاكساه كسوة**"(اسلام،امن اور دہشت گردی/۵۵)۔

۶- ایسی صورت میں دفاع واجب ہے،**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد**(الحدیث)، مدافعت کے حدود مختلف ہوسکتے ہیں، جیسے ڈرانا، دھمکی دینا، عدالت میں مقدمہ وغیرہ دائر کرنا، اگر ان سے کام نہ حاصل ہو تو قتل کی نوبت آئے تو قتل کرسکتا ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے:"**الضرورات تتقدر بقدر الضرورة**"۔

امن عالم اور اسلام

مولانا تنظیم عالم قاسمی (حیدرآباد)

اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں، عدل و انصاف، چین وسکون، امن وآشتی اسلام کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات سے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقیقی مومن وہ ہے جس سے اس کے پڑوس کے لوگ امن میں رہیں (بخاری ۲/۸۸۹) ۔اور دہشت گردی دوسروں پر ظلم وتعدی اور جور وستم کا نام ہے، ناانصافی، حق تلفی، طاقت آزمائی اور وہ تمام چیزیں دہشت گردی میں داخل ہیں جن سے کسی انسانی دل کو تکلیف پہنچتی ہو، البتہ ظلم واستحصال کے مختلف درجات کے اعتبار سے دہشت گردی کی قباحت اور اس کی شدت میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے، جیسے کسی آدمی کو برا بھلا کہنا، یہ ظلم ہے اور اس پر دہشت گردی بمعنی ظلم وتعدی کا اطلاق ہوگا، اور کسی کو بلاقصور قتل کردینا یہ غیر معمولی ظلم ہے اس کو بھی دہشت گردی کہا جائے گا مگر یہ انتہاء درجہ کی دہشت گردی ہوگی، اور پہلی قسم سے اس کا گناہ بہت بڑھا ہوا ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ دہشت گردی اور ظلم دونوں ہم معنی ہیں۔ لہذا جس طرح ظلم شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہے اسی طرح دہشت گردی بھی حرام اور قبیح ہوگی۔

دہشت گردی کے اسباب اوران کا تدارک:

دہشت گردی کے اسباب احساس محرومی اور قانونی راستہ سے حقوق کے تحفظ اور

ناانصافیوں کے تدارک سے مایوسی ہے، اور ناامیدی دہشت گردی کوجنم دیتی ہے، کبھی معاشی محرومی سرمایہ داروں کے خلاف آتش اشتعال کو بھڑکاتی ہے، کبھی سیاسی محرومی دہشت گردی کا سبب بنتی ہے، کبھی اس کا سبب ناانصافی اور فرقہ وارانہ زیادتی بھی ہوتی ہے، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام ہدایت دیتا ہے کہ ان اسباب وعوامل پر سنجیدہ غور کر کے بزور قوت ختم کرنے کے بجائے سنجیدہ غور کیا جائے، عرب جاہلیت سے زیادہ دہشت گردی اور لاقانونیت شاید ہی تاریخ میں کہیں رہی ہولیکن اسلام نے نہایت خوبی سے اس کا علاج کیا، اوران ہی لوگوں کوجن کی وحشت ضرب المثل تھی پوری دنیا میں امن کا پیامبر بنا کر کھڑا کر دیا، اسلام نے تو اولا آخرت کا یقین پیدا کیا اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کوایک فانی اور آنی جانی چیز قرار دیا۔

"**وما متاع الحیوۃ الدنیا إلا متاع الغرور**"(الحدید:۲۰)۔

سیاسی سطح پر کسی طبقہ کو دبا کر رکھنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے، اسلام نے ذات اور برادری کی بنیاد پر عہدے اور ذمہ داریوں کی تقسیم نہیں کی بلکہ اہلیت اور صلاحیت کو اس کے لئے معیار بنایا: "**دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا**" قرآن کریم نے عدل وانصاف پر زور دیتے ہوئے کہا: "**لا یجرمنكم شنآن قوم**"(المائدہ:۸)، مذہبی معاملات میں بھی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا: "**لنا أعمالنا ولكم أعمالكم**"(بقرہ:۱۳۹)، اسلام نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ ایک شخص کے جرم کا بدلہ دوسرے سے لیا جائے اور کچھ مجرموں کی وجہ سے بے قصور لوگوں کو نشانہ انتقام بنایا جائے: "**لا تزر وازرة وزر أخرى**" (فاطر:۱۸)۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ احتجاجی قانون کا راستہ ہمیشہ کھلا رکھا جائے اگر احتجاج مبنی برحقیقت ہے تو اسے قبول کیا جائے اور اگر خلاف واقعہ ہے تو اسے مطمئن کیا جائے، ملک کے ایک عام شہری کو بھی بڑے بڑے حکمرانوں کو روکنے اور ٹوکنے کا حق حاصل ہے، اسی کا نام قرآن

کی زبان میں نہی عن المنکر اور شہادت حق ہے۔ اگر کچھ لوگ غیر سنجیدہ طریقہ اختیار کریں تو ان کا بھی بہتر طریقہ پر جواب دیا جائے، اللہ تعالی نے فرمایا: ''إدفع بالتی هی أحسن'' (مومنون:۲٦)۔ اسلام سراپا رحمت اور امن وآشتی ہے، وہ عدل وانصاف کا سرچشمہ ہے، رحم اور عفو ودرگذر سے زیادہ کوئی چیز اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں اور ناانصافی اللہ کی نظر میں مبغوض اور موجب غضب الہی ہے، اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کام کیا جائے تو دہشت گردی بآسانی ختم ہوسکتی ہے۔

جان و مال کی حفاظت اور اس کے حدود:

انسان کی جان و مال اور اس کی عزت وآبرو خدا کی امانت ہیں، پورے حقوق کی رعایت کے ساتھ ان چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اللہ نے آنکھ، کان، ناک اور اعضائے جسم دیئے تو ان کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور ان تمام چیزوں سے منع کیا جن سے اعضائے جسم کا ظاہری یا اخروی نقصان ہو، حتی کہ نماز، روزہ، تلاوت، ذکر اور اذکار کے بارے میں ہدایت دی گئی کہ وہ اسی حد تک انجام دیئے جائیں جس حد تک جسم کا نقصان نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی کے اصول وقوانین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: عبداللہ! کیا تم کو دن میں روزہ رکھنے اور رات کو نفل پڑھنے کی ہدایت نہ دوں، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا مت کرنا، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، سوؤ بھی اور نماز بھی پڑھو، اس لئے کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمانوں کا تمہارے اوپر حق ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''وعن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال لی رسول الله صلی الله

عليه وسلم: فلا تفعل صم وافطر وقم ونم فان لجسدک عليک حقاً وإن لعينک عليک حقاً وان لفروجک عليک حقاً"(متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ ۱/۱۷۹، باب حق الجسم في الصوم، حدیث ۱۹۷۵ مسلم شریف)۔

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اگر کوئی جان قربان کر دیتا ہے تو شریعت نے اسے شہادت کا درجہ دیا ہے، حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد"(مسلم شریف:۱۶۵۲)۔

اس کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی میرا مال لینا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مال مت دو، پھر سوال کیا: اگر وہ مال نہ دینے کی وجہ سے قتال کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، پوچھا: اگر وہ مجھے قتل کر دے، آپ ﷺ نے جواب دیا: تم شہید کہلاؤ گے، اس نے کہا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا، تو فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔

"عن أبى هريرة قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار"(مسلم ۱/۱۴۰)۔

امام نوویؒ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما أحكام الباب ففيه جواز قتل القاصد لأخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلاً أو كثيراً لعموم الحديث، وهذا قول الجماهير من العلماء

وقال بعض أصحاب مالک لا يجوز قتله إذا طلب شيئاً يسيراً كالثوب والطعام وهذا ليس بشئ، والصواب ما قاله الجماهير، وأما المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف وفى المدافعة عن النفس بالقتل خلاف فى مذهبنا ومذهب غيرنا والمدافعة عن المال جائزة غير واجبة والله أعلم "(صحیح مسلم بشرح الامام النووی ۱/ ۵ ۱۳ دار الفکر للطباعۃ)۔

(عموم حدیث کی وجہ سے ناحق مال لینے والے کے قتل کا جواز ثابت ہوتا ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اور بعض اصحاب مالکیہ نے کہا کہ اگر ناحق طلب کی جانے والی چیز تھوڑی ہو جیسے کھانا، کپڑا وغیرہ، تو قتل جائز نہیں، لیکن بہتر قول جمہور کا ہے۔ رہی بات عزت کی حفاظت اور اس کی مدافعت کی تو وہ بلا اختلاف واجب ہے، اور قتل کے ذریعہ نفس کی مدافعت میں ہمارے اور غیر کے مذہب میں اختلاف ہے، اور مدافعت عن المال جائز ہے واجب نہیں)۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت واجب ہے اور مال کی حفاظت جائز، مدافعت کی آخری حد شہادت ہے یعنی اگر مبتلی بہ شخص نے ان اشیاء ثلثہ میں سے کسی کی حفاظت کے لئے جان گنوادی تو اسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔

مناقشہ:

اسلام اور امن عالم

اسلام اور امن عالم کے موضوع سے متعلق عرض آپ حضرات کے سامنے پیش کئے گئے،اب اس کے بعد جومختلف سوالات ہیں ان کے بارے میں آپ کو جو کچھ اظہار خیال کرنا ہو، گفتگو کرنی ہو،اپنا نام لکھ کر بھیج دیجئے۔مناقشہ شروع ہونے سے پہلے مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں،لہذا میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

مولانا بدرالحسن قاسمی:

مجھے کوئی تقریر نہیں کرنی ہے آپ کے سامنے،مولانا معین الدین قاسمی صاحب نے ایک اشکال کیا ہے کل، جو ہمارے عرب مہمان تھے ان کی گفتگو پر، میں نے کل ہی ان کی تقریر کے بعد اپنے تحفظ کا اظہار بھی کیا تھا اور ان کی تردید بھی کردی تھی۔ان کے بیان سے مغالطہ نہیں ہونا چاہئے۔سجدہ یا کوئی بھی سجدہ کے مشابہ جو عبادت کی اصطلاحات ہیں وہ مخصوص ہیں، اس کی گنجائش نہ تو کسی قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ہے نہ کسی کو سجدہ تعظیمی کی گنجائش ہے،حرام ہونے میں ان کو کوئی شبہ نہیں ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ حرام ہے،عربی میں ایک طریقہ ہے: رأی المناقشة ، کہ کوئی بات کوئی خیال آپ رکھیں مجمع کے سامنے،مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس پر دس آدمی کی رائے سامنے آئے کہ ہر ایک کے دلائل کیا کیا ہیں؟ تو یہ مغالطہ کسی کو نہیں ہونا چاہئے کہ

کسی بھی عرب مہمان کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہے کہ سجدہ غیر اللہ کے لئے جائز ہے، ہرگز نہیں۔ عرب اور عجم بلکہ وہ تو ہم لوگوں کے مقابلے میں زیادہ حساس ہیں اس معاملے میں، یہ تو صرف ایک اصطلاحی بات تھی، اور آج حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے بہت اچھی وضاحت کردی ہے، فرق تھوڑا سا تعبیر کا تھا، مولانا نے تعظیم میں اور عبادت کے مفہوم میں جو فرق بیان کیا ہے کہنا ان کو بھی وہی چاہئے تھا اور یہ وہی چاہ بھی رہے تھے، لیکن تعبیر میں جو تھوڑا بہت جھول تھا اس کی وضاحت میں نے کل بھی کردی تھی، ان کے سامنے کی تھی، اور انہوں نے معذرت کرلی تھی، آج بھی یہی ہوا کہ صبح ان کے مقالے میں ایک موضوع یہ تھا کہ باہم اتحاد و اتفاق کی گفتگو ہو، ایک جزئیہ انہوں نے فقہ کی کتاب سے نقل کیا تھا جس سے یہ ابہام ہوتا تھا کہ اگر کوئی حنفی مثلاً نبیذ پی لے تو شافعی قاضی اس کی تعزیر کرسکتا ہے، اس پر حد قائم کرسکتا ہے تو میں نے اس پر اسی وقت آپ کے سامنے اعتراض کیا کہ یہ جزئیہ آپ کے مجموعی مقالے سے جوڑ نہیں کھاتا، اور یہ مثالیں ان ہی چیزوں کی ہے کہ جیسے ہمارے بعض انتہاء پسند لوگ اس طرح کی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، انہوں نے فوراً ہی سبھوں کے سامنے معذرت کی، کہا کہ اس جز کو ہم نکال دیں گے اس بحث سے، تو اس لئے کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے بارے میں غلط فہمی ہو۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر کے اندر وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص زنار پہن لے یا کوئی شخص جا کر بت کے سامنے سجدہ کرے تو ہم تو اس کے کفر کا فتوی دیں گے اس کی ظاہری حالت کی بنیاد پر، ہم یہ توجیہ نہیں کریں گے کہ اس نے تعظیمی سجدہ کیا ہے، تو کل یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ سجدہ کے مفہوم میں یا عبادت کے مفہوم میں یا ہدی کے مفہوم میں کہ غیر اللہ کے لئے ہدی جائز ہو یا غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہو یا غیر اللہ کی عبادت جائز ہو، اس سلسلے میں کسی کی رائے الگ نہیں، ہر ایک کے نزدیک یہ چیزیں حرام ہیں۔ فرق تفصیلات میں جا کر کے

ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حرام کہتا ہے مخرج من الملۃ نہیں کہتا، ایک شخص حرام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم فتوی تو ظاہری طور پر دیں گے کہ جب ایک شخص بت کے سامنے سجدہ کر رہا ہے یا زنار پہنے ہوئے ہے، یا مجوسیوں کا انداز اختیار کئے ہوئے ہے اور کوئی مجبوری اس کی نہیں ہے تو اس وقت اس کے اوپر کفر کا حکم لگایا جائے گا ظاہری طور پر، میں نے یہ وضاحت اس لئے کردی ہے کہ اکیڈمی بحمداللہ ان تمام معاملات میں مکمل طور پر چوکنا اور حساس ہے، اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزئیہ بھی حتی کہ فقہی امور میں بھی ایسا ہو کہ جس سے کسی کی دل آزاری ہوسکتی ہو تو اسے ہم برداشت نہیں کرسکتے اور بحیثیت ذمہ دار کے اکیڈمی کی طرف سے بھی اعلان کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام معاملات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سجدہ حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے غیر اللہ کے لئے۔ کسی بھی نیت کی بہتری سے وہ حلال نہیں ہوسکتا، چاہے وہ تعظیمی ہو یا غیر تعظیمی ہو، اور یہ بات میں نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے جب کہی تھی تو انہوں نے صفائی سے اقرار کیا تھا کہ میرا مقصد یہ نہیں ہے، منشا صرف اتنا ہی تھا جیسا کہ وضاحت کی کہ تعظیم الگ چیز ہے عبادت الگ چیز ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ موالاۃ کے مفہوم میں ان معاملات میں آپ کی رائے سے مجھے سخت اختلاف ہے، تو انہوں نے کہا: کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو میں نے ان کے سامنے وضاحت کی، تو انہوں نے کہا کہ میری رائے بھی وہی ہے، تو اس لئے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بہت سے حضرات نے نام بھیجا ہے اظہار رائے کے لئے، مگر مشکل وہی ہے کہ وقت کی کمی ہو جاتی ہے، مولانا سعود عالم قاسمی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تھوڑے سے وقت میں اپنی بات کہہ دیں۔

مولانا سعود عالم قاسمی:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی نے بہت زندہ موضوع پر یہ سمینار منعقد کیا ہے اور یہ قابل مبارکباد ہے، لیکن یہ موضوع ایسا ہے کہ اس پر کچھ اور پہلو ہیں جو بنیادی طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ان سب پر ایک ساتھ گفتگو کی ضرورت ہے اور گفتگو سیر حاصل ہو۔ یہ وقت جو آپ نے فراہم کیا ہے اس میں بہت سارے حضرات کے ذہنوں میں بہت ساری چیزیں ہیں سب کو موقع دیجئے، جو بات کہنے کی ہے وہ یہ کہ دہشت گردی کی اصطلاح ایک تو فریم کی ہوئی اصطلاح ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ ایران کے انقلاب سے پہلے مغرب میں ایک اصطلاح ایجاد تھی ''فنڈامنٹلسٹ'' کی، جس کا ترجمہ تھا بنیاد پرست۔ انقلاب کے بعد دوسری اصطلاح ایجاد ہوئی جس کا نام تھا ''ایکسٹریمسٹ''، جس کا ترجمہ تھا انتہاء پسند، اور جب مغربی دنیا کے سامنے ایک دشمن جو بڑا تھا کمیونسٹ کا وہ ختم ہوگیا، تب مسلمانوں کو فریم کرنے کے لئے انہوں نے یہ اصطلاح ایجاد کی جس کو کہتے ہیں ہم ''ٹیررسٹ''، تو وہ اصطلاح ایجاد کرتے ہیں کہ کس طرح آپ کے دشمن کو ہم اس میں فریم کریں، اور پھر اس کے لئے جو تفصیلات طے کرتے ہیں وہ بھی وہی ہوتی ہیں کہ جس سے ایک خاص نشانہ اس میں فریم ہوجائے، چنانچہ آپ یہ دیکھیں کہ یواین کی تاریخ سے لے کر کے اس وقت جو کتابیں آرہی ہیں، ہنٹن کی کتاب سے لے کر کے آج تک جتنی کتابیں ہمارے یہاں آرہی ہیں وہ ساری کی ساری اس میں فریم کی جارہی ہیں، طاقت ان کے پاس ہے، ان کے ساتھ اصل جو استعمال ہے وہ میڈیا کا ہے، میڈیا کے ذریعہ وہ اس کو اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ وہ آدمی جو مظلوم ہے وہ بھی اپنے آپ کو کہیں نہ کہیں مجرم محسوس کرنے لگتا ہے، صورت حال یہ ہے کہ اس سے نکلنے کے لئے بھی فقہ اکیڈمی کو کچھ تجاویز مرتب کرنی چاہئے، اس سلسلے میں دو تین بنیادی چیزیں ہیں:

۱-اپنا کیس ہم کس طرح ڈیل کر سکتے ہیں، اس کا سلیقہ مسلمانوں کو آنا چاہئے، ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ گجرات کے اندر ایک پادری پر ایک چرچ کے اوپر حملہ ہوا، اس نے اپنے انٹرنیٹ کے ذریعہ اس معاملے کو انٹرنیشنل بنا دیا، اور نتیجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک اس کی حمایت کے لئے چلے آئے اور ہندوستان کی حکومت کو منہ کی کھانی پڑی، مسلمانوں کے ساتھ بڑے بڑے معاملات ہو جاتے ہیں لیکن ہم چونکہ میڈیا کا استعمال کرنا نہیں جانتے، لہذا ہمارا خون رائیگاں جاتا ہے، ہمارے حقوق رائیگاں جاتے ہیں، ہماری فیملی برباد ہوتی ہے، ہمارے ادارے برباد ہوتے ہیں، تو ایک تو یہ کہ میڈیا کا استعمال کس طرح کرنا چاہئے، گجرات کا واقعہ ہوا غیر مسلموں نے اس کا استعمال کیا لیکن ہم ابھی تک قاصر ہیں، تو ساتھ ساتھ یہ ہونا چاہئے۔

دوسری چیز جو جڑی ہوئی ہے وہ یہ کہ دہشت گردی کا جواب دہشت گردی نہیں ہے، اشتعال کا جواب اشتعال نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے، کاٹنے والا لوہا گرم نہیں ہوتا، گرم لوہا داغ سکتا ہے کاٹ نہیں سکتا، کاٹنے والا لوہا ہمیشہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ ان حالات کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی میں یقیناً ایسے معاملات آئے ہیں، کوئی ابورافع آ جائے گا، کوئی کعب بن اشرف آ جائے گا، کوئی ابوافک آ جائے گا، یہ استثنائی واقعات ہیں، لیکن حضور ﷺ نے جو حکمت عملی اپنائی پورے اس مشرکانہ وظالمانہ سوسائٹی کو چیلنج کرنے کے لئے اسی حکمت عملی کی طرف ہم کو بڑھنا چاہئے، اس کا ایک طریقہ قانون کا استعمال ہے۔ ظہیرہ شیخ کے معاملے میں ہم سب لوگ ناکام ہوئے لیکن اب عدالت نے اس معاملہ کو اپنے اوپر لے لیا تو یہ پوری کی پوری حکومت کے چہرہ کے اوپر ایک سیاہ داغ کا دھبہ لگ گیا، اور جسٹس کھڑے جو ابھی گذرے ہیں مسلمانوں کو شکر گزار ہو جانا چاہئے اس کا کہ اگر ہندوستان میں عدالت برقرار نہیں رہے گی تو لوگوں کے حقوق نہیں مل پائیں گے، قانون کا کیسے ہم استعمال کریں؟ جگہ جگہ پر ہمیں اس کو بھی ڈسکس کرنا چاہئے۔ آخری بات میں کہتا ہوں کہ ٹیررزم

کے سلسلہ میں، دہشت گردی کے سلسلے میں ہم کو کھل کر یہ بات کہنی چاہئے کہ اس امت کو امت دعوت بننے کی ضرورت ہے اور مسلم حکومتوں کو قوت مرہبہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

مفتی انور علی:

مولانا جلال الدین عمری صاحب کی گفتگو مجموعی طور پر بہت اچھی رہی اور ان کی اکثر باتوں سے اتفاق ہے، لیکن انہوں نے جو قرآن پاک کی آیت پیش کی کہ مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ وہ کافروں کو اپنا ولی بنائیں، اس آیت کو انہوں نے حالت جنگ کے ساتھ خاص کرنے کے بارے میں ایک شبہ ظاہر کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت حالت جنگ اور حالت امن دونوں کے لئے ہے، دونوں حالتوں میں ہمیں روکا گیا ہے کافروں کو دلی دوست بنانے سے، البتہ اتنا ہے کہ اخلاق کا ہم ان کے ساتھ بھرپور مظاہرہ کریں، اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور ان کو دلی دوست بنانا دو الگ الگ چیزیں ہیں، دونوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں۔

مولانا یعقوب قاسمی:

مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر مسلمان کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ ہو چاہے وہ انڈیا ہو یا غیر انڈیا ہو، تو ایسی حالت میں مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے جیسا کہ حدیث کے اندر آیا ہے: ''**من قتل دون ماله فهو شهيد**'' تو ایسی صورت میں شہید کا درجہ ملے گا اور ہمارے مخالفین بھی اس سے پست ہوں گے، اور پھر ان کی ہمت نہ ہوگی دوبارہ مسلمانوں کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ کرنے کی، اور بھی میں نے مقالات سنے ان میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں اپنے حقوق کو تسلیم کروانے کے لئے دھرنا دینا یا کسی نوعیت کا احتجاج کرنا یا بھوک ہڑتال کرنا یہ شرعاً ناجائز ہے۔ میرے خیال میں یہاں پر جتنی جماعتیں ہیں وہ اپنے حقوق کو تسلیم کروانے کے لئے احتجاج کرتی ہیں یا بھوک ہڑتال کرتی ہیں یا دھرنا دیتی ہیں، میری رائے

یہ ہے کہ مسلمانوں پر کوئی زیادتی ہو کسی طرح کی حکومتی سطح پر ہو، یا عوامی سطح پر ہو اور مسلمانوں کے حقوق کا استحصال ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں ہندوستان جیسے جمہوری ملک کے اندر جو طریقہ کار یہاں کے عوام استعمال کرتے ہیں ہمیں بھی اس طریقہ کار کا استعمال کرنا درست ہوگا۔ دھرنا دینا، احتجاج کرنا، یا بھوک ہڑتال کرنا اپنے حقوق کو منوانے کے واسطے شرعاً ہمارے واسطے درست ہوگا۔ اور دہشت گردی کے سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ دہشت گردی ایک ایسا لفظ ہے جس کے ذریعہ خوف و ہراس پیدا کیا جاتا ہے خواہ ذہنی خوف و ہراس پیدا کیا جائے اور اس کو ذریعہ قتل بنایا جائے یا مالی نقصان پہنچایا جائے۔ بہر کیف دہشت گردی کا جب اطلاق مغربی میڈیا کرتی ہے تو اس سے مراد صرف مسلمان ہوتے ہیں دیگر اقوام اس سے مراد نہیں ہوتے ہیں، نہ اس سے وہ اسرائیل کو مراد لیتے ہیں نہ امریکہ کو مراد لیتے ہیں، نہ برطانیہ کو مراد لیتے ہیں، نہ دوسری قوموں کو لیتے ہیں، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام چیزوں پر غور ہونا چاہئے۔

مولانا اسرار الحق سبیلی :

بے قصور افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، یہ تو اس مسئلہ کا ایک سادہ پہلو ہے، لیکن ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ جو لوگ براہ راست ظلم میں شریک تو نہ ہوئے ہوں مگر بالواسطہ ان کا ساتھ دیا ہو یا ان کی تائید کی ہو تو کیا وہ لوگ بالکل معصوم سمجھے جائیں گے جب کہ جمہوری ملکوں میں اقتدار اعلی عوام کے پاس ہوتا ہے، عوام سیاسی امور میں رہنمائی اور نمائندگی کے لئے اپنے قائدین کو اقتدار حوالہ کرتے ہیں، اب اگر عوام کو معلوم ہے کہ فلاں پارٹی ایک خاص فرقہ کی دشمن ہے اور ماقبل میں اس نے اس فرقے کے خلاف زبردست تباہی مچائی ہے اور منظم طور سے نسل کشی کی ہے پھر بھی وہاں کی عوام ایسی فرقہ پرست اور ظالم پارٹی کو ووٹ دے اور وہ پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آ کر ویسی ہی تباہی مچائے تو کیا وہاں کی عوام کو ویسے ہی بے قصور سمجھا

جائے گا، مثال کے طور پر گجرات ہے، اور اسی طرح اسرائیل کی عوام نے مسلمانوں کے کٹر دشمن ''شیرون'' کے حق میں ووٹ دیا، اور ''شیرون'' اپنے پاؤں تلے مسلمانوں کو روند کر اپنی عوام کے توقعات کے مطابق یہ کارنامہ بڑی مستعدی سے ادا کر رہے ہیں اور فلسطینیوں کا دامن حیات تنگ کر کے رکھ دیا ہے اور وہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق خودکش بم دھماکہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلسطینیوں کا بم دھماکہ کرنا ہی ان کی بقا کا واحد راستہ رہ گیا ہے ورنہ ان کی ساری کوششیں بے فیض ہوگئی ہیں۔ اسرائیل اور امریکہ ان بے قصوروں کے نسلی صفایا کے درپے ہے تو کیا ایسی صورت میں فلسطینیوں کو ظالم اور اسرائیلیوں کو معصوم سمجھا جائے گا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ''ہٹلر'' جیسے ظالم کو جرمن عوام نے نہ صرف منتخب کیا بلکہ اس سے بے انتہاء محبت کی تھی، لہذا اس بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس پہلو کو نظرانداز نہ کیا جائے۔

اختتامی کلمات

ڈاکٹر مسفر بن علی قحطانی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف الخلق و سيد المرسلين محمد بن عبد الله وعلى آله وصحبه ومن والاه إلى يوم الدين وبعد،

میں تمام مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اسی طرح ان عارضین کا جنہوں نے مقالات کی روشنی میں عرض پیش کئے، اور ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے عرض کو سننے کے بعد مناقشہ میں حصہ لیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ صبح سے اب تک آپ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، میں ہرگز آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، بس میں اس عظیم سیمینار کے اس اہم محور پر چند باتیں اختصار کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے ہمیں دہشت گردی کے مفہوم جیسا کہ اہل علم نے اپنی تحریروں میں اس پر گفتگو کی، اور اس کے ان سیاسی پہلوؤں کو جاننا چاہئے جن کی وجہ سے یہ مفہوم پیدا ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں، سب سے پہلے اس کا استعمال سیاسی طور پر شمعون پیریز کے پروجیکٹ میں کیا گیا جس کا نام اس نے ''عظیم صہیونی پروجیکٹ'' رکھا، اس پروجیکٹ کو ۱۹۸۷ء میں شائع کیا گیا، اس پروجیکٹ کے ذریعہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ دہشت گردی کے مفہوم کو داخل کر کے عرب اسلامی ممالک کے اندر تشدد پیدا کرے، جہاں حکومتوں کو وجہ جواز حاصل ہو جائے کہ وہ اپنی ہی قوم کو دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر زدوکوب کرے۔ اور مزید اس لئے کہ اسرائیل ایک غاصب اور ظالم حکومت ہے لہذا وہ اس پروجیکٹ کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کر لے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ عرب حکومتوں کے ساتھ اس کا تال میل ہو جائے، اور پھر سب ایک ہی ڈور سے بندھ جائیں اور ایک آواز لگائیں کہ ہمیں دہشت گردی کا سامنا ہے۔ پھر اس کے بعد اس مفہوم نے ترقی کی، یہاں تک کہ کمیونزم کے زوال کے بعد اب صرف اسرائیل کے ساتھ عرب حکومتوں کو دہشت گردی سے دوچار کر کے فائدہ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ یہ سامراجی طاقتوں کے پوری طرح قابض ہو جانے کا ایک منصوبہ ہے، جس کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ اسلامی ممالک اور اس کے ذخائر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور حقیقتاً نیویورک میں ان ٹاورز پر حملے کا حادثہ پیش آنے کے بعد یہ پلان کھل کر سامنے آ گیا ہے، وہ صرف دو برج تھے، لیکن اس کی وجہ سے دو ملک تباہ کر دیئے گئے، ایک افغانستان اور دوسرا عراق۔ لہذا ہمیں اس مفہوم کو ذہن میں رکھنا چاہئے، ہمارے دشمنوں کا ارادہ صرف یہی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ ہمارے امور اور ہمارے ملک میں دخل اندازی کریں اور قبضہ کو مضبوط تر بنائیں۔ علماء فقہ اور علماء اسلام کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کریں اور ان پروپگنڈوں کے پیچھے نہ جائیں جنہیں امریکی، صہیونی اور برطانوی خبر رساں ایجنسیاں مسلم علاقوں میں اس طرح پھیلاتی ہیں کہ مسلمان باہمی جھگڑوں اور اندرونی

معرکہ آرائیوں میں الجھ جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں آ جاتے ہیں اور پھر آپس میں ہی مارکاٹ شروع کر دیتے ہیں، اور اس طرح یہی چیز بین الاقوامی دخل اندازی اور قبضہ وغلبہ کا سبب بن جاتی ہے، یہ بہت کم ہے جسے میں نے بیان کیا ہے۔ میں نے کئی ایسی رپورٹیں دیکھی ہیں بڑے امریکی مفکرین مثلاً فوکویاما اور نوم چومسکی وغیرہ کی جو امریکی فکر میں مشہور ہیں، ان لوگوں نے صراحتاً اپنے مقالوں میں یہ بات کہی ہے جو کہ امریکی اخبارات میں شائع بھی ہوئی، کہ امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی علاقہ میں دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر اس کے قدم وہاں پر پڑیں، کسی مسلم ملک میں ہم مثلاً قتل وخونریزی دیکھتے ہیں، یا مثال کے طور پر مسلمانوں کے کسی دشمن کی کھلی ہوئی دخل اندازی دیکھتے ہیں جبکہ نہ ہمارے پاس قوت وطاقت ہے اور نہ ساز وسامان ہے اور نہ ہم اس دشمن سے مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، تو کیا براہ راست کوئی عالم، فقیہ یا مفتی آئے اور ان اجنبیوں کو مارنے، ان امریکیوں کو قتل کرنے، برطانیوں کے بارے میں تفتیش کرنے، اور ہر مقام پر قتل وخونریزی کرنے کا فتوی دے دے، ان سرگرمیوں کی وجہ سے جو یہ لوگ اسلامی ممالک میں کرتے ہیں، ہمیں تھوڑا دم لینا چاہئے اور توقف اختیار کرنا چاہئے۔ فتوی دینے سے پہلے فقیہ کے پاس دو نوع کا فہم ضرور ہونا چاہئے جیسا کہ امام ابن القیم نے اعلام الموقعین میں فرمایا ہے: اول یہ کہ مفتی جس مسئلہ میں فتوی دے رہا ہے اس مسئلہ کی صورتحال کو سمجھتا ہو، اور دوسرے یہ کہ ان حالات کو بھی سمجھتا ہو جس میں وہ فتوی دینا چاہتا ہے۔

............امام محمد بن حسن شیبانی کی السیر الکبیر اور السیر الصغیر، اور شرح الامام سرخسی اور اسی طرح امام ابویوسف کی کتاب الخراج وغیرہ یہ سب کتابیں بہت ہی عظیم ہیں، یہ سب کتابیں فقیہ کے پیش نظر ہونی چاہئیں، اور فقیہ کو اپنے گردوپیش کی صورتحال اور سیاسی امور سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت ہونی چاہئے تاکہ ان کا دیا ہوا فتوی صائب اور صحیح ہو، اور اس کے نتیجہ میں قتل وجلاوطنی اور مسلمانوں کی عزت واموال کی بربادی کی صورت نہ پیدا ہو۔ اس مسئلہ میں ایک اہم

قضیہ کوہمیں سمجھ لینا چاہئے، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی کمزور حکومت اپنے دشمن کا سامنا نہیں کر پاتی ہے، جیسا کہ مکہ کے مسلمانوں نے قریش سے مقابلہ آرائی نہیں کی اور نہ ان سے قتال کیا، یہاں تک کہ نبی ﷺ نے تیرہ سال کی مدت کے بعد ہجرت کی، جسے آپ ﷺ نے صبر وقناعت کے ساتھ گزارا، اور جب آپ ﷺ کے پاس زمین ہوگئی اور لشکر تیار ہوگیا تو اس وقت آپ ﷺ نے قریش سے قتال کیا، لیکن آپ ﷺ نے اس سے پہلے ان سے قتال نہیں کیا۔ علماء کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے مکی حالت منسوخ نہیں ہوئی ہے، چونکہ وہ اسباب پائے جارہے ہیں، اور وہ کمزور ہونا اور ساز وسامان اور تعداد کی قلت ہے، لہذا مسلمانوں کو فوراً ہی اپنے دشمن کے مقابلہ پر نہیں آنا چاہئے جب تک کہ وہ تیاری نہ کرلیں، طاقتور نہ ہوجائیں اور دشمن سے مقابلہ کے لئے بڑی تعداد میں لوگ جمع نہ ہوجائیں۔ اخیر میں میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتیں غور سے سنیں، اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اس کام کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو۔